حقیقتِ مُنتظَر

پیش لفظ

آسمان کے ستاروں' بارش کے قطروں' درختوں کے پتوں' صحرا کی ریت اور زمین و آسمان کے ذروں کی مانند بے انتہا شکر و تعریف کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اکیلا اور تنہا ہونا اُس کی صفت اور بزرگی و برتری' تیز بڑائی اور اچھائی جس کی خوبی ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو اُس کی ذات کی عظمت کے متعلق سوچے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کوئی دل ایسا نہیں جو اُس کی عجیب و غریب صنعتوں سے ایک لحظہ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے اور یہ کس کی قدرت سے بن اور چل رہی ہے۔ بے انتہا درود حضرت محمد ﷺ پر جو سب نبیوں کے سردار اور ہر صاحبِ ایمان کے رہبر و رہنما ہیں۔

آج کا مسلمان اس ابہام کا شکار ہے کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہونے والی کتاب اور اُس میں بیان کردہ ضابطۂ حیات کی آج کے پیچیدہ دور میں کیا اہمیت اور اس کے ساتھ کیا مطابقت ہے۔ اس ابہام کی بنیادی وجہ قرآن اور حدیث کے پیغام کو سطحی طور پر اور روایتی انداز میں دیکھنے کی روش ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ غور و فکر اور حکمت کے ذریعے اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تا کہ آج کی معروضی حقیقتوں کے تناظر میں اور آج کی ضروریات کے مطابق اس سے راہنمائی و استفادہ کیا جا سکے۔

ہمارے یہاں دینی معاملات پر بحث کے دوران عموماً غور و فکر اور دلیل و برہان کی بجائے جذباتیت کو مقدم سمجھا جاتا ہے' جس کے نتیجہ میں اتفاق کی بجائے نفاق کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پروفیسر احمد رفیق اختر کا اندازِ فکر سوچ و بچار پر مبنی اور فکر انگیز ہے' جو آپ سے اپنی رائے پر از سرِ نو غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

قارئین سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ پروفیسر احمد رفیق اختر طویل عرصہ تک مختلف نظریات کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے۔ انہوں نے ہر فلسفے' تہذیبوں کی تاریخ' ادب' تصوف اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حروفِ مقطعات پر بھی غور کرنا شروع کیا تو اللہ نے آپ کو ان حروف کے علم سے بھی نوازا۔ لہٰذا جونہی کوئی بھی نام پروفیسر صاحب کے کانوں تک پہنچتا ہے تو اس نام سے جُڑی پوری شخصیت ذہن میں اُتر جاتی ہے' کیونکہ بقول

پروفیسر صاحب ان حروف میں لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ آپ آنے والے سائل کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماءِ الٰہی اور دعائیں لکھ دیتے ہیں۔ جو انہیں پڑھتا رہتا ہے وہ جہاں اور بہت ساری تبدیلیاں محسوس کرتا ہے وہاں وہ یقینی طور پر ذہنی سکون اور قلبی طمانیت کی دولت حاصل کر لیتا ہے جو آج کے تشویش اور بے کیفی کے دور میں بہت بڑی نعمت ہے۔

پروفیسر صاحب نے مروجہ نظریات کے ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جس سے ہر قسم کے شکوک وشبہات دُور ہو سکتے ہیں اور اسلام کی حقانیت اور صداقت اس طرح آشکار ہو سکتی ہے جس طرح سورج کی روشنی ہر تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔

دُعا

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

رب أدخلنی
مدخل صدق واخرجنی
مخرج صدق واجعل لّی
من لدنک سلطنا
نصیراً ○
(۱۷(الاسراء):۸۰)

سبحٰن ربک رب العزة
عما یصفون ○
وسلام علی المرسلین ○
والحمد
للّٰہ رب العلمین ○
(۳۷(الصٰفٰت):۱۸۰-۱۸۲)

پاکستان اور اسلام

☆ لیکچر

سوالات و جوابات

☆ پاکستان کی اسلام سے دُوری

☆ تقسیمِ ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار

☆ اسلام کو کیسے سمجھیں؟

☆ غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟

☆ دجال کب آئے گا؟

☆ یہ لیکچر 14 اگست 2003ء آر ی گیریژن ہال سیالکوٹ میں ہوا۔

پاکستان اور اسلام

سب سے پہلے میں آپ کو آزادی کے اس مبارک دن کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ پاکستان اگرچہ پاک لوگوں کی سرزمین ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا ہو نہیں سکا۔ آزادی کے بے شمار اوصاف ہم تک نہیں پہنچے اور اس لفظِ مبارک میں جو امن' جو قرار' جو خلوص ہے اُس سے بھی ہماری آشنائی نہیں ہوئی۔ مگر بہر حال ایک ایسی مملکت معرضِ وجود میں آئی جس کے حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت ساری وجوہات تھیں۔

حضراتِ گرامی! انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کو حریف حکمران سمجھ کر اُن پر بے شمار نفسیاتی ذلتوں کے حربے استعمال کیے۔ اُن کے آبا ؤ اجداد کے وہ شاندار لباس جو اُن کی عظمتوں کی نشاندہی کرتے تھے' اپنے خادموں کو اور اپنے کم ترین لوگوں کو اس لیے پہنوائے کہ مسلمانوں کے دل میں ان کی اپنی حقارتوں کے جذبے موجزن ہو جائیں۔ اُن کو نوکریوں سے نکالا گیا اور بہت کم ملازمتیں دی گئیں۔ سرسید احمد خان کی رپورٹ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ برصغیر میں اگر کوئی جنگجو اور حریت پسند قوم تھی' جو غلامی سے ذہنی' قلبی اور بدنی نفرت کرتی تھی جو ان آقاؤں کے خلاف جدوجہد کے قابل تھی' تو وہ صرف مسلمان تھی۔ انگریزوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا اور انہوں نے مسلسل کوشش کی کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ہندو کو برتری حاصل ہو جائے۔ عددی برتری تو تھی' نفسیاتی برتری بھی دی جائے تاکہ مسلمانانِ ہند اپنی پستیٔ فکر میں ایسے الجھیں کہ بقول اقبال:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

حضراتِ گرامی! ایک اور بہت بڑا حربہ تعلیمی شعبہ میں بھی استعمال کیا گیا' جو علمی توجیہات سے متعلق تھا۔ برصغیر میں انگریزوں نے سب سے ابتدائی جو مضمون متعارف کرایا' وہ فلسفہ تھا۔ فلسفہ' جو سوال کرتا بھی ہے اور جواب مانگتا بھی ہے۔ فلسفہ جو تشکیک ہے۔ یہ فلسفہ اور یہ تشکیک اس مقصد کے تحت تھا کہ جو Dogmatic یعنی پرانی مذہبی اقدار کو چیلنج کرنے والا تھا اور اُس تشکیک نے ہماری مذہبی اقدار کو مسلسل چیلنج کیا۔ بدقسمتی سے اسلام اب وہ اسلام نہیں رہا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد' سلطان سلیمان ذیشان کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے یہ غلط سمجھ لیا تھا کہ فتوحات ہمیشہ ان کا مقدر رہیں گی۔ کسی قوم کے لیے شکست اتنی بری نہیں ہوتی مگر کسی قوم کے لیے مسلسل فتح اُن کے تکبراتِ ذات میں اضافہ کرتی ہے اور اُن کی علمی' ذہنی اور عقلی توجیہات کو ختم کر دیتی ہے۔ یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔

اس مختصر سی دنیا میں یہ واحد نظریہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے بعد اسلام کی اشاعت کے بعد کوئی نظریہ دنیا میں اتنا مقتدر نہیں رہا جتنا اسلام رہا۔ چاہے اپنی کمزور حالت میں تھا' چاہے بہتر حالت میں تھا۔ اسلام تیرہ سو برس دنیا کے انتہائی مقتدر مذاہب میں رہا اور اُن لوگوں نے تیرہ سو برس اپنی مخالف اقوام کو ہمیشہ احساسِ کمتری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہ وہ مذہب تھا جو کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ یہ وہ مذہب تھا جو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں اقتدار میں رہا۔ اگر عرب گئے تو دیلمی آ گئے۔ دیلمی گئے تو سلجوق آ گئے۔ سلجوق گئے تو عثمانی ترک آ گئے۔ عثمانی ترک گئے تو تیموری ترک آ گئے اور ایک وہ وقت تھا جب سولھویں صدی میں دنیا کے تین بڑے بادشاہ تھے اور تینوں مسلمان تھے۔ اگر ایک طرف سلطان سلیمان ذیشان تھا تو دوسری طرف جلال الدین محمد اکبر کی شہنشاہی تھی اور ایران میں صفوی سلطان عباسِ اعظم سریر آرائے سلطنت تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ سب کے ساتھ ذیشان لگتا ہے یا اعظم۔ یہ صرف حکمرانی کرنے والے بادشاہ تھے۔

ایک لطیفہ آپ کو پیش کرتا ہوں کہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں انگلینڈ کا سفیر آیا اور اس نے بڑے القابات جیسا کہ ملکۂ بحر و بر اور اس قسم کے القابات پیش کیے تو جلال الدین اکبر نے اپنے وزیر ابوالفضل سے پوچھا ''ایں جزیرہ نما چہ است'' کہ بھائی! یہ اتنی تعریفیں' جس کی کی جا رہی ہیں' یہ ہے کہاں۔ یعنی جس کو اتنے القابات دیے جا رہے تھے وہ ان کے لیے کتنی ناقابلِ لحاظ تھی۔

ایک بات کا آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ جب آقائے کائنات حضرت محمد ﷺ آئے تو عرب دورِ جہالت میں تھا۔ اگر آپ کو تھوڑا سا یورپی اور برطانوی تاریخ کا علم ہو۔ سولھویں اور پندرھویں صدی۔ یہ یورپ کے سیاہ ادوار جانے جاتے تھے۔ پھر ان سیاہ ادوار کو دور کرنے کے لیے دو بڑی تحریکیں آئیں' تحریک اصلاحِ دین (Reformation) اور نشاۃ ثانیہ (Renaissance)۔ ایک کو تحریکِ احیائے مذہب اور دوسری کو تحریکِ احیائے علوم کہتے ہیں۔ دونوں تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہونِ منت تھیں۔

حضراتِ گرامی! جب قرطبہ میں اَسّی ہزار حمام تھے۔ جب وہاں ہر گلی چراغوں سے منور تھی۔ جب اس شہر کا ایک ایک سائنسدان اِستدلال سے زمین و آسمان کی کھوج میں مصروف تھا' اُس وقت شان الیزے[1] میں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہوتا تھا اور اعلیٰ ترین بیگماتِ فرانس جب زانوؤں تک اپنے لبادے نہیں اٹھاتی تھیں' گھروں میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ کلچرل تقابلیت کی بات ہے۔

پھر وہ ہوا جو شاید نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ پیغمبر ﷺ جس نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے اہلِ اسلام تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ علم ہے۔ تمہارا سب سے قیمتی اثاثہ اللہ ہے۔ تمہاری طاقت' تمہاری سیادت' تمہارے علم اور تمہارے خیال کا مرکز صرف اور صرف اللہ ہونا چاہیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ جس کی علمیتِ عالیہ کا یہ عالم تھا کہ اُنہوں نے اپنے مقصدِ تعلیم سے کبھی ایک پل کے لیے گریز نہیں کیا۔ ایک لاکھ چھتیس ہزار احادیث میں سے ایک حدیث بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ وہ اپنے مقصد سے اس طرح آگاہ تھے۔ حاکمیتِ پروردگار سے محبت اور تعلق سے وہ اتنے زیادہ منسوب تھے کہ اُس پیغمبرِ قدسیؐ نے ایک حدیث بھی اپنی تعریف میں نہیں فرمائی۔ یہ عاجزی اور یہ بے غرضی دنیا کے کسی اور اُستاد میں

(1) پیرس کی مشہور شاہراہ۔

نہیں آئی جس نے کبھی کوئی بھی پیغام آگے پہنچایا ہو۔ یہ اس لیے تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ یہ جانتے تھے کہ وہ آخری اُستاد ہیں اور جب تک وہ ہر بات کو جزوی کیفیت میں واضح شکل میں آگے نہیں پہنچائیں گے' اس قوم سے کسی نہ کسی غلطی کے ہو جانے کا امکان موجود ہے۔ یہ سبق چلتا رہا۔ آج آپ اولیاء اللہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ اسلام میں بہتر انسانوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ جب بھی عالمِ اسلام پر بحران آیا۔ کہیں حجتہ الاسلام محمد بن احمد الغزالیؒ پیدا ہوئے۔ ایک اُستاد کے آنے سے المراطین اور المواحدین کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ اور اللہ کے بندے اللہ کو واپس پلٹے اور دو سو سال تک اسلامی اقتدار اُندلس میں قائم رہا۔ کیا وجہ ہے کہ جب بغداد تباہی سے روشناس ہوا' پھر وہ خدا کا عظیم بندہ شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوا اور دو سو برس تک اسلام کو اپنی عظمت واپس لوٹا گیا۔ یہ وہی شخص ہیں جو واپس اہلِ اسلام کو ترجیحات کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلاتے۔ جب برصغیر میں اسلام ابھی تشنۂ مرادِ زندگی تھا۔ ابھی اس کو پذیرائی نہیں مل رہی تھی۔ ابھی لوگوں میں اُس کی شناسائی نہ تھی تو مرشدِ گرامی کے حکم سے وہ شیخ عالی مقام سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ تشریف لائے۔

صوفی کوئی نرالا نہیں ہوتا' یہ کوئی حیرت انگیز شے نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ جو مذہب آغاز میں نماز اور روزہ سے شروع ہوا' اس کی اختصاصیت آگے بڑھتی ہے۔

یہ مذہب میں ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ سند ہے۔

صوفی وہ ہے جس کے مقاصد بہتر سے بہتر مذہب کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ کس کو علوم نہیں کہ اسلام نماز اور روزہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر کیا اُمتِ مسلمہ سے نماز اور روزہ تک ختم ہو جاتا ہے؟ کیا کسی کالج اور یونیورسٹی کے طالبِ علم جب اپنی ابتدائی تعلیمات کے لیے داخل ہوتے ہیں' تو وہ اسی وقت ایم۔اے کی ڈگری لے کر نکلتے ہیں؟ ہر درسگاہ میں رُتبۂ تعلیم ہے۔ ہر درسگاہ آگے بڑھتی ہے۔ ہر طالبعلم علم میں ترقی کرتا ہے۔ مسلمانوں میں علم کی ترقی شناختِ پروردگار کی طرف جاتی ہے۔ آپ اعمال سے آگے بڑھتے ہوئے خدا کے وثوق' اُس کی محبت اور اُس کی ہمسائیگی تک پہنچتے ہیں۔ یہ وہ محبت ہے جس کی آرزو کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوتا۔ مگر آج اس بحرانِ عالم کے زمانے میں جب ہم اپنے دلوں کو دیکھتے ہیں تو اصولی تحریکیں اتنی زیادہ ہیں۔ اعداد و شمار کا میٹرکس ہے۔ کتنی نمازوں کا کتنا ثواب ہے' کتنی نمازیں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے سے کیا ہوتا ہے مگر کوئی استاد ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کی آرزو کے بغیر تمام اعمال بے کارِ محض ہیں۔ وہ اللہ جو قرآن میں یہ کہتا ہے کہ تمہاری قربانیاں نہیں۔ ان کا گوشت تو مجھ تک نہیں پہنچتا' ان کی ہڈیاں مجھ تک نہیں پہنچتیں' ان کا خون مجھ تک نہیں پہنچتا مگر وہ نیت جس سے تم ان کو قربان کرتے ہو' وہ مجھ تک پہنچتی ہے۔

زمین و آسمان میں صرف دو جواب دہیاں (Accountabilites) ہیں۔ اِن دو کے علاوہ کوئی جواب دہی (Accountabilit) نہیں۔ مذہب میں اور سیکولرازم میں صرف ایک فرق ہے کہ

سیکولر شخص ان کے سامنے جواب دہ نہیں۔

Holioake، Wedlock اور Francis Bacon اس کے تین بڑے معزز فلسفی ہیں۔ Wedlock کہتا ہے کہ وہ شخص کبھی اچھا سیکولر نہیں ہو سکتا' جو اچھا Atheist نہیں اور اگر آپ اس کی لغت کے اعتبار سے دیکھیں تو مذہب کو

ہر کارِ عمل سے نکالنا۔ یہ سیکولر کا بنیادی مقصد ہے۔ مگر حضرات محترم! ان میں کچھ سچ بھی تھے۔ ان کے اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام نہیں تھا' بلکہ عیسائیت تھی۔ وہ عیسائیت جس میں عملیت کا کوئی فلسفہ نہیں۔ لہٰذا عیسائیت جیسے غیر سائنسی مذہب کو دیکھتے ہوئے اُنہوں نے اپنی زندگی کو مذہب سے بے دخل کر دیا۔

ظاہر ہے جب زمانہ آگے بڑھا' علم و حکمت کی ترقی ہوئی' وہ علوم جو انہوں نے مسلمانوں سے سیکھے' ان میں پیش رفت ہوئی۔ سینا و فارابی کی تحقیقات آگے پہنچیں۔ رازی کے لطائف پہنچے۔ ڈیکارٹ نے لفظ بہ لفظ غزالی کو نقل کیا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج میں دو سو برس تک اسلامی علوم نصاب کے طور پر پڑھائے گئے۔ جب اُن کی اپنی عقل نے ترقی کی تو انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ عیسائیت جو کچھ ہمیں دے رہی ہے' وہ سائنسی نہیں ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح کیوں نہیں تھا۔ اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے خدا نے اپنا ہاتھ ان کتابوں سے اٹھالیا۔ کوئی شک نہیں کہ اپنے وقت میں یہ الہامی کتابیں تھیں۔ مگر جیسے پروردگار نے ان پر حکم لگایا کہ بات یہ نہیں کہ میرے پیغمبر غلط تھے۔ عیسیٰ بھی غلط نہ تھے نہ موسیٰ بھی غلط تھے مگر ان کی تعلیمات میں آمیزش کی گئی۔ ان کے فرمودات کو غلط انداز سے پیش کیا گیا۔ ایسے اعداد و شمار کا اضافہ کیا گیا' جن کی خدا ضمانت نہیں دے سکتا۔ ثم یقولون ھذا من عند اللّٰہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا (۲ (البقرۃ): ۷۹) پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے اور اس سے تھوڑے سے دام لے سکیں۔ جیسا ایک شاعر نے کہا۔

For twenty pence, our lords were sold.

انہوں نے اپنے پیغمبر بیچ دیے۔ یہودا اسکریوتی نے عیسیٰ کو بیچ دیا۔ موسیٰ کی قوم کا یہ عالم تھا کہ موسیٰ نے بشارت دی کہ جاؤ یروشلم فتح کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ انہوں نے کہا موسیٰ نادان ہو گیا ہے۔ اتنے قد آور لوگوں سے جنگ لڑا رہا ہے۔ ان کے پاس اتنا اسلحہ' اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں اور موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم اُن سے جنگ نہیں کریں گے اور موسیٰ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ

اعوذ باللّٰہ ان اکون من الجٰھلین (۲ (البقرۃ): ۶۷) اے پروردگار! یہ تجھ پر توکل نہیں رکھتے۔ یہ تجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔ میں مجبور ہوں۔ تو خداوند کریم نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی نقل کرنے والے ہیں۔ یہ تمام ہارورڈ میں علم سمجھتے ہیں۔ اور ہزاروں سکول پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو پاکستان میں امریکن اور برٹش شہری تیار کرتے ہیں۔ وہ یہاں تعلیم پا ہی نہیں سکتے۔ اُن کے شعور میں نہیں ہے کہ علم بغیر ان اعلیٰ ترین ناموں کے حاصل ہو سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ صرف اُلٹ پھیر ہے۔ ایک وقت تھا جب مارکو پولو یا کوئی دوسرا سیاح صرف مراکش' بغداد اور سمرقند و بخارا کو یاد کرتا تھا۔ یہ زمانے کا اُلٹ پھیر ہے۔ مگر کیا واقعی مسلمان اتنے مقہور و مجبور ہیں؟

اب بھی یہ امیر ترین ہیں مگر چھن کیا گیا ان سے؟ آخر یہ عظمتیں اور اپنے آباؤاجداد کی تقاسیر کیوں خاک ہوئیں۔ ابھی کوئی آدمی یہ اٹھ کے کہتا ہے۔

How long we will live the images of our forefathers?

بھئی اب وہ زندہ تو نہیں رہے۔ وہ تو آپ سے بہت کم لوگ تھے۔ ان کے پاس تو کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ ان کے پاس تو کوئی جدتیں نہیں تھیں۔

جب بہارا رمنی نے کہا۔ اے سوسمار اور گوہ کھانے والے عربو! تم وہی ہو نا' جو کیڑے مکوڑے کھا کر صحراؤں میں اپنے پیٹ پالتے ہو۔ تم اتنی عظیم الشان سلطنتوں سے آ کے ٹکر لیتے ہو۔ سلطنتِ روما سے ٹکر لیتے ہو۔ تم سلطنتِ ایران کے ہخامنشی خاندان کی عظیم سلطنت سے مقابلہ کرتے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے پاس کتنے ہاتھی' کتنے گھوڑے' کتنی رتھیں اور کتنے بکتر بند سپاہی ہیں۔ حضرات گرامی! مقابلہ تو اعداد و شمار اور حربی وسائل ہی سے ہو گا۔ اگر ایک ننگے بدن کو بکتر بند سے لڑا دو تو حساب تو وہی پڑ جائے گا جو آج کا ہے۔ تو مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا۔ تو درست کہتا ہے۔ ہم ایسے ہی تھے۔ ہم اب بھی تم سے کمزور ہیں' مگر ہم میں پھر ایک پیغمبر ﷺ تشریف لائے۔ اُنہوں نے ہمیں زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا۔ اُنہوں نے ہمیں خدا کی اعانت طلب کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اُنہوں نے ہمارے دلوں سے خوف و خطر نکال دیا۔ انہوں نے ہمارے اعصاب کو تقویت بخشی اور اب ہم تمہاری عظمتوں سے نہیں' صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔

حضرات گرامی! کہا جاتا ہے کہ اب اتنے بڑے بحران میں عالمِ اسلام میں پھر کوئی ولی کیوں نہیں جاگتا۔ کیوں نہیں کوئی بندۂ خدا پیدا ہوتا۔ کیوں نہیں دل عظمتوں سے آشنا ہوتے۔ کیوں نہیں محبتِ خدا کی رمق ان کے دلوں میں پیدا ہوتی؟

بڑی سیدھی سی بات ہے کہ ہم میں سے کسی کو خدا کے وصال کی امید نہیں ہے۔ ہمیں بتانے والوں نے سلسلۂ مراتب (Hierarchy) اتنا بڑا کر دیا۔ اسلام چرچ کا شکار ہو گیا۔ اَن پڑھ مولوی کا شکار ہو گیا۔ وہ مولوی جو خود کبھی میٹرک نہیں کر سکتا تھا' وہ قرآن حفظ کر کے آپ جیسے ٹیکنیشنز' سپیشلسٹ اور دانشوروں کا امام بن گیا۔ آپ کی ساری کی ساری مذہبی تربیت اور ٹریننگ خوف و وحشت کا شکار ہو گئی۔ بڑی دیر کی بات ہے۔ چندر گپت موریا کا زمانہ تھا اور وہ ایک چنڈال[1] عورت کا بیٹا تھا' اسی لیے موریا خاندان اس کی ماں کے نام سے پڑا۔ وہ ایک معمولی طبقہ کی عورت تھی۔ اس کا وزیر پنڈت چانکیہ بہت سیانا تھا۔ فلسفۂ تاریخ کا ماہر تھا اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر چندر گپت Survivalist نہ ہوتا تو چانکیہ نے اتنا بہترین نظامِ جاسوسی اختیار کیا کہ تمام افواج کے اوپر اُس نے اپنے جاسوس لگائے ہوئے تھے تا کہ کوئی شخص بغاوت کی بُو نہ لے سکے۔ اور چندر گپت اتنا سیانا تھا کہ اُس نے پنڈت چانکیہ پر جاسوس بٹھا رکھے تھے کہ یہ اتنا شاطر ہے کہ کہیں میرا تختہ ہی نہ اُلٹ دے۔ تو اُس وقت ایک برہمن کی جنگ کھشتری عورت سے ہو رہی تھی۔ برہمن کو پتہ تھا کہ کھشتری سے جسمانی طور پر جنگ نہیں جیت سکتا۔ میں اس راجپوت شہزادے کے خلاف لڑ نہیں سکتا۔ اس کی مقتدر حیثیت کم ہو رہی تھی۔ تو اس نے تین طریقے ڈھونڈے۔ ایک خوف کا' ایک لالچ کا اور ایک مندر کا۔ آپ اگر اب بھی جا کر دیکھ لو ہولناک مندر' چھوٹے چھوٹے خانے' بارہ بارہ زبانوں والی دیویاں' دُرگا' کالی' سرسوتی' گھنشام۔ بد شکل کہ آدمی جاتے ہی اُن میں خوف کا شکار ہو جائے۔ اور پھر انہوں نے جنگ جیتنے کے لیے دیوداسیاں تخلیق کیں۔ اس معاملے میں فوجی بیچارے کمزور ہوتے ہیں۔ حسن و جمال کی تحریک بڑھی۔ جدھر دیکھا تھوڑا سا حسن و جمال اور تن و باطن خاکستر ہو گئے۔ ادھر اُنہوں نے رقص و سرود شروع کیا اور وہ سادہ دل راجپوت سپاہی جو میدانِ جنگ میں شکست نہ کھا سکا' مندروں میں دیوداسیوں کے دامِ تزویر میں اُلجھ گیا۔

(1) ایک کمتر ہندو ذات جس میں ماں برہمن اور باپ شودر ہو۔

اگر آپ غور کرو تو یہ خوف ہمارے ساتھ آئے۔ آج اگر پاکستان میں بھی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے بارے میں پوچھو تو سوائے ایک ایمان کے کہ اللہ ایک ہے ہمارا کوئی اسلامی ایمان سلامت نہیں رہا۔ ہزار برس کی ہندوانہ کشمکش اب دوستی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ آج دوستی کے پیغام تو جا رہے ہیں مگر دوستی کس چیز کی۔ ٹھیک ہے مملکتوں کی آپس میں صلح ہوتی ہے۔ آپ ہمیں نہ چھیڑو ہم آپ کو نہیں چھیڑتے۔ چھیڑو گے تو قیامت آ جائے گی۔ مگر مسلمان اور ہندو کس طرح ایک ہو سکتا ہے۔ بنیادی کمٹمنٹ پر ایک دوسرے کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ مسلمان ہندو کو برداشت کر سکتا ہے اس لیے کہ آپ کو پروردگار نے فرمایا ہے۔ یہ قرآن کا فرمان ہے کہ لا اکراہ فی الدین (۲ (البقرۃ):۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے۔ اگر لوگ اپنے اپنے دین پہ قائم ہیں تو تم ان کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں یہ اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ سوچ اور غور و فکر کا مسئلہ ہے۔ کون ہمیں چاہتا ہے۔ ہم نے تو انسان کو عقل اس لیے دی ہے۔ پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ ہم اگر چاہتے تو ہمیں اپنی عزت و عظمت کی قسم ہے کہ دنیا میں کوئی غیر مسلم نہ ہوتا' کوئی کافر نہ ہوتا۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے ہیں۔ ہم تو فرشتوں کی عبادت سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کرتے جس کو عملی طور پہ کار فرما حقیقت دیتے۔ مصنوعی ذہانت دیتے اور اس ذہانت سے پھر وہ فیصلہ کرتا کہ ہم نے خدا کو ماننا ہے کہ نہیں۔ ہم تو Choices دینا چاہتے تھے۔ ہم نے تو زمینوں اور آسمانوں کو بھی کہا تھا کہ ہم نے تم میں کچھ احکام ڈال دیے ہیں۔ چاہو تو آؤ چاہو تو انکار کرو۔ ہمیں کوئی پروا نہیں۔ فان اللّٰہ غنی عن العلمین (۳ (آل عمران):۹۷) اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑ گئی۔ ضرورت ایک پڑ گئی۔ یحسرۃ علی العباد (۳۶ (یٰسین):۳۰) اے لوگو! مجھے حسرت ہے میں نے تمہیں عقل دی' معرفت دی' غور و فکر دی' دانش دی اور یہ چاہا کہ کاش کہ تم مجھے جان لو۔ میں جو مہربان اور کریم رب ہوں۔ میں نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب حکیم میں لوح محفوظ میں یہ لکھا اور مجھے قسم ہے اپنی عزت کی کہ میں نے تمہیں معاہدہ لکھ کے دیا کہ کسی انسان پہ جبر نہیں کروں گا۔ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶ (الانعام):۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

کیا نسلِ انسان میں جانور ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی رحمتِ پروردگار بھی ہے جس میں جانور بھی شامل ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ نے خالی کنٹریکٹ نہیں دیا' بلکہ میں نے اسی رحمت کے وجود کو زمین میں تمہارے لیے متشکل کر دیا اور میں نے محمد ﷺ کو اس طرح بھیجا کہ اگر میں الحمدللہ رب العالمین ہوں تو میرا پیغمبر وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (۲۱ (الانبیاء):۱۰۷) ہے۔ یہ رب العالمین اور رحمت اللعالمین کے موازنے میں جہنم کہاں سے آ سکتی ہے۔ مگر یہ کہ آپ اس اتھارٹی کا ہی انکار کر دو جس نے کچھ عطا کرنا ہے۔ ایک ہندو جو مر کے اپنی قبر تک پہنچے اور فرشتۂ مرگ اس سے پوچھے کہ کس سلسلے میں آئے ہو۔ دنیا گزار آئے ہو کس سے صلہ مانگتے ہو؟ وشنو' شیوا' درگا' کالی' سرسوتی' اندرا۔ کس سے مانگتے ہو؟ کم از کم مالک کا تو پتہ ہونا چاہیے۔ جس نے عطا کرنا ہے اس کی تو خبر ہونی چاہیے۔ اور خداوند کریم کہتا ہے کہ کبھی تم نے تو مجھے پکارا ہی نہیں۔ تم نے تو مجھ سے کچھ چاہا ہی نہیں۔ تمہیں تو میرا پتہ ہی نہیں۔ مجھ سے بخشش کیا ڈھونڈتے ہو۔ میں نے تمہیں ان پہ چھوڑ دیا۔ جن سے تم بخشش مانگتے ہو۔ اس میں کوئی بے انصافی اور زیادتی تو نہیں۔

زمین و آسمان میں یہ کفر و اسلام کی تفریق ایک جواب دہی (Accountability) پہ ہے۔ وہ جواب دہی جو مسلمان اور دوسرے تمام مذاہب اور اقوام میں مختلف ہے۔ ایک جواب دہی ذات کی ہے۔ ذات (Self) میں وطن ہے۔ ذات میں حب الوطنی آتی ہے۔ ذات میں آپ کی روایات آتی ہیں۔ ذات میں آپ کے بچے ہیں۔ بیویاں ہیں۔ اسباب زندگی ہیں اور تمام دنیا میں مسلمان کے علاوہ تمام لوگ اپنی ذات کے روبرو جوابدہ ہیں۔

ذات اگر امریکہ میں جا کے خوش ہے اگر برطانیہ میں خوش ہے اور سعودی عرب جا کر خوش ہے تو آپ لوگ اسی کی پیروی کرتے ہو لیکن ایک مسلمان جواب دہی کا ایک بالکل ہی الگ احساس رکھتا ہے۔

اس پورے خطۂ ارض و سما میں صرف اور صرف مسلمان ہی اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ ہے۔

جب طارق نے اندلس کے کنارے اپنے سفینے کو آگ لگائی تو اس کے اصحاب نے اسے میٹرکس یاد کروائے۔ شکست ہوسکتی ہے کیونکہ دشمن لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج لے کے آیا ہے۔ تُو کہاں پھنسا ہوا ہے۔ تیرے ساتھ تو صرف بارہ ہزار فوجی ہیں۔ تم کہاں جاؤ گے اور پھر بڑے خوبصورت انداز میں اقبالؒ نے کہا:

؎ طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت

جب طارق نے اندلس کے ساحل پہ اپنے جہازوں کو آگ لگادی تو:

؎ گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطا ست

وہ بہت حساب کتاب والے تھے جنہوں نے بہت سارے اکاؤنٹس جمع کر رکھے تھے۔ انہوں نے کہا طارق غلط کیا تو نے۔ عقل کے نزدیک یہ بات غلط ہے۔

؎ ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست

شریعت کی رو سے اسباب ترک کرنا جائز تو نہیں ہے۔ یہ ایک اور اعلیٰ مقام ہے جو شریعت کے بھی اسباب بتاتی ہے۔

تو طارق نے بڑا مشہور جواب دیا۔

؎ خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت

اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک لے گیا اور کہا:

؎ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

ہر ملک میرا ملک ہے۔ یہ سن رکھو کہ یہ میرے خدا کا ملک ہے۔

اور حضراتِ گرامی! پاکستان خدا کا ملک ہے اور خدا کے بندوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اس کی زمین سے محبت کرو۔ اس عطیۂ خداوند سے کیوں نہ محبت کروں جو اللہ نے تمہاری چیخ و پکار سنی۔ پیغمبرانِ قدس کی معرفت سے دو چیزیں ہندوستان کے مسلمانوں میں باقی مسلمانوں سے زیادہ تھیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو پاکستان کے مسلمانوں میں اب ساری دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ ایمان کی صرف دو بنیادیں ہیں۔ حضور گرامی ﷺ نے فرمایا! اس نے ایمان چکھ لیا جس نے اللہ کی وجہ سے دوستی کی اور اللہ کی وجہ سے دشمنی کی۔ اگر تمہارے معیارِ محبت یہ ہو جائیں۔ اور دوسری

بات حضورِ گرامی ﷺ مرتبت نے فرمائی کہ ایمان اس نے چکھا کہ جس کے لیے میں اس کی اولاد اس کی زندگی اس کے مراتب اس کے مناصب ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوگیا ہوں۔ ایک اللہ اور دوسری محبتِ رسول ﷺ۔ یہ دو چیزیں ایمان کی حلاوت ہیں۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب آقائے محترم ﷺ کے حضور حاضر تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا! اے عمرؓ! تمہیں مجھ سے کتنا انس ہے۔ فرمایا! یا رسول ﷺ اپنی نفسِ جان سے کم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ فرمایا عمرؓ ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

حضراتِ گرامی! آپ جن کو بدو سمجھتے تھے ان کا ظرف دیکھیے۔ انہوں نے پیغام کو کس طرح سمجھا۔ آپ کیسے سمجھتے ہیں۔ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں حساب کون لے گا۔ فرمایا اللہ خود۔ ہنسا اور ہنس کے چل دیا۔ حضور ﷺ نے کہا بلاؤ اسے۔ یہ کونسی ہنسنے کی بات ہے۔ اس کو واپس لائے۔ بھئی تو ہنسا کیوں ہے؟ یہ تو ڈرنے کی بات ہے۔ تو بدو نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے دیکھا ہے کہ جب زندگی میں کوئی عالی ظرف حساب لیتا ہے تو بڑا آسان لیتا ہے۔ پھر اللہ سے بڑا عالی ظرف کون ہے جو قیامت میں حساب لے گا۔ میں اس بات سے خوش ہوا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو! اس بدو کا ایمان تم پر بازی لے گیا ہے۔ کیا اچھی بات اس نے اللہ کے بارے میں کہی ہے کہ وہ عالی ظرف جب حساب لے گا تو تم اپنے گناہوں کو شمار کرو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب میزان لگے گا اور اس میزان میں ایک طرف مسلمانوں کے گناہ رکھے جائیں گے تو میزان زمین سے لگ جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا۔ ایک ٹکڑا لاؤ۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا۔ اس پر ایک جملہ لکھا ہوا ہوگا اور وہ ٹکڑا اس اونچے پلڑے پر رکھا جائے گا اور وہ اونچا پلڑا زمین سے لگ جائے گا اور نیچے والا آسمان سے جا لگے گا۔ اس پلڑے میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوگا۔

مگر حضراتِ گرامی! یہ کوئی آسان کلمہ ہے جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا وہ جدوجہد میں پڑ گیا۔ اس پر اللہ کی پہچان لازم ہوگئی اور کلمہ کیا کہتا ہے کہ اس کا انکار کر جو اللہ نہیں ہے اس کا اقرار کر جو خدائے واحد ہے۔ پہلے وہ تو دیکھ جو تیرے دل میں ہے۔ وہ بت ناز و کبریائی۔ خداوند کریم نے کہا۔ زین للناس حب الشھوت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذھب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث ط ذلک متاع الحیوة الدنیا (۳ (آل عمران): ۱۴) لوگوں کی خواہشاتِ نفس سے محبت عورتوں سے محبت بیٹوں سے محبت سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت عمدہ قسم کے گھوڑوں مویشیوں سے محبت اور کھیتی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ اب ہبل اور لات و عزیٰ آپ کے سامنے نہیں آئیں گے۔ اب پتھر کے دیوتا نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ تم بخوبی واقف ہو کہ وہ خدا نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا! میری اُمت میں ہمیشہ کے لیے اب شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہوگیا۔ میری اُمت کے لوگ اب شیطان کو نہیں پوجیں گے۔ اب پتھروں کے بت نہیں پوجیں گے۔ اب یہ بت ذرا بدل گئے ہیں۔ یہ نوکریوں

کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ یہ خوشامدوں میں چلے گئے ہیں۔ یہ اندوا میں چلے گئے ہیں۔ یہ خواتین کی غلامیوں میں چلے گئے ہیں۔ اب وہ حساب نہیں رہا۔ اب ان کے اپنے اپنے اندازِ شعور ہیں۔ اب جدید ترین سیکولرز غیبات کے اندر چلے گئے ہیں۔ فرانسس بیکن پر ستر ہزار پاؤنڈ کے غبن کا کیس چلا۔ وہ بڑا مذہبی آدمی تھا۔ اُس کے پاس جا کر کسی نے پوچھا کہ یار! یہ کیا۔ ایک طرف تو تُو اتنا بڑا عالم اور ایک طرف ستر ہزار پاؤنڈ کا غبن، تو اس نے کہا کہ "مذہب ایک نجی مسئلہ ہے۔"

حضراتِ گرامی! مذہب ایک ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ باوجود دوسری وجوہ کے جب کوئی بھی چھوٹی وجوہ اس مملکت کے کام نہ آئیں۔ ملازمتیں آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکے۔ مالی بحران آگے رکھ کے آپ جدوجہد نہیں کر سکے تو پھر خدا نے القائے ربانی فرمایا اور آپ کے دل میں یہ آئی کہ یہ ملک ہم اللہ کے نام پر لیں گے۔ پھر آپ نے اپنا نعرہ بلند کیا۔ پھر اللہ نے اس کو پذیرائی بخشی اور یہ خدا کی پذیرائی تھی کہ لوگ قائد اعظم کے ساتھ ہوئے۔ قوم چاہتی تھی کہ ہم ہندو سے جدا ہوں۔ قوم چاہتی تھی کہ مذہب کے لیے خدا کی پرستش کے لیے آزادی نصیب ہو۔ اور لیڈر کیا چاہتے تھے۔ تمام مذہبی علماء اس لیڈر کی مخالفت کر رہے تھے۔ نیشنلسٹ تھے، احراری[1] تھے، دیوبندی نیشنلسٹ تھے، تمام نیشنلسٹ علماء تھے۔ ایک صاحب بولے کہ ملتیں اوطان[2] سے بنتی ہیں، دین سے نہیں بنتی۔ ایک صاحب بولے کہ شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں ہیں۔ یہی لوگ پاکستان کے مخالف تھے۔ نیشنلسٹ تھے اور وہ تن تنہا۔ وہ واحد شخص جس کے رسم و رواج میں شاید اسلام نظر نہیں آتا تھا مگر اس کی کمٹ منٹ کیا تھی۔ کسی نے کہا قائد اعظم اتنی محنت، اتنا زور و جبر۔ اب تم بیمار ہو پھر کیوں اتنی محنت کرتے ہو۔ جواب ملاحظہ ہو۔ دیکھیے کہ اس نے کہا کہ بس اس لیے کہ جب خدا کے حضور میں یہ ملک لے کے جاؤں تو اللہ مجھے کہے: Well done! Mr. Muhammad Ali Jinnah! well done.

جواب دیکھیے۔ وہ تب بھی انگریز تھا۔ اللہ کے سامنے بھی انگریزی بولے گا کہ Oh my God! میں نے مشن سکول سے پڑھا ہی یہ ہے:

I brought you my people and brought you Pakistan.

اور وہ توقع کرتا تھا کہ خدا کہے Well done, Mr. Jinnah! مگر حضراتِ گرامی! امتِ مسلمہ سے یہ کمٹ منٹ کھو گئی۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

سلطان الپ ارسلان خاصے کے چار ہزار ترک فوجی لے کر شکارگاہ میں گیا ہوا تھا۔
روم کا بادشاہ ہمانوس[3] بھی آ گیا۔
وہ اپنے آگے جس لشکر کو لے کر چل رہا تھا۔ مورخ یہ لکھتے ہیں کہ بیس ہزار آدمی صرف Clearance کے لیے آگے آگے چل رہے تھے۔ سلطان نے دیکھا کہ میں بڑی کمزور حالت میں ہوں تو اس نے صلح کا پیغام بھجوایا۔
اُس نے کہا کہ چلو صلح کر لیں تو جواب آیا کہ صلح کی بات چیت اب تمہارے پایۂ تخت میں ہو سکتی ہے۔

---

(1) حر کی جمع (آزاد) (2) وطن کی جمع (3) ہمانوس روم کے بادشاہ کا نام۔

یہ سن کر سلطان اَلپ ارسلان نے قسم کھائی۔ اور کہا میں پیچھے سے مدد لینے نہیں جاؤں گا۔ نہ پیچھے ہٹوں گا۔ اُس فتح کے بارے میں عرب مؤرخ لکھتا ہے کہ اُس فتح کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جب چار ہزار سپاہیوں نے ڈیڑھ لاکھ کے رومن لشکر کو کاٹ کے رکھ دیا۔ بادشاہ گرفتار ہوا۔ تو اُس سے پوچھا تا تیرے ساتھ کیا کروں؟ تو اس نے کہا ''دیکھو تمہیں پورا اختیار حاصل ہے۔ مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا اگر تو میری گردن اتار دے۔ اگر تاوان لے تو بھی تیرا حق ہے۔ معاف کر دے تو بڑی بات ہے۔'' تو بادشاہ نے کہا ''میں نے تجھے معاف کیا۔'' وہ تین مرتبہ جُھکا۔ خلیفہ کو سلام کیا اور کہا ''میں نے زندگی بھر تم سے بڑا بادشاہ نہیں دیکھا۔''

یہ مسلمانوں کے لیے کوئی نرالی چیزیں تو نہیں ہیں۔ یہ کوئی قصہ کہانیاں تو نہیں تھیں۔ یہ بندے تھے یہ جادوگر تو نہیں تھے۔ انسان تھے ہمارے اور آپ جیسے۔ ان میں کمزوریاں بھی تھیں۔ یہ کوئی کامل لوگ تو نہیں تھے۔ ہم کوئی اتنے گئے گزرے بھی تو نہیں۔ اللہ نے ہمیں بھی تو اسی عقل سے نوازا ہے۔ جس عقل کی خاطر اس نے دنیا اور کائنات تخلیق کی۔ جس کی خاطر اس نے اپنی آگہی چاہی۔

پانچ وقت کی نماز کیا بوجھ بن گئی ہے۔ یورپی معاشرتی سسٹم میں آپ چلے جاؤ تو ان کے قوانین کی پابندی میں سارا سارا دن ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا قبول ہے۔ مگر ربِ کائنات کے حضور پانچ وقت کی نماز بوجھ بن جاتی ہے۔

یہ صرف عملی اسلام ہے جو آپ کی روزمرہ زندگی میں مداخلت کرتا ہے۔

اور پانچ وقت کی نماز ہم خدا کے لیے نہیں پڑھ سکتے۔

آپ سے نماز اس لیے چھوٹتی ہے کہ آپ کو اللہ سے اُنس ہی نہیں ہے محبت ہی نہیں ہے۔ ایک جابر کو اپنے اوپر آپ نے مسلط کیا ہوا ہے۔ آپ کی اللہ کو کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ یہ تو ایک ہندوانہ رسم و رواج ہے۔ وہ تو اندرا کا متشکل ہے۔ وہ تو آپ کا دوست ہے ہی نہیں، اللہ تو ولی نہیں ہے آپ کا۔ اور کیا بات ہے اس ولی کی کہ جب کفر سے جنگ ہو۔ کسی مسلمان نے آپ کو یہ بات کہی؟ جو اللہ نے آپ کو کہی۔ کاش کہ کوئی کہتا اور آپ بھی دیکھتے پھر اللہ اس کی کیسے مدد کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ جاؤ اہلِ کفر سے کہہ دو۔ تمہارے پیچھے توپ گولے ہی ہیں نا۔ ٹینک ہی ہیں نا۔ جاؤ ان سے کہہ دو۔ لا مولیٰ لھم (۴۷ (محمد):۱۱) تمہارے پیچھے اللہ تو نہیں ہے اور پھر اللہ کون ہے؟ تین سو برس کی مستحکم حکومت کو تباہ کرنے کے لیے ایک آدمی بھیج رہا ہے۔ اور موسیٰ نے کہا! اے اللہ میاں! مجھے مروائے گا؟ ان کا میں نے قتل کیا ہوا ہے۔ فرمایا! لاتخف (۲۸ (القصص):۳۱) اے موسیٰ یار! تجھے پتہ نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو کیوں ڈرتا ہے۔ موسیٰ بندے تھے نا۔ کہا اللہ میں اکیلے نہیں جا سکتا۔ یہ اتنی بڑی ایمپائر ہے۔ جدید ترین فوجیں کھڑی ہیں۔ فراعنہ مصر ساری دنیا کے فاتحین عالم ہیں۔ آپ مجھے کہاں مرواؤ گے؟ فرمایا! نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ پھر یہ کوئی فرضی بات نہیں۔ یہ کوئی مفروضے تو نہیں ہیں۔ پھر تاریخ عالم نے یہ دیکھا کہ فراعنہ مصر کی وہ شان و شوکت اور تمر دریائے نیل کی نذر ہوا اور موسیٰ فاتحِ عالم ٹھہرے۔

اللہ کہتا ہے کہ میں غریب قوموں کو نہیں مارتا۔ میں تو اس وقت قوموں کو جکڑتا ہوں جب اُن میں تین چار صفات پیدا ہو جائیں۔ اُس نے کہا کہ دیکھو فراعنہ مصر کو میں نے اس لیے ذلیل کرنا چاہا کہ یہ اپنے اسباب پہ متکبر

ہیں۔ فرمایا یہ میرا اُصول ہے۔ وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا (۲۸ (القصص): ۵۸) میں قوموں کو اس وقت جکڑتا ہوں جب وہ اپنی معیشت پر اتراتی ہیں۔ کثرتِ مال تمرد اور عروج۔

رب کعبہ کی قسم۔ اُصولِ خداوندتو نہیں بدلتا۔ نہ اللہ کا کلام بدلتا ہے نہ طریقہ کار بدلتا ہے۔ ہم کچھ بھی نہ کریں۔ اگر ہم بھی دجالِ عصر کے مرید ہو جائیں۔ ہم بھی ان بدبختانِ ازل کے لیے سیکولر ہو جائیں تو اللہ کو ہماری کوئی پروا نہیں۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب زمانہ آخر ہو' خدا کے دوستوں کی عزت و حرمت کے افسانے بلند ہوں' جب دشمنانِ عصر کے سر نیچے ہوں' تو ہم کہیں خدا کی لائنوں میں کھڑے ہوں۔ وقت یہ ہے کہ ہم یہ احساس کریں کہ ہم جوابدہی میں کدھر ہیں؟ ہم جوابدہی میں سیکولر ہیں' ہم جوابدہی میں سوشلسٹ ہیں' ہم جوابدہی میں ڈیموکریٹس ہیں یا ہم اپنی جوابدہی میں خدا کی طرف ہیں؟ مملکتِ اسلامیہ کا صرف یہی بحران ہے۔ خدا آپ سے ناراض ہے' راضی نہیں ہے۔ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اگر اللہ ہم سے راضی ہوں تو یہ زمین برکت والی ہو جائے۔ ہم نے خدا کے تصور کو دھندلا دیا ہے۔ مولوی کا خدا تو علی بابا کی طرح لگتا ہے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھتا ہے' ناراض ہوتا ہے۔ وہ تو کائنات کا رب ہی نہیں لگتا۔

Carl Segan نے اپنی کتاب Demon -Haunted World میں مذہب پر تنقید کی ہے۔ اہلِ اسلام آپ ذرا غور کرنا کہ وہ اتنا بڑا دانشور ہے کہ دنیا میں کاسالوجی' دانشوری' علم اور حکمت پر اتھارٹی ہے' مگر یورپی جاہلوں کی طرزِ فکر پر ذرا غور کرنا۔ واقعہ یہ لکھتا ہے کہ Islam is also against sciences.

وجہ کیا بیان کرتا ہے کہ نجدیوں (وہابیوں) کے شیخ عبدالعزیز نے جو شیخ الحرمین شریفین تھے' اپنے ایک فتوے میں یہ لکھا کہ زمین چپٹی ہے اور بطلیموس نے اسے چپٹی کہا ہے۔ اور جو زمین کو گول کہے گا وہ خارج از اسلام اور کافر ہے۔ حضراتِ گرامی! مولوی کا بھی معیار دیکھ لیں کہ خادم حرمین شریفین نے یہ فتویٰ دیا اور اس کے بعد اس عالم کا بھی فتویٰ دیکھو جو یورپ میں ہے کہ اس نے ایک مولوی کی حماقت کو ایمان اور اسلام قرار دیا۔ آپ دیکھو! کہ آپ کہاں مار کھاتے ہو۔ تو ان جاہلوں کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اور اب آپ کو اسلام کی کاسالوجی کی ایک آدھ جھلک دکھاؤں۔ دیکھنا بھلا کہ اسلام کی کاسالوجی کیا ہے اور جدید مغرب کی کیا ہے۔ جب بطلیموس یہ کہہ رہا تھا کہ زمین ساکت ہے اور تمام چاند ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ تین ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے۔ اس کے بعد 1542ء میں کوپرنیکس آیا تو اس نے کہا کہ بطلیموس غلط تھا۔

اس کے ساتھ گلیلیو ملا اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ سورج کھڑا ہے اور باقی چاند ستارے اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حضراتِ گرامی! بیچ میں قرآن آ گیا۔ یعنی بطلیموس کے بعد اور کوپرنیکس سے پہلے تو نہ استدلال' نہ کوئی دوربین' نہ کوئی ٹیلی سکوپ۔ اللہ میاں نہ اس کی مان رہے تھے نہ اس کی مان رہے تھے۔ فرمایا! وسخر الشمس والقمر ؕ کل یجری الی اجل مسمی (۳۱ (لقمان): ۲۹) زمین و آسمان میں یہ چاند' سورج' ستارے ہم نے مسخر کر دیئے اور کائنات میں ایک اصول ہے کہ ہر چیز چل رہی ہے۔ قرآن میں اللہ تو یہ کہہ رہا تھا اور شیخ عبدالعزیز وہ فتویٰ دے رہے تھے۔ اب آپ انصاف کیجیے کہ اگر آپ قرآن کو عبدالعزیز کی نگاہ سے پڑھیں گے تو آپ کا کیا حال ہو گا اور Carl Segan کی

حماقت دیکھیے کہ بجائے قرآن پڑھنے کے وہ ایک کم علم مسلمان کے دیے ہوئے فتوے پہ پوری اسلامی تفہیم کو بنیاد بنا رہا ہے۔ خدا اس لیے نہیں ملتا کہ آپ خدا کو اہمیت ہی نہیں دیتے ہو۔ ڈر اور خوف ایک اجنبی کی طرح آپ کے دروازوں پہ دستک دیتا رہتا ہے۔ آپ توجہ ہی نہیں دیتے ہو۔ آپ کے لیے اور چیزیں بڑی اہم ہیں۔

آپ صرف اپنے مقاصد میں مصروف ہو۔ ہلکی پھلکی ترقیاں بڑی ضروری ہیں۔ آپ کو کیا پتہ اللہ آپ سے کیا چاہتا ہے؟ وہ تو اب بھی آپ کا انتظار کر رہا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے لوگ یہ میرے محمد ﷺ کے ماننے والے کب میری طرف پلٹیں گے۔ کب میں ان کو عزت اور شرف کے مقامات بخشوں گا۔

اور ایک بات اچھی طرح سن لیجیے۔ آپ اپنا مستقبل دیکھ لیجیے۔ اس کے مطابق تیاری کیجیے۔ ورنہ مٹانے کو تو وہ کسی کو بھی مٹا سکتا ہے۔ فراعنہ مصر کو مٹا دیا' نمرود کو مٹا دیا' شداد کو مٹا دیا۔ بش اور بلیئر کو خاکستر کر دے گا۔ وہ کسی کو بھی مٹا سکتا ہے۔ جیسے میں نے آپ سے کہا:

There is only one nation in Islam which is ready for return. It can get back to natural religion and natural understanding. They can go back.

یہ ملک اللہ کے لیے بنا تھا۔ یہ ملک اللہ ہی کو واپس جاتا ہے۔ چاہے دنیا جو مرضی کر لے اور اس ملک نے اللہ کو جانا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اللہ کی مرضی کو سمجھیں گے جو اللہ کو جائیں گے اور اللہ کی دوستی طلب کریں گے۔ خدا کا وعدہ ان پہ آئے گا و لا تهنوا و لا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (۳ (ال عمران):۱۳۹) اور سستی نہ کرنا اور نہ ہی غم کرنا۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر آپ اللہ کو جانتے مانتے ہیں۔ آپ کی جواب دہی کا مرکز اگر پروردگارِ عالم ہے تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ ہی غالب ہو۔ چاہے زمانہ کہیں سے کہیں کیوں نہ چلا جائے۔ کروڑوں اور لاکھوں میزائل ڈیفنس سسٹم کیوں نہ بن جائیں۔ فتح جو ہے اُس کی ہے جو خدا کے ساتھ ہے کیونکہ فتح اور شکست صرف اللہ ہی دینے والا ہے۔

پاکستان کی اسلام سے دُوری

سوال: یہ بات کافی روشن ہے کہ ہم نے یہ ملک خدا کے نام پہ حاصل کیا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ ایک انسانی جبلت ہے کہ ہر چیز فطرت کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارا ملک فطرت کی طرف نہیں لوٹ رہا؟ کیا اس کی وجہ غیر فطری عمل سے گزر رہا ہے؟ اگر گزر رہے ہیں تو غیر فطری کا موجب کیا ہے؟

جواب: ماشاءاللہ آپ نے بڑا خوبصورت سوال کیا اور خود ہی بڑا مناسب جواب بھی دے دیا۔

بات یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا' قوم پرست افراد جو اس میں شریک ہوئے اُن کی اپنی غرض و غایت تھیں۔ قائداعظم فرمایا کرتے تھے کہ میری جیب میں ڈیڑھ سکہ خالص ہے۔ ایک کھرا اور ایک آدھا کھرا۔ ایک محمد علی جوہر اور دوسرے نواب بہادر یار جنگ۔ قائداعظم کی بطور قائد اپنی رائے یہ تھی کہ میرے ساتھ بہت سے لوگ مخلص نہیں ہیں۔

انگریز بہت دور کی سوچتے تھے وہ جاتے ہوئے اپنی بہت سی میراث بھی چھوڑ گئے ان کی ہمدردیاں ہندوؤں کے ساتھ تھیں۔ وہ کسی ایسے ملک کے خوف میں مبتلا تھے جہاں اسلامی نظام حیات کو رائج کیا جائے اور وہ پھر ہمارے خلاف کھڑا ہو جائے۔ یہ سوچ کر انہوں نے بہت احتیاط کی کہ مسلمان اپنے مرکزی تصور کو نہ پہنچیں اور بہت ساری مذہبی تنظیمیں بھی اس میں شامل کر دیں۔ اگر آپ غور کریں تو مسلمان کا تشخص کہیں نہیں ہے۔ طبقہ ہائے فکر کے تشخص ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر میری زندگی میں کوئی ایسا لمحہ آئے کہ میں اپنی قبر تک پہنچنا چاہوں تو میں تو قسمیہ کہہ سکتا ہوں کہ میں سوائے مسلمان ہونے کے کسی اور تصور سے نہیں پہنچنا چاہتا۔ مگر بڑی فراست کے ساتھ انگریز نے چھوٹے چھوٹے طبقہ ہائے فکر امت مسلمہ میں داخل کر دیئے تا کہ ان کی دینی قوت ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے اور یوں آپس میں اختلافات کا شکار رہیں۔ اللہ کے دین کی طرف ان میں فطرت پسندی (Naturalness) کبھی نہ آئے مگر اس کا ایک عجیب وغریب نتیجہ نکلا کہ اگر آپ تمام مذہبی لوگوں کو جمع کر لیں تو یہ چالیس پچاس لاکھ سے زیادہ نہیں۔ ان میں چاہے کوئی بھی جماعت شامل ہو۔ یہ پروفیشنل مذہب پسند لوگ ہیں۔ یہ صاف ستھرے مسلمان نہیں ہیں مثلاً آج اگر کوئی نیا مذہبی لیڈر آ گیا' اس نے نئی جماعت بنائی' یہ اس کی تحریک میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر دو چار سال اُدھر رہیں گے۔ پھر کوئی نیا مذہبی لیڈر آ گیا۔ اس نے تحریک چلائی' یہ اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اگر ان کو یوں دیکھا جائے تو بقیہ پندرہ کروڑ مسلمان بالکل لاتعلق ہو گئے۔ انہی مذہب کی ٹھیکیداریوں کی وجہ سے وہ لاتعلق ہوتا چلا گیا۔ وہ کسی بھی جماعت کا ممبر نہیں بننا چاہتا اور حیرت کی بات ہے کہ اجماعِ اُمت نے پاکستان کا فیصلہ کیا اور تمام مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتوں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ اجماع تو اپنے دین اور ایمان کو سنبھالے ہوئے بیٹھا ہے۔ اپنی محبتِ رسول ﷺ کو اپنے سینے میں رکھتا ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ان الذین فرقوا دینھم و کانو شیعا لست منھم فی شی (٦(الانعام):١٥٩) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے اے پیغمبر ﷺ! تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ بڑی واضح آیت ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس طرح کے کسی گروہ میں نہیں ہے۔ بالعموم حوالہ دینے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن حکیم ہے کہ تم میں سے ایک گروہ پیدا ہو گا۔ اللہ اس کو فتح اور نجات دے گا مگر وہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے اگر میں اس گروہ کو پہچاننے سے انکار کر دوں۔ میں تو پندرہ کروڑ عوام میں سے ہوں۔ میں تو وہ ہوں جو خدا اور رسول ﷺ کے شیدائی ہوں اور جب یہ اجماع ہی فیصلہ کر دے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان میں سے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ العزیز اگلے برسوں اجماع ہی میں اعلیٰ کمٹ منٹ کو واپس پلٹے گا۔

جیسے پرانا عربی محاورہ ہے الناس علی دین ملوکھم کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پہ ہوتے ہیں لیکن ہمارے جو بادشاہ گزرے ہیں' ان کی دین داریاں واضح تھیں۔ ماشاءاللہ لوگ پھر ان کے دین میں چلے گئے۔ ایک اور اصول پروردگار نے اُمتوں کے زوال کا لکھا کہ جس قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہیں' اس کے امراء کو عیش وعشرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کسی قوم کو بہتر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امراء متقی ہوتے ہیں۔ کوئی غیاث الدین بلبن نکلتا ہے' کوئی شمس الدین التمش نکلتا ہے۔ یہ بھی تو فوجی جرنیل اور اپنے وقت کے فاتحین تھے۔ جب خواجہ بختیار الدین کا کی کی وفات ہوئی تو آپ نے وصیت نامہ لکھا کہ میرا جنازہ وہ پڑھائے جس نے کبھی تہجد قضا نہ کی ہو اور جس نے اپنی عورت کے علاوہ کسی

غیر عورت کو دیکھا نہ ہو۔ تو سارے لوگ کھڑے تھے۔ پھر فوج کا وہ جرنیل روتا ہوا نکلا‘ شمس الدین التمش چیخنے لگا اور کہا ’’اے شیخ امروز مرا پیشِ خلق رسوا کردہ ای۔‘‘ کہ اے شیخ آج تو نے مجھے مخلوق کے سامنے رسوا کر دیا کہ اس بات کا تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا اور یہ غیاث الدین محمد بلبن ہی تھا جنہوں نے اپنی بیٹی خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کو دی۔

اگر آپ حیران نہ ہوں کہ برصغیر میں فوج اور تصوف میں کیا توازن تھا تو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پر سب سے مستند کتاب ایک فوجی جرنیل کی ’’فوائد الفواد‘‘ ہے جو حضرت سجزی نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ پر لکھی ہے۔ آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیے گا۔ اس کتاب میں آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔

محمد غوری آنے سے پہلے معین الدین چشتی اجمیریؒ کی اجازت طلب کر رہا تھا اور محمود غزنوی خود حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخشؒ سے درخواست کر رہا ہے کہ حضرت آپ ہمارے ساتھ آئیں گے تو برکت ہوگی ورنہ ہم جنگ کو نہیں جاتے اور شیخ ہجویریؒ محمود غزنوی کے ساتھ آئے۔ محمد غوری‘ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ہدایت پہ آئے۔ ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ فوج گزر رہی تھی اور جب انہوں نے شیخ کا سنا تو انہوں نے اصرار کیا کہ ہم تو انہیں ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ پھر فوجی کمانڈروں کو دو دن کی چھٹی کرنی پڑی تا کہ لوگ شیخ سے مل سکیں۔ یہ غیر متوازن سلسلہ نہیں تھا۔ یہ نہیں کہ چار چار رخ تھے۔ اس وقت پوری ملت ایک رُخ رکھتی تھی۔ اکتساب جدا جدا تھے۔ اگر کچھ استاد تھے تو کچھ Executionist تھے۔ اگر فوج حکمت پہ تھی تو صوفیاء علم پہ تھے اور علم و حکمت کے اس امتزاج سے مسلمانوں نے برصغیر میں اللہ کے نام کو بلند کیا اور یہ وقت اب پھر آنے والا ہے۔

تقسیمِ ہند میں مذہبی رہنماؤں کا کردار

سوال: کیا ہندوستان کی تقسیم غلط نہ تھی؟ کیونکہ اب آدھے مسلمان پاکستان میں ہیں جبکہ آدھے ہندوستان میں۔ اور آپ نے مذہبی رہنماؤں کے بارے میں جو یہ کہا کہ وہ موجودہ علوم سے ناواقف ہیں کیا یہ غلط بات نہیں ہے؟

جواب: میں متعصب کیسے ہو سکتا ہوں۔ جب مجھے پتہ ہے کہ کیا باپو جی اور گاندھی جی کے افسانے نہیں تھے۔ پورے ہندوستان کے مذہبی علماء میں صرف دو آدمی تھے جو قائداعظم کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان میں ایک اشرف علی تھانوی اور دوسرے مولانا نعیم مراد آبادی تھے۔ مگر حضرات گرامی! علماء کی تضحیک مراد نہیں ہے۔ ان کی ڈائریکشن ان کے رجحان غلط تھے۔ اب بھی غلط ہیں۔ اب آپ غور کیجیے کہ اس وقت جو بات آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ علماء کا کام جماعت کروانا ہے۔

حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ میرے اللہ نے جو سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی کہ تمام زمین میری مسجد ہے۔ اگر مسجد ضروری ہوتی تو کیا آپ صحراؤں میں‘ گلیوں میں‘ سواریوں میں نماز پڑھ سکتے تھے؟ آپ نے اپنے میں سے سب سے کم عقل اور بیکار کو مسجد کی امامت دے دی۔ اس میں آپ کی غلطی ہے۔ میں تو آپ کو اپنی غلطی یاد کرا رہا ہوں۔ اُس وقت بھی عوام الناس نے اللہ کے نام پہ ملک لیا تھا اور اس ملک کو لینے کے بعد وہ عوام الناس بے قدر کر دیے گئے‘ اختیارات اُن سے چھین لیے گئے اور پھر انہی مذہبی لوگوں نے پھر مسلمانوں کو بانٹنا شروع کر دیا۔ ان

صاحبانِ اقتدار نے پھر مسلمانوں کو ناانصافیوں میں ڈال دیا۔ کیا آج کے مسلمان اور آج کے پاکستانی شہری کو یہ علوم نہیں کہ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی یہ واحد ملک ہے جو ایک بھی بنیادی ضرورت اپنے عوام کو مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ کس کا قصور ہے؟ کیا گلی کوچوں میں ان لوگوں کا قصور ہے جن بیچاروں نے سینوں پہ گولیاں کھا کے زخم اٹھا کے پاکستان کے لیے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ لگایا تھا یا آپ یہاں لوگوں کا تفاخر بتاتے ہیں جو مساجد میں عمامے سجائے اور ٹوپیاں لپیٹ کر اس وقت بھارت کے حق میں فتوے دے رہے تھے۔

کبھی آپ نے سنا کہ مذہبی سکولوں کی صدارت کا فخر کریں۔ ابھی کل کی تو بات ہے کہ جشن صد سالہ دیو بند میں اندرا گاندھی نے اس کی صدارت کی۔ اگر آپ تاریخ پڑھ کر دیکھیں۔ کیا ان کے رجحان بدل گئے۔ کیا ان کی طرز فکر بدل گئی۔ اس کے باوجود ہم انہیں مکمل تعاون دینے کو تیار ہیں۔ مگر ان کو مکمل تعاون تب ملے گا جب آپ انفرادی طور پہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں گے۔ آپ کو قرآن پڑھنا ہے۔ آپ کو حدیث پڑھنا ہے۔ آپ میں سے کتنے ہیں جو مساجد اللہ میں اپنے بیٹوں کو اس خوف سے نہیں بھیجتے کہ وہاں اخلاقی بے راہ روی کا ایک طوفان اٹھا ہے کہ وہ ساری عمر کے لیے اس قسم کی حقارت میں ڈوب جائیں۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی تو آپ سیکھ رہے ہو۔ دنیا کے مشکل ترین معاملات میں غور وفکر تو آپ کر رہے ہو۔ آپ ایک کتاب سادہ کو کیوں نہیں پڑھ سکتے۔ اگر ایک ایم ایس۔ سی کی کتاب ایک میٹرک والا نہیں پڑھ سکتا تو ساری کائنات کے علیم وحکیم رب کی کتاب ایک ان پڑھ مولوی پڑھ لے گا؟ وہ آپ کو اللہ کی کتاب نہیں پڑھائے گا۔ وہ آپ کو کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی تفسیر بتائے گا اور یہ چیز ہے جو فرق ڈالتی ہے۔ آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ عالم اس کو نہیں کہتے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا (۳۵ (فاطر): ۲۸) اللہ کے عالم اس کے لبادے تلے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ پہ اور حفظ پہ عزت ومقدار نہیں رکھی بلکہ فرمایا کہ میں جسے چاہتا ہوں درجے عطا کرتا ہوں۔ وفوق کل ذی علم علیم (۱۲ (یوسف): ۷۶) اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

یہ علم والے ہیں؟ آپ خود فیصلہ کر کے بتانا۔ قرآن حکیم میں خداوند کریم نے اپنے بندوں کی تعریف کیا کی ہے الذین یذکرون اللہ قیماً وقعودا وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموت والارض (۳ (آل عمران): ۱۹۱) اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے صبح وشام اسے یاد کرتے ہیں اور ہر لمحہ زمین وآسمان کی تخلیق پہ غور کرتے ہیں۔ وہ کاسمالوجسٹ ہیں وہ بیالوجسٹ ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج قرآن کی ایک وضاحت کے لیے ہمیں مسلمانوں کی درسگاہ علمیہ کو ترک کر کے یورپ کے سرجیمز جین کی وضاحت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنہما ط وجعلنا من المآء کل شیء حی (۲۱ (الانبیاء): ۳۰) کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ زمین وآسمان آپس میں پہلے اکٹھے تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ آپ مجھے بتائیں دنیائے اسلام میں کون سا عالم ایسا ہے جو اس آیت کی وضاحت میں سائنسی حقائق پیش کرے گا۔ اس کو سرجیمز جین کی صداقت چاہیے۔ کون مولوی صاحب اس کی وضاحت کریں گے؟

لاہور میں ایک بڑے مولوی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ سادگی نہ حماقت ہے۔ میں اس کا برا نہیں مناتا لیکن انہیں نئی مسلمان نسلوں کو ایسے پیش پا پاتیں سکھانے کا کوئی حق نہیں۔

وہ مجھ سے پوچھنے لگے پروفیسر صاحب یہ آدمی جو چاند پہ گیا' غلط نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں۔ فرمایا کہ "تفسیر جلالین" میں لکھا ہے کہ قریب کی چیز بڑی اور دور کی چھوٹی نظر آتی ہے تو چونکہ چاند چھوٹا نظر آتا ہے اور سورج بڑا۔ تو یہ سورج پہ پہنچے بغیر چاند پہ کیسے چلے گئے۔ اگر یہ علمیت کا معیار ہے۔ تو دجال' مغربی دنیا کی عقل و معرفت کو کس طرح آپ چیلنج کرو گے؟ دنیاوی علم و حکمت کے لیے آپ اس مولوی پہ تکیہ کرو گے؟ جس کا حال یہ ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے علماء دیو بند کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ آلہ مکبر صوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال حلال ہے یا حرام؟ بڑی دیر تمام علماء نے میٹنگ کی اور فتویٰ دیا کہ حرام ہے۔ وہ حرام کیوں ہے۔ اس کی بھی وجہ بتائی کہ آدمی کہیں سے بول رہا ہوتا ہے اور کہیں دور سے سنا جا رہا ہوتا ہے تو بیچ میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ اس لیے حرام ہے مگر وہ فتویٰ کدھر ہے اور آج کل سب سے زیادہ یہ علماء عصر حاضر ہی لاؤڈ سپیکرز پہ گلا پھاڑ رہے ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے کے کیا "اچھے" آداب ہیں۔ وہ اللہ جو چاہ رہا ہے کہ آپ غور و فکر کرو۔ وہ اللہ جو یہ چاہ رہا ہے کہ آپ باریک بینی سے اس کے حقائق پڑھو۔ دیکھو سمجھو۔ جو آپ کو علم کی ترغیب دیتا ہے۔ دیکھیے یہ بات معمولی بات نہیں ہے۔ آپ کے پیغمبر ﷺ کا ایک چھوٹا سا فرق آپ کو بتا دوں کہ مسلمان کس علم کی آرزو کرتا ہے۔ لارڈ برٹرینڈ رسل نے پورے علم کا خلاصہ کیا اور کہا:

We only know the relationship of things. We do not know the nature of things.

تمام علوم' فلسفے اور ریاضیات کے بارے میں لارڈ رسل کا یہ قول دورِ حاضر کے عظیم ترین فلسفے کے طور پہ سمجھا جاتا ہے۔

مگر پندرہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ ﷺ ایک دعا مانگ رہے ہیں کہ اے پروردگار! مجھے حقیقتِ اشیاء کا علم دے۔ غور فرمائیے آپ کس نبی کی اُمت میں سے ہیں کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة مگر آج مسلمان عورتوں' بچوں اور بوڑھوں پہ علم بند ہے۔

مجھے مولوی حضرات سے کوئی بیر نہیں لیکن میں دین اور علم کے حوالے سے تعصب ضرور رکھتا ہوں۔ جو شخص بھی مذہب کی ایسی ناقص اور کمتر توجیہات کرے گا جیسے میں نے ابھی آپ کو مثال دی کہ بھلا یہ بات قرآن کی ہے یا حدیث کی کہ جو شیخ عبدالعزیز خادم حرمین شریفین دیتا پھرتا ہے۔ وہ کھل کر اس کو اپنی ذاتی رائے کیوں نہیں کہتا:

انہوں نے تو اس کو شخصی رائے نہیں سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے' اسلام یہ کہہ رہا ہے۔ یہ پیشکش کا انتہائی بھونڈا طریقہ ہے ہر چیز کو اچھی شہرت ملتی ہے' تبھی کامیاب ہوتی ہے اور اللہ کو کتنے برے مشتہر ملے ہوئے ہیں۔

اسلام کو کیسے سمجھیں؟

سوال: اسلام کو سمجھنے کے لیے اگر آپ کی باتوں کے مطابق مولوی کے پاس نہ جائیں تو کہاں جائیں؟

جواب: اسلام کسی چیز کی آمیزش نہیں کرتا۔ صرف ایک احتیاط ضرور آپ کو کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ

نظریات کی آپس میں آمیزش نہیں ہو سکتی مثلاً آج تک کمیونزم نے اپنے اندر ذرا سی بھی کسی دوسرے نظام کی آمیزش قبول نہیں کی۔ بلکہ ایک دفعہ میکسم گورکی نے لینن کو خط میں لکھا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم کریملن میں ملیں گے تو لینن نے جواب لکھا اگر خدا نے چاہا؟ تم ابھی تک سرمایہ دار ہو۔ تم نے لفظ خدا کیوں لکھا؟ اس نے جواب دیا یار! میں نے تو محاورۃً لکھا' تو اس نے کہا نہیں۔ جب تک خدا تمہارے محاوروں میں سے بھی نہیں نکل جائے گا اس وقت تک تم اچھے کمیونسٹ نہیں بن سکتے۔

اس سیاق وسباق میں سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

چھارب کی آبادی میں ایسے لوگوں کا تناسب کیا ہے؟ بیس کروڑ' پچاس کروڑ اور ان کا بنیادی رویہ یہ ہے کہ اگر بارہ پندرہ کروڑ عوام علیحدہ ایک ملک چاہیں اور وہ اپنے کسی سسٹم پر عمل کرنے کے لیے کوشش کریں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔

وہ اپنے مقاصد کے تحت اتنے مضبوط بنیاد پرست ہیں کہ وہ جمہوریت اور اس کی آزادیوں کے ناقص تصور کو ساتھ رکھتے ہیں۔ بھئی ہم مسلمان جمہوریت تو لے سکتے ہیں لیکن ہم وہ جنسیت اور لذت پسندی کیسے ساتھ لے لیں جو پارٹی کے حقوق اسے نیویارک دے رہا ہے' ہم کیسے دے دیں۔ اس لیے انہوں نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ اسلام جدید ہے' اسلام پرانا ہے۔ اسلام جدید ترین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں کسی ازم یا جدیدیت کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔

اللہ صرف یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوت الشیطن ط انہ لکم عدو مبین (۲(البقرہ):۲۰۸) سسٹم میں مداخلت نہ کرو۔ اگر تم نے اسلام کے فوائد لینا ہیں تو تم اس میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس میں ادھر اُدھر کے نظریات شامل نہ کرو کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام آج تک اسی لیے واپس نہیں ہو سکا کہ دنیا کو اچھی طرح پتہ ہے کہ جہاں یہ ایک بار اپنی اصل فطری صورت میں داخل ہو گیا' وہاں پھر اس کو ہٹانا یا مغلوب کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اسلام میں کوئی فکری انتشار نہیں ہے۔ آپ خود کتاب پڑھو۔ حدیث پڑھو۔ کوئی انتشار نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو مجھ میں سب سے زیادہ ہوتا۔ جس نے ایک ایک لفظ پڑھا ہے' حدیث پڑھی ہے' تاریخ پڑھی ہے' سیرت پڑھی ہے۔ اسے قرآن کی تفہیم میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔

اس ضمن میں میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے۔ البتہ اسلام کو اس طرح سمجھو جیسے اصحاب رسول ﷺ نے سمجھا۔

Try to get back and try to understand.

اب دیکھیے بہت سے مقامات پر قرآن حکیم کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے اعمال مبارک میں آتی ہے۔ میں ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔ قرآن حکیم میں ایک آیت ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین (۲(البقرہ):۲۲۲) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کو سمجھنا کتنا آسان ہے۔ مطہرین کا لفظ بڑا مشکل ہے۔ ہم اپنی زبان کے حساب سے دیکھتے ہیں تو اتنی صفائی چاہیے کہ غیر ممکن لگتا ہے' لیکن جب اس عمل پر ہم رسول اللہ ﷺ کی وضاحت دیکھتے ہیں تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ اتنا سادہ۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مطہرین کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ جو ڈھیلے کے بعد آب دست لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اچھا غسل کرتے ہیں۔ پانی سے اپنے اعضاء و جوارح کو جو اچھے طریقے سے دھوتے ہیں' وہ اللہ کے نزدیک مطہر

اور پاک صاف ہیں۔ اب بتائیں جب آپ ایسا عمل کریں گے تو آپ کا مطہرین کی صف میں آنے کے لیے کتنا آسان ہو جائے گا۔ فطری سمجھ بوجھ وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کو بیان کی گئی اور انہوں نے سمجھا اور الحمد للہ آپ کے پاس حدیث موجود ہے' قرآن موجود ہے۔ آپ کیوں کسی ٹیڑھے انداز فکر کا سہارا لیتے ہو۔ قرآن اس عالم پہ سب سے سخت ہے جو دنیاوی مقاصد کے لیے علم کو استعمال کرتا ہے مگر یہ ضرور کہتا ہے کہ جب انتشارِ ذہنی پیدا ہو جائے' قیاس ہو جائے' جب تمہیں پیچیدگی ہو جائے اور جب تمہیں علمی مغالطے لگیں تو ہر آدمی کے پاس نہ جانا بلکہ ان کے پاس جانا والرسخون فی العلم (۳ (آل عمران): ۷) جو علم میں راسخ ہیں فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱۶ (النحل): ۴۳) اور اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں کے پاس جانا اگر تمہیں علم چاہیے اور وہ یہ اصول علم رکھتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کو پلٹ جائے گی۔

غیر مسلموں کو مسلمان کیسے کریں؟

سوال: ہماری جنگ ہندو سے نہیں' ہندو ازم سے ہے۔ ہم سے پہلے لوگوں نے ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلایا۔ اب ہم انہیں مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ:

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

تو مجھے لازم ہے کہ میں خود بھی اپنے کردار پر ایک نگاہ ڈالوں۔ یہ لازم ہے کہ میں دیکھوں کہ مجھ میں اور ان مُبلغین میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی جاتا تھا اور ایک قوم کو تبدیل کر دیتا تھا اور وہ خوبصورت کردار جواب بھی لوٹے مصلّے لے کر نکلتے ہیں۔ ان میں کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک وقت تھا کہ چند تاجر ماریشس آئے۔ ماریشس سارا مسلمان ہو گیا۔ ایسے ایسے پیچیدہ اور متعصب علاقوں میں گئے اور وہاں اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ پوری دنیا میں اس وقت بھی سب سے بڑی ملّت' مِلّتِ اسلامیہ ہے۔ ایک ارب سے زیادہ۔ حضرات گرامی! مذہب ایک کلچر ہے' ایک خوبصورتی ہے۔ کلچر بڑا متاثر کن ہے۔ صرف نفسِ مضمون سے یہ متاثر کن نہیں ہوتا۔ جو مذہب آپ کے وجود میں سے ہو کے گزرے گا' اس کا حسن دوسرے محسوس کریں گے' اس کردار کی شناخت محسوس کریں گے' اس کی محبت و انس کو محسوس کریں گے۔

اتفاق یہ دیکھو کہ اچھے بھلے مسلمان' بار یش حضرات' بڑے پکے نمازی مغرب جاتے ہیں اور پانچ سال کے بعد وہ مغربی ہو کے واپس پلٹتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک اچھا بھلا مسلمان مغرب جا کر اپنے کلچر کو قیمتی نہیں سمجھتا۔ ان کے کلچر کو لے کر واپس نکلتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اب ہندو کس طرح مسلمان ہوں گے؟ میں کہتا ہوں ہندو اب تو مسلمانوں میں رہتے ہی نہیں ہیں کیونکہ مسلمان اب دیوبندی' بریلوی اور اہلِ حدیث بن چکا ہے۔ تو وہ بیچارے کس کو مسلمان مانیں؟ اور یہ جو آپ کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمان ان کے ہاتھوں نہیں ہوئے ہیں۔ کوئی معین الدینؒ کے ہاتھوں' کوئی فرید الدین گنجؒ

لشکرؓ کے ہاتھوں' کوئی تو حسن زائد ہوگا' کوئی خوبصورتی اُن میں زیادہ ہوگی۔ حضراتِ گرامی! یہ وہ خوبصورتی ہے جو اللہ کہتا ہے کہ میرا بندہ جب چلتا ہے تو اُس کے آگے آگے میرا نور چلتا ہے اور وہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اُس کے کردار کی عظمتیں ہی وہ چراغ جلاتی ہیں اور وہ آئینے کے پیچھے چھپا ہوا وہ چراغ ہے جس کی روشنی کم نہیں ہوتی' بلکہ زمین و آسمان میں پھیلتی ہے جیسے اللہ کا اپنا نور۔

آج کے دور میں کتنے ماں باپ ہیں جو حسرت رکھتے ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ ہم اپنے بچوں کو اچھا انجینئر بنائیں گے' اچھا ڈاکٹر بنائیں گے' اچھا فوجی بنائیں گے اور فلاں یہ کرے گا' وہ کرے گا لیکن کسی ماں باپ نے آرزو ہی نہیں کی کہ ہم اپنے بچے کو اچھا مسلمان بنائیں گے یعنی یہ آرزو ہی موجود نہیں ہے۔ یہ خیال موجود نہیں ہے تو پھر مسلمان کہاں سے آئیں گے۔ بھئی کسی چیز میں جو ڈالو گے' وہی نکلے گا۔ دودھ چینی ڈالو گے' پاؤڈر ڈالو گے تو آئس کریم نکلے گی ماں۔ وہ چیز بذاتِ خود تو کچھ نہیں۔ خالی دنیا دار بچے نکل رہے ہیں۔ وہ اللہ کے بندے

ع سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

کوئی نرالے لوگ تو نہیں تھے۔ سیدھے سادے لوگ تھے۔ حضرت علامہ الحضرمیؓ ایدر کی فتح کو گئے' بیچ میں جھیل آ گئی تو دیکھا کہ ایدر باہر مذاق کر رہا ہے کہ مسلمانوں بس۔ آپ کو پانی نے روک لیا۔ وہ نیل گائے کا شکار کھیل رہا تھا تو علامہ الحضرمیؓ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ جملے پڑھے۔ یا علی' یا عظیم' یا حلیم' یا علیم اور سمندر سے گزر گئے اور اُسے گرفتار کیا۔ یہی حال عقبہ بن نافع کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیسے لوگ تھے۔ بلکہ اُن پر الزامات بھی لگے۔ کئی غلطیاں بھی پائی گئیں۔ اللہ میاں آپ سے کونسی کاملیت مانگ رہا ہے۔ اللہ میاں کبھی کاملیت نہیں مانگتا۔ اللہ کہتا ہے فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی (سورۃ النجم' آیت ۳۲) تم اپنے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے' کون متقی ہے۔ مگر کوئی کمٹ منٹ کوئی شناخت تو اللہ کے ساتھ سلامت رہے۔ ہزار حماقتوں کے باوجود

ع وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور آپ ﷺ نے فرمایا! اے معاذؓ بن جبل! اے ابوسعید خدریؓ! اے ابوہریرہؓ! جس نے ایک بار دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا' اُس پر نارِ دوزخ حرام ہوئی۔ یار کمال کی بات ہے۔ ایک بار بھی دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں نکلتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آٹھ لوگوں پر نارِ دوزخ حرام کر دی گئی ہے اور ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ کسی نوجوان کی آنکھ سے میرے لیے ایک آنسو نکلے' ایک آنسو۔ یہ متاعِ حیاتِ رسول ﷺ ہے۔ یہ برکت ہے اللہ کے دین کی۔ مگر حضراتِ گرامی! غور کرو کیا ایسا آنسو نکلتا ہے۔ غمِ محبوب میں تو نکلتے ہیں' غمِ آرزو میں نکلتے ہیں' غمِ والدین میں نکلتے ہیں۔ سب جگہ نکلتے ہیں مگر کیا محبتِ اللہ اور محبتِ رسول ﷺ میں بھی آنسو نکلتے ہیں۔ تو مشکل پڑ جاتی ہے۔

And for this education, identity, culture of Islam is required.

Unless you create a culture of Islam, you cannot change anybody.

البتہ آپ کے لیے خطرہ موجود ہے۔ آپ ہندو سے فرانسیسی سے اور جرمن سے بدل جائیں گے۔

Because in the match of cultures, at present Muslims, culture is far more inferior to the culture of West.

ہاں جب آپ مسلمان ہوں گے تو انشا اللہ تعالیٰ العزیز یہ دھارا اُلٹ جائے گا۔

دجّال کب آئے گا؟

سوال: دجال کے آنے کا زمانہ کون سا ہے؟

جواب: حضورﷺ نے فرمایا کہ دجال خراسان سے خروج کرے گا اور اس پر ایک ہاتھ سے روٹیاں پھینکے گا اور ایک ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ افغانستان کی جنگ میں ہم نے یہ دیکھا۔ پھر حضورﷺ نے فرمایا کہ دجال عراق اور شام کے بیچ میں سے گزرے گا اور اس کی بڑی طاقت ہوگی تو ہم نے دیکھا یہ بات پوری ہوئی مگر اس بات کا امکان ہے کہ آنے والا وقت ہے اس کے اوپر جو بڑی جنگ ہے آپ کہہ سکتے ہیں وہ جدل کبیر ہے۔ وہ شام اور سعودی عرب کے محاذ پر لڑی جائے گی۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں دجال کے دور میں وقت بڑا مختصر ہو جائے گا اور جو باتیں سالہا سال میں ہوتی ہیں وہ مہینوں میں ہوں گی اور جلدی جلدی ہوں گی۔ Its like pin fall اور ابھی لگتا ہے کہ یہ جو وقت جا رہا ہے جس میں معاذ اللہ استغفر اللہ صلح وصفائی ہماری اور بھارت کی یہ بظاہر ایک بہت بڑا فساد اور فراڈ ہے جس کے ذریعے سے کسی نئے بہانے کو ڈھونڈا جا رہا ہے اور میرے خیال کے مطابق اگلی فہرست پر جو ملک ہے وہ سعودی عرب ہے اور ابھی امریکہ کو افغانستان اور عراق کے دو انتہائی تلخ تجربے ہو چکے ہیں۔ اس لیے امریکہ اب کوشش کرے گا کہ اسرائیل کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ مسلم ممالک پر دھاوا بول دے

This is going to be field which is going to the Syria and Jordan etc.

شروع میں اسرائیلی افواج بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے سعودی عرب میں بھی داخل ہو جائیں گی۔ اردن اور شام کے ملحقہ راستوں سے یہ مکہ تک بھی پہنچ جائیں گی مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکیں گی۔

On the return, most probably, some clever Muslim Generals will cut through the enemies on the field of Syria. But I think, it will be mostly built by Pakistani Army.

کیونکہ حدیث یہ کہتی ہے کہ پہلے شکستیں ہوں گی۔ یہ آدھی شکست ہے۔ حتمی فتح جو ہے وہ مسلمانوں کی ہوگی۔ یہ مکمل فتح ہے۔ ابھی کچھ زوال اور باقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

مذہب، انتخاب یا مجبوری

- ☆ لیکچر

سوالات و جوابات

- ☆ خدا کی بخشش کا یقین
- ☆ مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ
- ☆ خدا کا انتخاب
- ☆ متحدہ مجلس عمل (ایم۔ایم۔اے) کی حکومت
- ☆ وسیلہ کی اہمیت
- ☆ خدا سے پہلے کیا تھا؟
- ☆ حروفِ مقطعات

☆ یہ لیکچر 4 جولائی 2003ء جلال بابا آڈیٹوریم ایبٹ آباد میں ہوا۔

مذہب' انتخاب یا مجبوری

خواتین وحضرات! جب سے حضرت انسان نے اس زمین پر اپنے وجود کو پہچانا' اپنے وجود کو محقق کیا' تب سے اس میں دو بنیادی تکبرات در آئے۔ ایک تو تقابل فطرت میں اور دوسرے حیات کے نمونوں میں۔ جب اس نے اپنے آپ کو بہت ممتاز' منفرد اور نمایاں پایا تو اس نے خیال کیا کہ میں اشرف المخلوقات ہوں اور اسی اشرف المخلوقات ہونے کی نسبت سے جب اس نے وہ وجہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ میں کیوں معزز ہوں' کیوں معتبر ہوں' کیوں خلیفہ بنا' کیوں بڑا بنا تو وہ سب سے پہلے تکبر عقلیہ کا شکار ہوا۔ اپنے آپ کو جاننا' اپنے آپ کو بڑا سمجھنا' اپنے آپ کو واحد مخلوق خدا سمجھنا جو اتنی ممتاز اور معتبر ہو۔ یہ انسان کا دعویٰ رہا ہے۔ اسی تقابل کی وجہ سے انسان نے اپنے اندر ایک ایسا غرور پیدا کیا۔ اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی زندگی کے معاملات کے حل کے لیے اور اپنی تمام تر ذاتی' داخلی اور خارجی عنوانات کی تعبیر کے لیے اس نے اپنی عقل کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

ادھر آسمان پہ کچھ عجیب بات ہو رہی تھی۔ جب اللہ نے عقل کو تخلیق کیا تھا اور اسے کہا' مجھے چل کے دکھا اور جب اسے چلتے ہوئے دیکھا تو اللہ نے فرمایا: میں نے کیا خوبصورت تخلیق کی ہے یعنی عقل اللہ کی بہترین تخلیقات میں سے ہے' اس لیے جب یہ امانت کسی کو دینے کا وقت آیا تو اللہ نے بے انصافی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان ط انه كان ظلوماً جھولا (۳۳ (الاحزاب) :۷۲) جب اس نے یہ امانت علم وعقل آسمان اور آسمان کے باشندوں کو پیش کی' زمین اور زمین کی تمام تخلیقات کو پیش کی' پہاڑوں اور ان کی تمام تخلیقات کو پیش کی' تو سارے ڈر گئے۔ جہاں اتنے انعامات اسی عقل کی وجہ سے موجود تھے۔ وہاں عقل کو انسانی بہتری اور مخلوق خدا کی بہتری کے لیے استعمال نہ کرنے میں کچھ عذاب بھی مقرر تھے۔ اللہ کے نزدیک وہ تمام انسان جو اس اللہ کی دی ہوئی نعمت کو بہتر استعمال نہیں کر سکتے' ان کو ناکام قرار دیا جاتا ہے۔ ان کو کوئی دوسرا موقع نہیں دیا جاتا۔ یہ یاد رکھیے گا' جہاں گناہ کی بہت ساری بخششیں موجود ہیں' جہاں خطاؤں کی بہت ساری مغفرتیں موجود ہیں' وہاں عقل کی ناکامی کی کوئی مغفرت موجود نہیں۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے فرمایا کہ جب سکرات[1] میں اہل کفر کی آنکھ تیز ہو گی اور جن چیزوں سے یہ انکار کر رہے تھے' اب اس کا اقرار کر رہے ہوں گے اور جب سکرات میں ان کی آنکھیں کھلیں گی تو یہ خدا سے ایک استدعا

(1) موت کا وہ وقت جب انسان کی جان نکل رہی ہوتی ہے۔

کریں گے کہ اے پروردگارِ عالم! اگر تو ہمیں دوسری مرتبہ زمین پر بھیج دے گا' اگر ہمیں ایک موقع اور دے دے تو ہم نہ صرف یہ کہ تجھے پہچانیں گے اور اپنی حیات کے مقصد کو پورا کریں گے بلکہ تو جو چاہے گا' جو حکم دے گا' ہم اس کی اطاعت فرمائیں گے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں کہ یہ غلط کہتے ہیں یہ مکمل ناکامی کا ثبوت ہے۔ اگر ان کو میں سو مرتبہ بھی زمین پر بھیجوں تو پھر بھی اسی کفر کا ارتکاب کریں گے۔ پھر اسی طرح میرے انکار پر جرأت آزما ہوں گے اور پھر اسی طرح زمین و آسمان میں میری رحمت سے مایوس ہوں گے۔ تو حضرات گرامی! اگر چہ یہ بہت بڑا انعام تھا' یہ بہت بڑی نعمت تھی جو اللہ نے انسان کو عطا کی مگر اس ذمہ داری میں بڑے خطرات پوشیدہ تھے۔ اس میں بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ اس کے خطرات دیکھتے ہوئے زمین نے انکار کیا۔ آسمانوں کی مخلوق نے انکار کیا۔ پہاڑوں اور ان کی مخلوق نے انکار کیا اور انسان نے بڑی عجلت کی۔ آگے بڑھ کر اس نعمت کو گلے لگا لیا۔ دعویٰ کیا کہ عجیب ہے' کیا حسرت ہے کہ میں بندۂ خدا ہو کر خدا کو نہ پہچان سکوں۔ ایسی کیا بات ہے کہ جو زمین و آسمان میں خدا کی شناخت سے مجھے روک دے۔ میں تو پیدا ہی اسی لیے ہوا ہوں تو پھر اتنی گراں قدر شے جو میرے پاس موجود ہے' یہ نعمت اول و آخر جو میرے پاس ہے مگر اتفاق یہ دیکھیے کہ اس دعوے کے باوجود عالم کل نے حضرتِ انسان کے بارے میں ایک جملہ فرمایا ''کہ بلاشبہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔''

حقائق کی بنیاد پر ایک بچے کے بڑے دعوے کو بڑا شخص سن کر مسکرا دیتا ہے اور اس کی حقیقت سے اس کو آشنا کرتا ہے' اسی لیے عالمِ کُل کے شہنشاہ نے اس متنازل دعویدار کی بات کو سنا اور مسکرا کر فرمایا ''انسان ظالم اور جاہل ہے'' مگر اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو عموماً لوگ لیتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے کیونکہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور جاہل وہ ہے جسے حق اور ناحق کے راستے کا پتا ہے۔ پھر بھی نادانی میں وہ جہالت کا ساتھ دیتا ہے اور علم کی دولت سے اپنے آپ کو روشن نہیں ہونے دیتا۔ تو خدا کے ان دو حروف کا مطلب یہ تھا کہ:

This man has overestimated himself and underestimated the job.

تو اس پورے بیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنے کام کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھا۔ ہم مسلمان سہی مگر جب اللہ اور انسان کو ہم دیکھیں گے تو ہم اس زمین پر پوری پوری مخلوقات میں جہاں جہاں بھی انسان موجود ہے' ہم اس کو شمار میں لیں گے تو اگر ہم خدا کے اس کلام کو دیکھیں اور آج کے انسان کو دیکھیں تو چار سو انسان خدا کی یاد سے غافل ہیں۔ اس کے ذہن میں کبھی اس حقیقت کبریٰ کا خیال نہیں آیا۔ اس کو کبھی کائنات کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا خیال نہیں آیا۔

کیا قرآن میں موجود حوالوں سے آپ آزاد ہوں گے؟ کیا جب ہم قرآن کو پڑھ رہے ہوں گے تو خدا نے اگر کسی دوسرے انسان کو طعنہ دیا ہے تو آپ اس سے آزاد ہوں گے؟ اگر خدا نے کسی دوسرے انسان کے نقطۂ نظر کی شکایت کی ہے تو کیا بحیثیت مسلمان آپ آزاد ہوں گے؟ اسی جائزے کے لیے میں نے آج کا یہ موضوع چنا تھا کہ مذہب مجبوری ہے یا کہ اختیار۔

جب قرآن حکیم میں اللہ یہ کہتا ہے کہ اے انسان! تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر بڑی سختی سے قائم ہو۔ تم اس پر کوئی تجزیہ فکر کرنا نہیں چاہتے۔ تم نے کوئی غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے ہمیں کیوں مسلمان بنایا ہے' ہم مسلمان کیوں ہیں؟ ہم کون ہیں جن کو لوگ مسلمان کہتے ہیں؟ کیونکہ آپ میں سے کسی کو بھی اسلام اختیار سے نہیں ملا۔ آپ میں سب کو اسلام

ورثے میں ملا ہے اور ایک ایسے ورثے میں جس کے بارے میں غور و فکر کرنا آپ کے لیے ایک درجہ محال ہے۔ ایک مشکل ہے' آپ نے اتنی محنت کبھی اسلام پہ نہیں کی اتنی محنت کبھی تصورِ خدا پہ نہیں کی اتنی محنت مذہب کی غرض و غایت پہ نہیں کی جتنی آپ اس میراث کو سمیٹنے پر کر رہے ہیں۔ وہ بزرگ و برتر رب کریم تو اہل کفر کو طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم غور و فکر کرتے اور آباؤ اجداد کی میراث کی تقلید نہ کرتے تو تم یقیناً اپنی معرفت پروردگار تک پہنچتے۔

دنیا کی سب سے غالب اکثریت مسلمان' مگر خدا شناس کتنے ہیں؟ اللہ کو جاننے والے کتنے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو تعویذ اور گنڈے کا بیوپار کر رہے ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا شناسی کے دعویدار ہیں جو لوگوں میں جعلسازی سے اپنے دعوؤں کو سچ ثابت کرنے میں مشغول ہیں؟ کیا وہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہیں جنہیں اپنی زندگیوں کے بارے میں ایک حرف تعلیم نہیں آتا؟ ایک ملک جب اپنے بہترین افسران چنتا ہے تو بڑے سخت امتحان لیتا ہے۔ ایک دنیاوی نظام جب امتحان لیتا ہے' تو وہ کسی کم علم کو اعلیٰ ترین منصب زندگی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اے مسلمان! اے امتِ مسلمہ! غور تو کرو۔ ہم نے اللہ کے دعویدار ان لوگوں کو سمجھا ہے' جن کے منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ جنہیں ایک حرف شناسائی پروردگار بھی نہیں آتا اور جن کے ذہن و خیال میں دین و دنیا کا کوئی علم اپنی مکمل حیثیت سے نہیں ہوتا۔ کیا یہ لوگ خدا کے نمائندے ہوں گے؟ کیا یہ لوگ خدا کے علم کے دعویدار ہوں گے؟ کیا ان لوگوں سے آپ کو خدا کی شناسائی ملے گی؟ بدقسمتی سے اس کاروبارِ حیات میں جتنا بڑا جعلساز ہے' اسے لوگوں کی چند کمزوریوں کا علم ہے۔ کیا رزق اب جادوگری بند کرے گی؟

ہر محلے ہر گلی ہر شہر میں جادوگروں اور ساحروں کی تعداد عامل لوگوں سے زیادہ ہے بلکہ ہر گھر میں کہیں جیٹھانی جادو کر رہی ہے' کہیں بھابھی کر رہی ہے' کہیں ساس کر رہی ہے' کہیں بہو کر رہی ہے' کہیں مرد کر رہا ہے' کہیں عورت کر رہی ہے۔ اے کائناتِ خداوند کے رہنے والو! کیا طلسم ہوشربا ہے کہ یہاں صرف ایک خواجہ عمرو عیار ہے' یہاں صرف ایک طلسم کشا ہے۔ باقی سب جادوگر ہیں۔ خواتین و حضرات! کیا یہ لوگ تعلیم میں آپ کو گائیڈ کریں گے؟ کیا یہ لوگ آپ کی علمیت کے مظاہر آپ سے وصول کریں گے؟ یا اس لیے ہے کہ آپ اللہ کی اس بات کو بالکل توجہ نہیں دیتے کہ اے خدا کے بندو! میں اہل کفر کو جو طعنہ دے رہا ہوں کہ تم کبھی بھی کفر کے قائل نہ رہتے' اگر غور و خوض کرتے تو میں ربِ کعبہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں اے امتِ مسلمہ کے امیدوارو! اگر تم بھی غور و فکر کرو تو جہالت کے ان عمومی تاثرات سے آزاد ہو جاتے اور خدا کو خدا کی طرح چاہتے۔ اللہ کہتا ہے و ان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو ط وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیء قدیر (٦ (الانعام): ١٧) اور اللہ جسے تکلیف پہنچانا چاہے تو اس تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی بھلائی کرنا چاہے تو بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی کا جادو کام نہیں آئے گا۔ کوئی تعویذ کام نہیں آئے گا۔ دعا اپنی جگہ ہے۔ دعا بھی تو اللہ کی وجہ سے قبول ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی کو ضرر سے چھو لیں تو پھر اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا اور جسے ہم خیر سے چھو لیں تو یہ تو قدرت ہمارے پاس ہے۔ کسی انسان کے پاس نہیں۔ کوئی انسان کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہم رزق ان کو عطا کر دیتے کہ جاؤ تم لوگوں کو پالو۔ تم لوگوں کو زندگی عطا کرو اللہ تعالیٰ

نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ''اگر ہم انسانوں کو رحمت دے دیتے تو یہ بڑے بخیل نکلتے۔ یہ کسی دوسرے انسان تک رحمت پہنچنے نہ دیتے۔ اسی لیے ہم نے وہ اسباب ضرورتِ انسان اپنے پاس رکھے اور کسی کو اس کا سبب عطا نہیں فرمایا۔ البتہ میرا رسول اللہ ﷺ۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ دیکھو اللہ عطا کرنے والا ہے۔ عطا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ میں مگر تقسیم کرنے والا ہوں۔''

وہ عقل و معرفت اور تحقیق و جستجو جس پر اللہ نے اپنی شناخت کی بنیاد رکھی اور جس کا طعنہ کافروں کو دیا۔ وہ طعنہ آج آپ پر بھی لاگو ہے' اس لیے کہ مذہب کی غرض وغایت رسوم و رواج عبادت نہیں ہے۔ اگر آپ عبادت کا بھی مفہوم اللہ کی زبان سے سن لیں تو آپ کو علوم ہوگا کہ اللہ نے عبادت کا کچھ اور مفہوم رکھا ہے۔ اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ اللہ کا رنگ جہالت نہیں ہے' اللہ کا رنگ بے آگہی نہیں ہے۔ اپنی شناخت اور محبت کے لیے اللہ نے علم کو سب سے بڑی دولت قرار دیا۔ اللہ کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرنے والے نہیں' مجھ سے محبت کرنے والے اور میری محبت میں رونے والے وہی لوگ ہیں جو مجھے زیادہ جانتے ہیں۔ جو زیادہ علم والے ہیں۔ جو زیادہ شناخت والے ہیں اور میرے بہترین بندے بھی وہی ہیں جو نہ صرف عبادت کرتے ہیں بلکہ ہمہ وقت کائنات کے غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں۔

ہم لوگ دنیاوی وجاہتوں کے لیے کتنا زور لگاتے ہیں۔ کیا اللہ نے دنیا کو غلط قرار دیا۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا کو مت حاصل کرو۔ کیا اللہ نے یہ کہا کہ دنیا میں تمہیں کاروبار نہیں کرنا۔ خدا ترکِ دنیا کے لیے نہیں ہے' اسلام ترکِ دنیا کے لیے نہیں ہے' نہ اسلام میں رہبانیت ہے' نہ اسلام میں فاقہ ہے۔

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاقہ فرمایا' مگر فاقہ کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ گھر کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے کہ رسولؐ اللہ روزہ رکھے بیٹھے تھے۔ پھر بریرہؓ کی طرف سے ایک بھنی ہوئی ران بطور تحفہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً روزہ توڑ دیا اور اس سے مشغول ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! ابھی تو آپ نے روزہ رکھا تھا۔ فرمایا نفلی روزہ تھا نا' کل رکھ لوں گا مگر یہ تو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ میں تو صبح سے دعا مانگ رہا تھا کہ اے پروردگار فضل و رحمت کا تو مالک ہے' مجھے عطا فرما۔ تو یہ جو بھنی ہوئی ران ہے' یہ تو فضل و رحمت ہے۔ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

حضور ﷺ نے اچھا بھی کھایا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اُم طلحہؓ کے پاس گئے اور پوچھا' کچھ کھانے کو ہے؟ ام طلحہؓ نے عرض کی' یا رسول اللہ ﷺ ہنڈیا میں ایک بکرا ڈالا ہوا ہے جو ابھی پکا نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' بھوک سخت ہے' نکالو۔ اُم طلحہؓ نے ایک دستی نکالی اور حضور ﷺ نے تناول فرمائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور ہے؟ کیونکہ حضور ﷺ کو دستی کا گوشت بڑا پسند تھا۔ پھر انہوں نے دوسری دستی نکالی اور وہ حضور ﷺ نے کھائی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے پھر پوچھا کیا اور ہے؟ تو ام طلحہؓ نے عرض کی' یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک بکری میں کتنی دستیاں ہوتی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا' آج تو سوال نہ کرتی تو دستیاں ہی نکلتی رہتیں۔

خواتین وحضرات! پیغمبر عالی مقام ﷺ نے ہم سب کا کام بہت مشکل کر دیا ہے۔ آپ یقین مانو کہ سب سے بڑی مشکل ہمیں اپنے پیغمبر ﷺ کی وجہ سے ہے۔ میں آپ سے کہوں جب میں عیسیٰؑ کا سنتا ہوں' میں کہتا ہوں ٹھیک ہے۔ ساری زندگی معجزانہ تھی۔ اول و آخر معجزہ۔ بھلا ہمیں ان سے کیا کام۔ معجزے سے پیدا ہوئے' معجزے سے رخصت ہوئے۔ رستے میں کیا کیا' یہودی کاہنوں کو صلواتیں سنائیں' نابیناؤں کو بینا کر دیا اور مردوں کو زندہ کر دیا۔ یہ ساری باتیں بتاؤ میں کر سکتا ہوں؟ مجھے کیا پڑی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر حضرت عیسیٰؑ ہی آخری نبی ہوتے تو بڑی خوشی کی بات تھی۔ ان کی پیروی کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

حضرت موسیٰؑ عصائے موسوی کے بغیر تو آتے بھی نہیں ہیں اور عصائے موسوی تو اب امت کو مل نہیں سکتا۔ شریعت کا یہ عالم ہے کہ قوم یہود تمام تر عقل دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ وہی نعمت خداوندی جو انسان کو اللہ نے اپنی شناخت کے لیے عطا کی۔ ایسی بد بخت قوم ہے کہ ہزار معجزات دیکھ رہے ہیں۔ کبھی مینڈکوں کی بارش' کبھی جوؤں سے بندے ہلاک کیے اور کبھی فرعون کے پہلوٹھی کے بچے کے لیے۔ وہ تو بیچارہ مان گیا اور آخری وقت میں کہا کہ میں رب موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مانتا ہوں۔

مگر اس قوم کا حال سنیں جس کے لیے موسیٰؑ سب پاپڑ بیل رہے تھے کہ یہ قوم چلتی ہوئی جب حمص اور بعلبک کے قریب آتی ہے تو کہتی ہے موسیٰؑ بڑا بڑا معجزہ تو نے دکھایا مگر یہ تو جادوگری بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تو واقعی ہمیں خدا کا یہ کرشمہ قدرت دکھائے گا کہ زندہ کرے گا اور مارے گا۔ پھر کیا ہوا بڑی مجبوری ہے۔ اللہ سے درخواست کہ اے پروردگار میں ان جاہلوں میں سے نہیں ہوں' اگر تو کرشمہ قدرت دکھا دے۔ موسیٰؑ ذرا غصے والے تھے۔ ذرا ادھر اُدھر سے آفت آتی اور لڑ پڑتے۔ اور لڑتے بھی اسی بات پر تھے جس بات پر آج ہم بھی لڑتے ہیں کہ اے اللہ بڑی مشکل سے گھیر گھار کے ایک بندہ تیری طرف لاتے ہیں تو اس کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ تھوڑے عرصے کے بعد آ کے کہتا ہے' تسبیح کیا کروں۔ تسبیح تو بربادی ہے۔ جو دودانے رزق کے پہلے مل رہے تھے' اب نہیں ملتے۔ اب اسے کون سمجھائے بھئی یہ تیری آزمائش ہے مگر وہ کہتا ہے نہیں' مجھے وہ جادوگر چاہیے جس کے تعویذ سے میرا رزق کھلتا ہے۔ آزمائش نہیں چاہیے' صبر نہیں چاہیے۔ سکون نہیں چاہیے۔ اعتبار نہیں چاہیے۔ اللہ نہیں چاہیے' مجھے تو وہ روٹی چاہیے' دودانے جو مجھے مل رہے تھے۔ یہی حال موسیٰؑ کا تھا۔ ہر دوسرے لمحے خدا کے گریبان پر ہاتھ کہ اللہ میاں تو کیا کرتا ہے۔ بڑی مشکل سے اس قوم کو لایا ہوں۔ تو نے ان کو آتے ہی مصائب میں ڈال دیا۔ اللہ نے فرمایا' موسیٰؑ ٹھہر' یہ بھی کر دوں گا۔ ایسے کر تو دو سو بندے اپنی قوم کے معززین' لائق' دانا اور عقل والے ذرا جدا کر۔ باقی بارہ قبیلوں کو ان پہ گواہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ کل کوئی مکر جائے۔ ایسا نہ ہو کہ صاحب تورات کہیں کہ یہ واقع پیش نہیں آیا۔ ایسا نہ ہو یہودی اور قبالہ تحریک کہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون (۲(البقرہ): ۵۵) پھر اللہ نے برق اتاری اور ان بندوں کو اٹھا لیا۔ بنی اسرائیل نے طعنے دیے۔ اے موسیٰؑ! اسی لیے ہمیں یہاں لایا تھا۔ تو نے تو ہمیں برباد کر دیا۔ ہماری تو نسلیں اجاڑ دیں۔ ہمارے تو سارے بزرگ لے لیے۔ یہ کیا کیا تم نے۔ بھئی خدا اگر قوم یہود کا ہے تو اس سے کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد ہمیں لوٹا دے۔

ثم بعثنکم من ؑ بعد موتکم لعلکم تشکرون (۲ (البقرہ):۵٦) اللہ نے پھر لوٹا دیے۔ کہا' کیا گواہی دو گے؟ اب مجھے مانو گے خدا؟ اب تمہاری عقل کو تسکین ہوگئی؟ انہوں نے کہا' ٹھیک ہے۔ اب ہمیں کون دنیا کی طاقت گمراہی کو لے جاسکتی ہے۔ وہی نعمت عقل اور انسان۔ چلتے چلتے مص اور بعلبک کو گزرے۔ وہاں سرمن را کی خداوند آمون کی Mythologies تھیں۔ بعل اور اشتار کی دیوی کی پرستش ہوتی تھی۔ اصل میں فراعنہ مصر نے بھی اسی دیوتا کو پرانے اصنام سے قبول کیا۔ بڑے خوبصورت محل تھے' وہ اصنام نہیں تھے۔ پروہت تھے بتوں کے گھر اور مندر تھے۔ انہوں نے بہت لیے خوبصورت اعلیٰ ترین نقش کاری کر کے سونے کے بت بنائے ہوئے تھے جن میں سے روشنیاں جگمگاتی تھیں۔ بنی اسرائیل بھول گئے کہ اللہ سے کیا کہا تھا۔

کہا' پروردگار اگر تُو اجازت دے کہ تُو تو بڑا خدا ہے' طاقتور ہے۔ تیرا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ تیرے بت رکھے جائیں۔ تُو حسن صورت کے کسی مظاہرے میں تو آئے۔ جونہی موسیٰ طور پر گئے۔ سامری نے بچھڑا بنایا اور اس پہ خاکِ پائے جبرئیلؑ پھونکی۔ حضرت جبرئیل کو روح الامین کہتے ہیں۔ ان کو الروح بھی کہتے ہیں یعنی وہ شعبۂ ارواح کے فرسٹ سیکرٹری ہیں۔ اس شعبے کی نگہبانی انہی کے پاس ہے۔ انہی کی وجہ سے ارواح آتی ہیں۔ انہی کی وجہ سے ارواح کو اشکال ملتی ہیں۔ اسی لیے حضرت جبرئیل امین کا نام روح الامین بھی ہے کہ امانت علم و عقل بھی انہیں کے ذریعے انسان کو منتقل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ سامری جادوگر نے جبرئیل امینؑ کو حضرت موسیٰ کے پاس آتے دیکھ لیا۔ سامری نے حضرت جبرئیل کے گھوڑے کی خاک تھوڑی سی لے لی اور اس بچھڑے پر پھونکی۔ بچھڑے نے پوری زندگی تو نہیں پائی مگر کسی نہ کسی طریق زندگی کی وہ خاک مالک تھی۔ اور اس بچھڑے میں سے آواز آنی شروع ہوگئی۔ اس آواز کی وجہ سے اس پر زندگی کا تاثر ہوا۔ اس تاثر کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اس غیر معمولی واقعہ کو خدا سمجھا اور جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو تمام کام بگڑ چکا تھا اور باقاعدہ اس بچھڑے کی پرستش شروع تھی۔

کب ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ' اللہ ہمارے سامنے ظاہر ہو اور ہمارے مردوں کو جگائے تب ہم اللہ کو مانیں گے۔ ہم تو اس لیے نہیں کہتے کہ وہ اس کائنات میں واحد رسول اللہ ﷺ ہے' جن کا ہر لفظ' ہر قدم اس عقلیت کے اعلیٰ ترین معیار پہ ہے جو انسان کی ضرورت ہے اور ہم زندگی کے کسی ایک شعبے میں بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے گریز کر پائیں۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہمارے پیغمبرؐ نے ہر راہگذر پہ ایسے قیمتی' خوبصورت اور لازوال نقوش راہبری چھوڑے ہیں کہ اس امت میں کوئی شخص ان سے گریز نہیں کرسکتا۔ یہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ انؐ کے معجزات اتنے اہم نہیں رہے۔ وہ رسولؐ علم ہیں اور وہ اللہ کی جانب سے آخری استاد ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے کوئی گنجائش معجزات نہیں چھوڑی۔ اللہ کے رسولؐ نے ہر منزل حیات پر آپ کے لیے قابل تعلیم نقوش چھوڑے ہیں۔

خواتین و حضرات! مگر اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے بڑا نقش تعلیم جو چھوڑا ہے' وہ یہ ہے کہ مذہب کیوں اختیار کیا جائے۔ اتفاق دیکھیے کہ آج کے زمانے میں تمام زمانہ ہمیں یہ قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ مذہب غیر ضروری ہے' مذہب فالتو ہے' مذہب رسم و رواج ہے اور مذہب صرف نماز اور روزہ ہے۔ چلو اگر کسی کو مذہبی ہونا ہے' اپنے گھر جاؤ مصلیٰ بچھاؤ' چار رکعت پڑھو۔ ہمیں کاروبارِ حیات میں تنگ نہ کرو۔ اس لیے کہ ہمارا معاشی نظام مذہبی نہیں ہے' اس لیے کہ

ہمارا ٹریفک کا نظام تمہارے مذہبی نظام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا' اس لیے کہ ہماری گورنمنٹ کے نظام تمہارے نظام کے مطابق نہیں ہیں۔ تمہارا مذہب اس میں ہمیں کوئی سبق نہیں دیتا' کوئی دخل نہیں دیتا۔ تم نے مذہبی ہونا ہے تو ہو جاؤ۔ پھر خواتین وحضرات! کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم دنیا کی ترقی بھی چاہتے ہوں' مال واسباب بھی چاہتے ہوں اور مال و اسباب کے مالک ہوں۔ دنیا کی ترقی کے بزرگ ہمیں درس دے رہے ہیں کہ جنھیں مذہب نہیں چاہیے تو پھر ہم ایک لمحہ کے لیے سوال نہیں کریں گے کہ یا تو ہم اعلیٰ ترین منافق ہو جائیں۔ ایسے منافق جو مذہب بھی رکھیں اور دورِ حاضر کے غلام بھی ہوں۔ اصل میں ہماری نیتوں میں محبت تو بش اور بلیئر کے ساتھ ہو اور کبھی کبھی اپنے گوشۂ حیات میں ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بھی لے لیں۔ مسجدوں میں نعت پڑھیں' مدرسوں میں کلام پڑھ لیں' پرانی کتابیں دہرا لیں اور مذہب کے ان بزرگوں سے جن کی اپنی تمام عمر ماشاءاللہ تعلیم خیرات مانگنے میں صرف ہو جاتی ہے اور آج کل اگرچہ حکومت انہی کی ہے مگر بدقسمتی سے وہ بھی مذہب کی غرض وغایت قطعاً نہیں جانتے۔

سوال یہ ہے کہ مذہب کیا ہے۔ ایک چلنے کا رستہ' کدھر جانے کا رستہ ہے۔ اگر یہ چلنے کا راستہ ہے تو کدھر جانے کا رستہ ہے۔ مذہب انسان کو کیا دیتا ہے۔ کیا بخشتا ہے۔ انسان کی مذہب سے کیا مراد ہے۔ کیا غرض وغایت ہے اور کیوں ہم مذہب کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں؟ جیسے کوئی ماں اپنے مردہ بچوں کو سینے سے لگائے پھرتی ہے۔ اسی طرح ہم بیمار فرسودہ بارہویں صدی کی توضیح کے محتاج مذہب کو اپنی آغوش میں لیے پھرتے ہیں۔ خواتین وحضرات! زمانے جب بدلتے ہیں' علم جدید تر ہوتا ہے، تحقیقِ انسان آگے بڑھتی ہے تو پھر آپ کے تصورِ خدا کی تعلیم کی مختلف توضیح کرنا پڑتی ہے۔

آج قرآن کی وہ وضاحت نہیں چلے گی جو بوعلی سینا اور امام رازی نے دی ہے مگر ابن عباسؓ کی چلے گی کہ وہ صحابیؓ تھے۔ اللہ نے ان کو تاویلِ قرآن عطا کی تھی۔ پوچھا گیا' ابن عباسؓ! آج جبکہ تم زندہ ہو' ہمیں قرآن میں اشکال ہو تو تمہارے پاس چلے آتے ہیں۔ کل کیا ہوگا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا' ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ آج میں نے قرآن کی تفسیر اپنی معلومات کے مطابق کرنی ہے' ورنہ میں ایک ایسے پسماندہ راہرو کی طرح ہوں گا جو کبھی بھی منزل کا سراغ نہیں پا سکتا۔ مجھے خود کو ڈھالنا ہے۔ آج کا سارا نظام جو اس وقت مغربی دنیا کے پاس ہے' مجھے اس کی تاویل اور وضاحت چاہیے۔ مجھے یہ چاہیے کہ قرآن کو اس تعلیم کی بنا پر پڑھوں۔ مجھے چاہیے کہ قرآن کو پڑھنا سیکھوں۔ قرآن ضرور علومِ جدید سے کچھ آگے کا ہوگا۔ قرآن ضرور کائنات کی بہتر تفسیر دے رہا ہوگا مگر قرآن کا عالم ہمیں کیوں اس تفسیر سے آشنا نہیں ہونے دیتا؟ کیونکہ وہ ابن سینا اور فارابی سے آگے نہیں بڑھتا اور آج جو تفسیر ہم پڑھتے ہیں' وہ مُلا علی قاری سے آگے نہیں جاتی۔ وہ بہت بڑے عالم تھے' ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ عبدالوہاب شعرانی بہت بڑے عالم تھے۔ بڑا بڑا محدث اور فقیہہ گزر گیا مگر ان کے پاس وہ معلومات نہیں تھیں جو آج کے آٹھویں جماعت پاس بچے کے پاس ہے۔ جو ٹی وی پر Discovery کا چینل دیکھ رہا ہے۔ اس کو زیادہ بہتر علم ہے' وہ جانتا ہے کہ زمین کے چپٹا ہونے پر جو فتویٰ ہے' وہ غلط ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کائنات دیکھی جا چکی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجمع الکواکب (Constellation) دیکھی جا چکی ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ زمین گول ہے' وہ اب کسی معتبر کی بات نہیں مانے گا بلکہ ہنسے گا کہ شاید تمام مذہب انہی خرافات کے نتائج سے بھرا ہوا ہے۔

علم کی وجہ سے نہیں' بلکہ ان لوگوں کی وجہ سے جو اس علم وعقل کو اللہ کی حمایت میں استعمال نہیں کرتے۔ ان

لوگوں کی وجہ سے جو خدا کی دی ہوئی نعمت کو تحقیق و جستجو میں استعمال نہیں کرتے۔ اس لیے کہ مذہب کا کوئی اور مطلب نہ تھا' نہ ہے اور نہ ہوگا۔ شریعتیں بدلتی رہتی ہیں۔ مسائل بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی چیز بنی اسرائیل میں حرام مطلق تھی اور ہمارے لیے حلال ہے۔ شریعتیں انسان کی بلوغتِ فکر کے ساتھ بدلتی چلی آئی ہیں حتیٰ کہ آقائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ختم ہو گئیں مگر آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک مذہب کا صرف ایک مقصد مستقل رہا ہے اور وہ اللہ ہے۔ اللہ کی شناخت' اللہ کا جاننا' اللہ کی ہمسائیگی کی آرزو۔ مذہب کا یہ بنیادی مقصد اور اولین ترجیح ہے۔ اور جو عقل' جو دانش اور جو علم مذہب آپ کو خدا کی اس ترجیح سے آگہی نہیں دیتا وہ مذہب نہیں۔ رسم و رواج کی اختراع ہے۔ مجموعۂ بیکار محض۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری پیغام دیا ہے' وہ یہی ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ اس دورِ حاضر میں جب ہم مذہب کا دفاع نہیں کر سکتے' میں اس میں خصوصی طور پر ان دانشور عالموں کو شریک نہیں کرتا۔ میں عمومی ادارہ کی بات کرتا ہوں اور یہ عمومی ادارہ اسلام کے لیے آفتِ جان بنا ہوا ہے۔ اسلام کے دو ہی دشمن ہیں' ایک سیکولرسٹ ہے اور دوسرے وہ ادنیٰ درجے کی کم ترین ملائیت جس نے مذہب کو رزق و روزگار کے سوا کچھ نہیں بنایا۔

خواتین و حضرات! ایمان جبر نہیں ہے۔ بہتر ہے پیدائے جبر اپنے سر سے اتار دو۔ اللہ پر احسان نہ فرماؤ۔ اپنے اوپر رحم کرو' غور و فکر اور سیکھنے سمجھنے کی صلاحیت اختیار کرو۔ قرآن بہت آگے ہے۔ تمام علوم درمیان میں ہیں۔ مُلّا بہت پیچھے ہیں۔ قرآن کیوں نہ آگے ہو۔ قرآن تو ابتدائے کائنات سے لے کر آخرِ کائنات تک وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کو سمیٹے بیٹھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ صاحبِ علم' وہ دانشورِ کبیر' وہ خدائے مطلق جو ایک طرف خبر دیتا ہے کہ وسخر الشمس والقمر ط کل یجری لا جل مسمی (۱۳ (الرعد) :۲) اور سورج اور چاند کو ایک خاص قانون کا پابند بنایا اور ہر چیز کائنات میں ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہی ہے۔

پھر تخلیق کے خاتمے کی خبر دی ہے۔ القارعۃ○ ما القارعۃ○ وما ادرک ما القارعۃ○ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث○ وتکون الجبال کالعھن المنفوش (۱۰۱ (القارعہ) :۱ تا ۵) کھڑکھڑانے والی' کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تمہیں کیا پتا کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ روئی کی مانند ہوں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا وجمع الشمس والقمر (۷۵ (القیامۃ) :۹) چاند اور سورج پھر اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور پھر زمین نئی زمین سے بدل دی جائے گی۔ اس خوبصورت آیت کو یاد رکھیے گا کہ زمین زمین سے بدل دی جائے گی۔ آسمان کی جگہ زرد سیاہ رُو آسمان ہوگا۔ اوزون کے پردے ہٹ جائیں گے اور اصلی کائنات آپ کو نظر آئے گی۔ قوانینِ حیات بدل دیے جائیں گے۔ پھر اس دن خداوند کائنات آسمانِ اول کو رجوع فرمائیں گے اور بڑے بڑے بش اور بلیئر قطار میں کھڑے ہوں گے۔ سکرات کا عالم ہوگا' ہمارے بھی چند ایک اُن کے چاہنے والوں کی قطار میں ہوں گے اور آواز آئے گی لمن الملک الیوم ط للّٰہ الواحد القھار (۴۰ (غافر) :۱۶) اب بتاؤ آسمان و زمین کس کے ہیں؟ اب بتاؤ ورلڈ آرڈر کس کا ہے؟ کون مالک ہے؟ اور کیا خوبصورت آیت ہے واشرقت الارض بنور ربھا (سورۃ الزمر' آیت ۶۹) اور زمین تیرے رب کے نور سے چمک جائے گی اور رب کائنات محبت' رحم اور کرم سے اپنی مخلوق پر نگاہ کرے گا اور صرف اتنی بات ڈھونڈے گا' چھوٹی سی بات جس نے غور و فکر کیا' عقل کو استعمال کیا۔ اس نعمت کو اللہ کے

جانے کے لیے استعمال کیا تو میزان لگائی جائے گی اور انسان کے تمام گناہ ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ پھر خداوند کریم فرمائیں گے کہ ایک کاغذ کا پرزہ دوسرے میزان میں ڈال دو اور جب وہ پرزہ اس میزان میں ڈالا جائے گا تو تمام گناہ آسمان کو اٹھ جائیں گے اور وہ میزان زمین سے لگ جائے گی جس میں ایک کاغذ کا پرزہ ہوگا اور اس پہ لکھا ہوا ہوگا لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

خدا کی بخشش کا یقین

سوال: یہ کیسے پتہ چلے گا کہ خدا نے بخش دیا؟

جواب: یہ بے یقینی کا سوال ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان ایک یقین کام کرتا ہے جس کو علوم ہے کہ اللہ بخشنے والا ہے اور جس کو کتابِ حکیم پہ یقین ہے اور خدا کے مقدس الفاظ پہ یقین ہے وہ کبھی اس بارے میں شبہ نہیں کرتا۔ اللہ نے اس کے لیے جو واحد قدر سینہ انسان میں رکھی ہے وہ اخلاص ہے۔ اگر آپ اللہ کے لیے شمہ برابر بھی اخلاص محسوس کرتے ہو اور اُس کی حاکمیتِ اعلیٰ میں کسی کو شریک نہیں کرتے تو اللہ کا یہ وعدہ ہے قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم(۳۹(الزمر): ۵۳) کہ اگر تم سے سارے گناہ بھی سرزد ہو جائیں۔ ساری خطائیں بھی ہوں تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

اس سے پہلے حضرت لقمانؑ اور حضرت یعقوبؑ نے مختلف مواقع پر اپنے بیٹوں کو اور بچوں کو درس دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو اصل کفر اللہ سے مایوسی ہے۔ کفر یہ ہے کہ آپ اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو حقیقتِ انسان کا علم نہ ہو۔ کفر یہ ہے کہ آپ کو پروردگار کائنات کی حیثیت کا عرفان نہ ہو۔ جب خداوند کریم یہ ارشاد فرمائیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا اور رحیم کے بارے میں یہ متعدد مرتبہ کہا گیا کہ لفظ رحیم کا اطلاق ہی زندگی کے بعد ہوگا۔ اور جب رحمٰن اور رحیم کی وضاحت ہوئی تو یہ کہا گیا کہ رحمٰن الدنیا اور رحیم لآ خرت ہے کہ دنیا میں وہ رحمٰن ہے اور آخرت میں وہ رحیم ہے۔ اس میں مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے اوپر اپنی لفاظی کو مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ جب وہ اصولاً ایک مطلق بات کر رہا ہے کہ میں تمام گناہ معاف کرتا ہوں۔ اس کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ جتنے بھی میرے گناہ ہیں ایک مختصر ترین مدت کے لیے کرتا ہوں اور میں گناہ کرنے پر مکلف بھی ہوں۔ اس لیے کہ اللہ نے مجھے اپنے ارشاد مبارک کے مطابق ظالم، جاہل، عجلت پسند، چھوٹی چھوٹی بات پر شکوہ طراز اور بخیل بھی قرار دیا اور میں Possessive بھی ہوں تو اس حالت میں انسان سے خطا کا ارتکاب فطری بات بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان کا سفر خطا سے شروع ہوا۔ دیکھیے گناہ کتنا بڑا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ خطا ہے جو خدا کی غیبت میں آپ کرتے ہیں۔ آپ نے خدا دیکھا ہوا نہیں ہے۔ آپ نے خدا کو براہِ راست سنا ہوا نہیں ہے۔ آپ اللہ پہ یقین رکھتے ہیں۔ ایک وہ خطا ہوئی جو خدا کے سامنے ہوئی۔ اب بتائیے اس خطا کا کتنا وزن ہوگا۔ وہ کیا عجیب خطا ہوگی جو آدمؑ سے اللہ کے حضور میں سرزد ہوئی۔ وہ کتنی بڑی خطا ہوگی۔ آپ اس خطا کا اندازہ کر سکتے ہو کہ جو اللہ کے حضور میں ہوئی ہو تو اتنی بڑی خطا کو بھی اللہ کریم نے اپنے رحم و کرم سے معاف کر دیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ آدمؑ نے جو خطا فرمائی ہے یا آدمؑ سے جس خطا کا ارتکاب ہوا اس کے مداوا کے لیے بھی ان کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ اُن کے

پاس نہ انداز فکر تھا' نہ انداز دعا تھا' نہ الفاظ دعا تھے۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو دیکھئے اللہ کیا حسن تدبیر سے کام لیتا ہے کہ فرد جرم لگا دیتا ہے۔

فازلهما الشيطن عنها فاخر جهما مما كانا فيه وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو (۲(البقرہ):۳۶) یہ تو ہوئی فرد جرم اور سزا فتلقى آدم من ربه كلمت فتاب عليه ط انه هو التواب الرحيم (۲(البقرہ):۳۷) خفیہ طور پر اس احساس ندامت کے جواب میں ایک ایسے شخص کی ندامت کے جواب میں جس کے پاس لفظ ہی نہیں ہے۔ آدم تفسیرِ خیال بھی نہیں بیان کر سکتے۔ انداز اظہار بھی نہیں ہے۔ وہ اتنے مجبور ہیں کہ اپنی خطا کی عرضِ ندامت نہیں ہے تو خداوند کریم فرماتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں اپنی اس محبوب مخلوق کو خفیہ طور پر کہا' آدم یار چھوڑ میں تیرا رب' تو میرا بندہ۔ چپکے سے ذرا ان لفظوں سے توبہ کر لے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وتر حمنا لنكونن من الخسرين (۷(الاعراف):۲۳) ''اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔'' کیونکہ میں تو بیٹھا ہی توبہ قبول کرنے کے لیے ہوں۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو کوئی شبہہ رہ جائے تو ساتھ وہ الفاظ جو بنیادی طور پر معاہدے کے الفاظ ہیں' جو خدا کے خود دکھائے ہوئے الفاظ ہیں' اس کے بعد شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مسلمانوں کے بھٹکنے کی وجہ

سوال: آج کل کے دور میں قرآن پڑھا اور پڑھایا بھی جا رہا ہے اور سنت پر لوگوں کو چلتے ہوئے سڑکوں پر دیکھ بھی سکتے ہیں۔ بیس لاکھ کا سالانہ مجمع بھی ایک بہت بڑی نمائش ہے۔ اس کے باوجود مسلمان اپنے صحیح راستے کو ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟

جواب: ہے جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

بدقسمتی سے بندوں کو تولنے کا عمل صرف اللہ کے پاس محفوظ ہے بندے گنے جا سکتے ہیں' تولے نہیں جا سکتے اور ہم مسلمان کہلوا سکتے ہیں' مومن نہیں کہلوا سکتے کیونکہ ظاہر کا فیصلہ آپ کے پاس اور باطن کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔

قیامت کے دن حتمی طور پر جو کاؤنٹ ڈاؤن ہوگا' سوائے ایک طبقۂ خیال کے' بڑے ہی محترم لوگ ہوں گے۔ پھر ایسا زمانے میں کبھی نہیں ہوا کہ ایک پوری امت ایک پورے دور کو اللہ کی تحریری سفارش (Written Recommendation) حاصل ہو۔ وہ اصحاب شجرہ کو عطا ہوئی کہ اے پیغمبر ﷺ! انہوں نے تمہارے ہاتھ پہ بیعت نہیں کی' میرے ہاتھ پہ بیعت کی ہے۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (۹(التوبہ):۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اب اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی سند نہیں۔ وہ لوگ گزر گئے' جن کو لکھا ہوا دیا گیا۔ یہ اصحاب عشرہ مبشرہ ہیں' یہ اصحاب بدر ہیں۔ یہ اصحاب شجرہ بیعت رضوان ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے لکھ کے دے دیا۔ اب اس کے بعد اس قسم کی کوئی گنجائش امت مسلمہ کے لیے باقی نہیں رہی۔ اب ہم

اپنے منصف آپ نہیں ہو سکتے۔ اب خدا کا فیصلہ بھی ہم پر اس طرح کتاب میں لکھا ہوا نہیں آ سکتا' اس لیے اب ہجوم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چاہے وہ بیس لاکھ یا دس لاکھ کے ہوں۔

ے   کہ   از   مغز   دو   صد   خر
فکر   انسان   نمی   آید

یہ کسی کی توہین نہ سمجھے گا۔ جو میں بات آپ سے کہہ رہا ہوں' اسے غور سے سنیے گا۔ اندھا دھند تقلید ایک ناقص اندازکی تائید اور اپنی محرومیوں کے بدلے اس طرح کا عمل کرنا ایمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

آپ بیاباں میں اللہ کو یاد کرتے کرتے مر جاؤ تو اس کا کوئی ثواب آپ کو نہیں ہوگا کیونکہ آپ کی عقل حرکت میں نہیں آئی۔ آپ کو مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ آپ کی جواب دہی بیدار نہیں ہوئی۔ شیطان سے آپ کا مقابلہ نہیں ہوا۔ جہاں مقابلہ نہیں ہوگا' وہاں ثواب نہیں ہوگا۔ چاہے بیس لاکھ ہوں یا چالیس لاکھ یا اسّی لاکھ۔ اس سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تین سو تیرہ' وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی کرامت علمیہ کا کمال ہے کہ آج میں قسمیہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ ماں باپ کی وجہ سے نہیں' برادری کی وجہ سے نہیں' تقابل ادیان[1] کی وجہ سے' خیالات کے مجادلے[2] کی وجہ سے میں قرآن کی وجہ سے' محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے مسلمان ہوں۔ وہ جو ہمیں سبق دیتے ہیں کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی' اگر وہ کرتے ہیں اور خوش ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر قرآن کہتا ہے کہ تبلیغ ایسے نہیں ہوتی۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن (۱۶(النحل: ۱۲۵) آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے اور ایسے طریقے سے مباحثہ کیجیے جو بہترین ہو۔ پہلے تجھے عقل چاہیے۔ یہ حکمت کیا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ گولیاں بیچنا حکمت ہے' ہومیوپیتھی حکمت ہے۔ حکمت' علم کی Execution ہے۔ علم کی Execution کو جب مرتبہ خلاق میں ڈھالا جائے تو اس کو ہم حکمت کہتے ہیں۔ ایک تاج ہے' ایک Execution ہے۔ Execution حکمت ہے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں' یہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ عموم میں نہیں تھی۔ جسے چاہتا ہوں' حکمت عطا کرتا ہوں۔ یوتی الحکمة من یشآء ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (سورۃ البقرۃ' آیت ۲۶۹) اور جسے میں نے حکمت عطا کی اُسے میں نے خیر کثیر عطا کر دی۔ اب تبلیغ پر جو اللہ نے پابندی لگائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک تجھے خیر کثیر حاصل نہ ہو' تبلیغ کے لیے نہ جا۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ تو علم میں کمال حاصل کر۔ اس کی Execution میں کمال حاصل کر اور پھر ادھر مقام ختم نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے ایک شخص صاحب حکمت ہو مگر انداز بیان نہ ہو۔ پھر فرمایا تجھ میں کلام کا حسن بھی ہونا چاہیے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلام میں سحر ہے' کلام میں اثر ہے۔ یہ وہ واحد چور ہے جو ہاتھ میں چراغ لیے پھرتا ہے۔ یہ دن دیہاڑے چوری کرتا ہے۔

ع   چه دلاور است دزدے که بکف چراغ دارد
اس لیے کلام دلوں میں گھس جاتا ہے۔ ایک شاعر نے بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ

---

(1) دین کی جمع   (2) لڑائی

ع نگہم نقب بہ گنجینہ دلہا می زد

میری نگاہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگایا کرتی تھی۔

ع مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیداں رفتم

اب میں جا رہا ہوں۔ میرے بعد اہلِ نفاق اور منافقوں کو مبارکباد دو۔ وہ تو چلا گیا جو دلوں کے خزانوں میں نقب لگایا کرتا تھا۔ اب تم ہدی کے خزانوں میں نقب لگایا کرو۔ اس لیے تبلیغ کا یہ دوسرا حصہ بہت ہی اہم ہے۔ مردہ تن، مردہ دلی اور مردہ کلامی سے تبلیغ کا اللہ نے حکم نہیں دیا، اس لیے کہ ان دو مراحل کے بعد ایک بڑا کٹھن مرحلہ آتا ہے۔ بحث و مباحثہ، جنگ و جدل اور الفاظ کا کشت و خون ہوتا ہے۔ بڑے بڑے معجز بیان لوگ دلائل پر آ کے ہار جاتے ہیں تو فرمایا، وجادلھم بالتی ھی احسن (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵) Dialectics کو جدلیات کہتے ہیں کہ بحث و مباحثہ میں اگر جدلیات میں کمزوری آ گئی تو تُو اللہ کو Present نہیں کر سکتا۔ اگر جدید ٹیکنالوجی پر کوئی حرف آ گیا تو شاید اللہ کی طرف سے آپ جواب نہ دے سکیں۔

میں کچھ دن پہلے علامہ ذاکر حسین کو سن رہا تھا اور وہ فرما رہے تھے کہ اسلام میں بھی سیکولرازم ہے۔ اب بتایئے اگر عالم ایسا ہوگا کہ وہ انکارِ خدا کو اسلام کا حصہ قرار دے گا۔ سیکولرازم کو اسلام کا حصہ قرار دے گا تو میں اسے الزام نہیں دیتا، اس لیے کہ خداوند کریم نے کہا وفوق کل ذی علم علیم (۱۲ (یوسف): ۷۶) ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے مگر جب مخالف سنے گا تو ضرور ہنسے گا کہ یہ مکلوم مذہب ہے جس کو یوں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں کوئی فلسفہ شریک نہیں ان الدین عند اللہ الاسلام (۳ (آل عمران): ۱۹) نہ صرف یہ کہ اسلام کے علاوہ کہیں نجات ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلام کے رستے کے سوا خدا کسی رستے سے مل نہیں سکتا۔ اگر اسلام کے سوا کسی اور راستے پہ چل کے آئے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ اسلام میں ہم جیسے لوگ ضرور موجود ہیں۔ یہ وہ خوبصورت تھوہ ہے جو ہم جیسے اگالدانوں میں پڑا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سوائے اسلام کے آج تک ایک بھی دنیا کا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو نظریاتی طور پہ مابعد الطبعیاتی ہو۔

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو مابعد الطبعیات کا مذہب ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کی حرکتیں مسلسل پروردگارِ عالم کی طرف ہیں۔ باقی سب تجرید میں کھو جاتے ہیں۔ کوئی انسان کو خدا کہتا ہے، کوئی انسانیت کو خدا کہتا ہے تو کوئی تقدیر کو خدا کہتا ہے۔ صرف اسلام کی تحریک خدائے واحد کی طرف ہے اور اس کی ہمسائیگی کی خواہش کو اسلام کہتے ہیں۔ اس لیے جب آپ بحث کرنے جاؤ تو مظلوموں کی طرح بحث نہ کرو۔ اسلام مظلوم نہیں ہے۔ اسلام ہر زمانے پہ غالب ہے۔ اسلام آج بھی غالب ہے۔ عراقیوں نے بغداد بیچا ہے، ہارا نہیں ہے۔ افغانستان میں اسّی کروڑ ڈالر لگا ہے، اسلام نہیں ہارا۔ آج بھی آپ کے ملک میں چوروں کے فلسفے کے نام پر سیکولرازم کے نام پر ایک ایسا گھناؤنا عمل جاری ہے کہ خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کی آرزو آپ سے چھینی جا رہی ہے۔ اس کی قبولیت کیا ہے؟ اس کی قبولیت یہ ہے کہ یہ فلسفہ اخلاقیات کو اپنے اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کون ہے خدا جو زنا سے منع کرتا ہے۔ کیوں خدا چوری کی سزا رکھتا ہے۔ کیوں خدا ہمارے فلسفوں کو حسنِ قبولیت عطا نہیں کرتا۔ جیسے مشہور مفکر جس نے کتاب "God and Religion" لکھی۔ اس نے کہا، اب اگر خدا کو کائنات میں رہنا ہے تو انسانوں کے گناہوں کو قانونی شکل دینا پڑے گی۔ تو تبلیغ میں انسان کا اعتماد اس کے علم، اس کی Execution، اس کے دفاع، اس کی غیر مکلوم ذہنیت پر آتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی چیز

آج کے دور کے مبلغین میں نہیں پاتا۔

مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں ایسے بہت سے لوگوں سے ملا ہوں۔ اسلام کو میں مظلوم دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اللہ کہتا ہے سستی نہ کرنا' زمانے کا غم نہ کرنا' کون بڑا کون چھوٹا ہے اس کا غم نہ کرنا۔ مجھے عزت و جلال کی قسم ہے تم ہی غالب ہو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ آپ دیکھو تو سہی نقص کدھر جا رہا ہے۔ ادھر تو بڑی وضاحت سے لکھا ہے ذرا اپنے ایمان کی تو جائزہ تو لو کیا ہم واقعی صاحبِ ایمان ہیں؟ کیا پتہ ؎

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خدا کا انتخاب

سوال: ہم لوگ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے اس لیے ہم نے اسلام کو اپنا انتخاب کیا۔ جو شخص ایسی جگہ ہو جہاں تصورِ خدا کبھی اس کے سامنے لایا ہی نہ گیا ہو تو وہ خدا کو کیسے انتخاب کرے گا؟

جواب: جب لوگ بوڑھے ہو جائیں تو جوانوں کی دوڑ میں جاتے ہیں جس کو رکاوٹوں والی دوڑ کہتے ہیں۔ اس میں بوڑھوں کو رعایت دیتے ہیں۔ دس پندرہ گز آگے کھڑا کر دیتے ہیں۔ شاید کوئی بوڑھا بھاگتا ہوا دوڑ جیت جائے۔ خداوند کریم نے پیدائشی طور پر اسلام آپ کو دے کر صرف رکاوٹ کی رعایت دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رعایت نہیں دی۔ اس سے آپ ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کو دوڑ میں حصہ لینا ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ ہم جو پندرہ کروڑ مسلمانوں کے نام رکھتے ہیں' ہم مسلمان ہیں۔ اسی ملک میں سوشلزم اور کمیونزم آیا تھا اور پیدائشی مسلمانوں میں سے دو ڈھائی کروڑ مسلمان سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہو گئے۔

اب یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو ہندو ہیں۔ وہ لوگ جو عیسائی ہیں۔ وہ لوگ جو تبت کے لامائی ہیں۔ وہ لوگ جو افریقہ کے شامان ہیں' ان سب میں سے مراد وہ پائے گا جس کے دل میں اللہ کی آرزو جاگے گی خواہ وہ کسی مذہب سے ہو۔ ہمیں صرف پہلے سے تعلیم کا فائدہ ہے۔ اس سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ مگر عذاب بھی دگنا ہے اور وہ عذاب ہم سہہ رہے ہیں کہ خدا کو پیدائشی طور پر جاننے' ماننے کے باوجود اس کے احکام سے بالکل اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے کسی اچھے استاد سے نالائق طالب علم کلاسوں سے گریز کرتا ہے۔ یہ کوئی فائدے کی بات نہیں ہے۔ ہر اس ہندو کو اسلام ملے گا جس کے دل میں خدا کی آرزو جاگے گی۔ ہر عیسائی کو ملے گا' ڈاکٹر فاطمہ بارکر کو ملا ہے تبت کے لاما کو ملا ہے کے۔ ایل۔ گابا ہندو کو ملا ہے۔ اسی طرح اگر آپ میں سے بھی کسی کے دل میں خدا کے علاوہ کسی فلسفے کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کو کارل مارکس ملے گا۔ ڈیکارٹ ملے گا۔ Michael Sholokhove ملے گا۔ بش اور بلیئر ملے گا۔ ان کی سعادتیں ان کے ضمیر میں ضرور ہوں گی۔

متحدہ مجلس عمل (ایم۔ ایم۔ اے) کی حکومت

سوال: سرحد میں ایم۔ ایم۔ اے کی جو موجودہ حکومت ہے کیا یہ ایک اسلامی معاشرہ ہے؟ اگر ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر معذرت کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو وضاحت فرمائیے کہ اس معاشرے میں کیا نشانیاں ہوں گی؟

جواب: خواتین وحضرات! یہ ایک سیاسی سوال ہے اور میں انہیں کے گھر میں مہمان بھی ہوں مگر سچ تو بولنا ہے اور ہر حال میں بولنا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ تاریخ کے طالب علموں کو علم ہے' بالاکوٹ کا معرکہ گواہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ علماء کو حکومت ملی تھی۔ انہوں نے پشاور فتح کیا تھا اور مولوی حضرات کی حکومت قائم ہوئی تھی۔

اتفاق دیکھیے کہ جونہی یہ غیر تکنیکی حکومت قائم ہوئی' پان بند' سگریٹ بند' رسم و رواج بند' پاؤں کے ٹخنے ننگے' سروں کی مشقتیں' بالوں کے کاٹنے کی سزا اور اس قسم کی بے شمار حرکات انہوں نے کیں۔ خواتین وحضرات! حکومتیں یہ کام اس وقت کرتی ہیں جب لوگوں کے مسائل حل کر لیتی ہیں۔ مسلمانوں نے مناسب انداز سے ایسی نادان مسلمان حکومت کے مقابلے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کو چنا اور ہری سنگھ نلوا کا ساتھ دیا۔ اگر آج ان علماء کی حکومت ہے تو ان کو تاریخ کا علم ہونا چاہیے کہ بالاکوٹ بڑا قریب ہے اور یہ مسلمان غدار نہیں تھے' ان کو غدار کہنا آسان ہے مگر جو اتنی غلط پالیسی بنائے گا کہ آزاد لوگوں کی زندگی تنگ کرے گا تو لوگ اسی طرح کریں گے جس طرح اس علاقے کے لوگوں نے پہلے کیا تھا۔ مگر اب کی بار بات کچھ ایسے ہے کہ تعلیم بہت آگے بڑھ گئی ہے اور میری آپ سے پیشگی درخواست ہوگی کہ اگر ان سے احمقانہ لغزشوں کا ارتکاب ہو۔ آپ خلوصِ دل سے بحیثیت مسلمان معاف کیجیے گا اور ان کو اتنا موقع ضرور دیں کہ شاید یہ بہتر عقل و معرفت سے زندگی کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوں۔

اسلام فہم وفراست مانگتا ہے۔ بائیس سال قرآن اترتا رہا' بائیس سال لوگوں کی اخلاقی تربیت ہوتی رہی۔ بائیس سال سرورِ کائنات ﷺ خدا کی طرف سے لوگوں کے اعمال کے نگران رہے اور ان بدتمیز ترین لوگوں کو اصحاب رسول ﷺ میں بدلا مگر بائیس سال کی تعلیم وتربیت میں آپ ایک واقعہ نہیں بتا سکتے کہ اس استادِ محترم نے کسی کو کوسنا دیا ہو' چھڑی لے کے کسی کو پیٹا ہو۔ اللہ نے شراب منع کی مگر تین منازل میں۔ سود منع کیا مگر خطبہ الوداع والے دن۔ تو ان چیزوں کے لیے انسان کی تیاری بڑی لازم ہے۔ ایم۔ ایم۔ اے کا کوئی ہوم ورک نہیں۔ ہوم ورک کے بغیر حکومتیں بے ترتیبی اور بے اعتباری کا شکار ہو جاتی ہیں۔

وسیلہ کی اہمیت

سوال: ایک طرف تو آپ اللہ سے براہِ راست رابطے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ وسیلے کو بھی درست سمجھتے ہیں' یہ تضاد کیوں ہے؟

جواب: تضاد اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے کبھی اپنے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اپنے سے جدا ہی نہیں کیا۔ اس لیے میں کیسے جدا کر سکتا ہوں۔ لوگ اسے بڑا عجیب وغریب سمجھتے ہیں مگر میرے لیے خدا اور رسول اللہ ﷺ میں صرف ایک فرق ہے کہ اگر میں کسی سے پوچھوں کہ اللہ کتنے ہیں اور مجھے کہے ایک اور خالق اور عطا کرنے والا کون ہے اور وہ کہے اللہ۔ تو میں چاہتا ہوں کہ بعد کی ساری عزتیں محمد رسول اللہ ﷺ کو جائیں۔

میں غالب کا ایک شعر سناتا ہوں۔ ویسے تو بڑے بڑے الٹے سیدھے شعر اس نے کہے ہیں مگر ایک شعر نعت رسول اللہ ﷺ میں لکھا کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ہم میں نہیں۔ آپ میں نہیں بلکہ انسان کے تصور میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو کتنے محترم ہیں۔

کسی شخص نے کہا تھا کہ آج تک نفس کے فریب کتنے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مقامات کتنے ہیں، مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ ایک عام سا اندازہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ قرآن کے الفاظ پر آپ ذرا غور کیجیے گا اور پھر مجھے بتائیے گا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہے اور آپ کے نزدیک کیا مقام ہے۔

ذرا تین آیات پر غور کیجیے کہ مخلوقاتِ عالم کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے ایک معاہدہ لکھا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (۶ (الانعام): ۵۴) کہ میں نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا۔ پھر اپنے آپ کو فرمایا الحمد للّٰہ رب العلمین (۱ (الفاتحہ): ۲) کہ میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں اور جب تمام جہانوں کا ذکر فرمایا تو قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ تمام عالم کو پالنے سے پہلے میں نے ایک چیز لازم قرار دی کہ میں ان پر رحمت فرماؤں اور ساری کائنات کی رحمت سمیٹ کر اس نے فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (۲۱ (الانبیاء): ۱۰۷) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف نہ کی وہ اصلی اور نسلی بخیل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حق ادائیگی نعت شکر نہیں ہوسکتا۔ فرمایا کہ تم لوگ جہنم کے گڑھوں پر کھڑے تھے میرا یہ حال ہے کہ تمہیں کمر سے کھینچ کے پیچھے لا رہا ہوں۔ تم آگ میں جلدی گرنے کی کر رہے ہو، میں تمہیں مشکلوں سے گھسیٹ کے پیچھے لا رہا ہوں۔

خواتین و حضرات! اللہ کو تو آپ نے کم دیکھا ہے مگر جو شخص آپ کے لیے اتنا جاں سپار ہے، قیامت میں بھی اس کی زبان پر امت کے علاوہ کوئی فریاد ہی نہیں ہے۔ اس سے آپ کیا محبت کر سکو گے۔ اب آپ دیکھیے حدیث رسول ﷺ۔ یہ مستند ترین حدیث ہے۔ اس کے صرف دو حصے آپ کو سنا رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے واسطے دوستی کی اور اللہ کے واسطے دشمنی کی، اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ جس نے اپنی جان و مال و اولاد و تمام اسباب سے بڑھ کر مجھے چاہا۔ آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کتنا چاہ لیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو ان لوگوں نے چاہا کہ جن کے بارے میں حسان بن ثابتؓ دربارِ رسالت ﷺ میں یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ آقا و رسول ﷺ آپ کی کیا صفات عالیہ بیان کروں۔ محبت رسول ﷺ میں میں کیا کلام کہوں۔ سوائے اس ایک جملے کے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ نے اسی طرح بنا دیا جس طرح آپ نے خواہش کی۔ وہ یہ شعر پڑھ کے ہٹے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے، فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آسمان والے بھی حسانؓ کے اس شعر کی داد دے رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! اللہ اپنے ساتھ بڑی گستاخیاں معاف کرتا ہے۔ ایسی بلندی ایسی پستی! کہاں وہ کہاں ہم۔ بیچ میں چونکہ فاصلہ بہت بڑا ہے، اس فاصلے میں آپ سانس لے سکتے ہو۔ آپ کو پتہ ہے بہت اونچا ہے، پروا نہیں کرے گا۔ سو آپ نے کوسنے دیے، طعنے دیے۔ آپ نے اللہ کو عورتوں کی طرح بھی پکارا۔ مردوں کی طرح بھی پکارا، چھوڑو جی دیکھ لیا ہے، بڑا آزما لیا ہے۔ اللہ بھی کسی کا نہیں بنتا۔ اللہ بھی ہم غریبوں کو مار رہا ہے۔ اللہ ستار رہتا ہے۔ اسے مطلق پروا

نہیں۔ اس کی عظمت آپ کی یہ خطائیں درگزر کر دے گی مگر

Never in front of Prophet ﷺ of Islam.

شعر: با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

گستاخِ رسول ﷺ کی سزا رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی۔ آپ ﷺ تو اتنے مہربان اور اتنے کریم ہیں کہ بدترین دشمنوں کو معاف کرتے ہیں مگر اللہ اپنے دوست کی صفات پر خراش بھی برداشت نہیں کرتا۔ یہ سزائے قتل جو توہینِ رسالت ﷺ پر آئی ہے خدا نے دی ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دو۔ اس لیے کہ محبوبِ کائنات ہے۔ ہم اور آپ لوگ زیادہ قریب کے نہیں ہیں:

؎ ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

خدا سے پہلے کیا تھا؟

سوال: ایک دوست پوچھنا چاہتے ہیں کہ خدا سے پہلے کیا تھا؟

جواب: خواتین و حضرات! اس سے پہلے کہ میں اس کا جواب دوں آپ کو اس کے خطرات سے آگاہ کر دوں۔ ایک مرتبہ علمیہ پہ جا کے شاید آپ اسی سوال پر غور کرتے ہیں۔ اسلام ایک مابعد الطبیعیاتی دین ہے اور اس کے ایک مقام میں یہ بحث ضرور آئے گی۔ اسلام ہے اللہ ہے کائنات ہے اور پھر اس کے بڑے بڑے وہ مظاہر جو ہمارے اور آپ کے علم میں نہیں ہوں گے لیکن اگر آپ مسلسل مطالعہ کرتے رہیں اور کائنات کی توجیہہ فرماتے رہیں اور اس کے علوم کی شناخت کرتے رہیں تو آپ کو اس سوال کا جواب مل جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سوال کریں گے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے کس کو پیدا کیا حتیٰ کہ آخر میں سوال کریں گے اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ مگر آپ ایک تو گرامر کے اعتبار سے بڑے غلط ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے تھا۔ تو ظاہر ہے کہ اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ خدا سے پہلے کیا تھا۔ یہ گرامر کی رو سے اور معنوی طور پر غلط ہے کیونکہ آپ اللہ اسی کو کہیں گے جو سب سے پہلے تھا اور اگر اللہ سے پہلے کوئی تھا تو وہ اللہ ہوگا۔ یہ اللہ نہیں ہے۔ یہ فقرہ ہی غلط ہے اس کی حرفی ساخت ہی غلط ہے۔ اللہ کہتے ہی اول کو ہیں۔ اللہ کہتے ہی آخر کو ہیں، اللہ کہتے ہی ظاہر کو ہیں، اللہ کہتے ہی باطن کو ہیں۔ جو یہ سوال کرتے ہیں ان صاحب کو ضرور گرامر پڑھنی چاہیے۔

ہوپکنز سمجھدار دانشور تھا اور کونیات (Cosmology) میں بڑا معتبر نام ہے۔ وہ کائنات کی توجیہہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ Events of Universe are determined ایک چیز جو کائنات کے مطالعے سے پتہ چلتی ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ خدا Big Bang سے ایک لمحہ پہلے کیا کر رہا تھا تو میں تمام وضاحت کر دوں۔ اگر اس نے حدیث اور قرآن بغور پڑھا ہوتا تو قسم ہے پروردگار کی کہ آج سے پندرہ سو سال پہلے ہوپکنز مسلمان ہوتا۔ یہ غفلتِ علوم اور غفلتِ

مذہب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ دنیا بنانے سے پہلے کیا کر رہے تھے؟ فرمایا اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ آئیے ذرا اس کے مدارج دیکھیے کہ اللہ کیا فرماتا ہے۔ اللہ اس وقت پانی سے تخلیقاتِ زندگی فرما رہے تھے۔ آپ قرآن کی دوسری آیت کو اس کے ساتھ ملائیے کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی دنیا نہیں بنی تھی۔ ابھی یہ کرہ ارض چھ بلین سال کی یہ کائنات اور چار بلین سالوں کی یہ دنیا ابھی سورج سے جدا ہو کر قرار پکڑ رہی تھی۔ آپ کو یاد ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے کہ ایک دن اور دو دن اور دو اور دن یہ ہوئے چھ دن کائنات کی عمر چھ بلین سال ہے اور ایک بلین سال ایک دن کے برابر ہے

تو اللہ نے فرمایا کہ دو دن لگائے میں نے زمین کو بنانے میں یعنی سورج سے علیحدہ کر کے اسے ٹھنڈا کرنے میں اور دو دن لگائے اس میں اشیائے ضرورت انسان رکھنے میں۔ یہ ہوئے چار دن اور اس کے بعد ثم استوی الی السمآء فسوھن سبع سمٰوٰت (۲ (البقرہ): ۲۹) ہم بلند ہوئے آسمانوں کو اور سات آسمان تخلیق کیے۔ یہ ہوئے چھ اور دن۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ وقت کا پیمانہ بدل جاتا ہے انسان پر اور ہے تخلیق پر اور ہے کائنات میں اور ہے کہیں بے حساب ہے اور کہیں حساب والا ہے۔

کائنات کی تخلیق سے پہلے پروردگار بادلوں میں تھے۔ اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ ''عما'' میں تھے یعنی اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اے حضرت انسان خوش نہ ہونا' اللہ آپ کو بنانے کے بعد تھکا نہیں تھا۔ آپ اکیلے نہیں ہیں۔ اس کائنات میں سات زمینیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زمینیں زندہ ہیں کہ مردہ ہیں؟ تو فرمایا اللّٰہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن ط یتنزل الامر بینھن لتعلمو ان اللہ علی کل شیء قدیر (۶۵ (الطلاق): ۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اسی کی طرح کی زمینیں بنائیں اور ان میں میرا حکم چلتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لیے بتائی ہے کہ تم اکیسویں صدی تک پہنچو گے' بائیسویں صدی تک پہنچو گے۔ تم میں بڑے بڑے دعویدار' ڈاکٹر ہو' افتخار اور ہو بلز جیسے پیدا ہوں گے۔ یہ بات میں پندرہ سو برس پہلے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو تم زمین کو اکیلی سمجھو گے۔ ہم نے سات زمینیں تخلیق کی ہیں۔ تم کائنات کو ایک سمجھو گے۔ ہم نے سات کائناتیں پیدا کی ہیں تاکہ تم جان سکو کہ وہ چھوٹی قدرت والا نہیں۔ تم چھوٹی مچھلی کی طرح وہیل کو اللہ نہ ماننا۔ وہ بے حساب قدرتوں والا ہے۔ ولو انما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من' بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمٰت اللّٰہ ط ان اللہ عزیز حکیم (۳۱ (لقمان): ۲۷) اگر دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام اشجارِ زمین بھی کلک گوہر ین بن جائیں تو تمہارے رب کی باتیں پوری نہ ہوں۔ سو اللہ پر سوال کرنے سے پہلے اپنے دامن کے چھوٹے پن پر نظر رکھنی چاہیے۔

حروفِ مقطعات

سوال: قرآن کریم کے حروف مقطعات پر کسی نے بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی اور نہ صاف بات کی ہے۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں؟

جواب: خواتین وحضرات! اسرار خداوند ہیں۔ قرآن کی تفسیر اور تلاش وتربیت کے مراحل سے گزرتے

ہوئے اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں ان پر غور کرتا۔ میں آپ کو اس کے اصول بتا دیتا ہوں۔ اللہ آپ کو توفیق دے اور آپ جاننے کی کوشش کریں مگر اس کے لیے بڑی محنت اور بڑا خلوص چاہیے۔

اللہ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے کچھ بنیادی Categories بنائیں۔ یہ بنیادی Categories اسی طرح کی ہیں جیسے ایک بہت بڑی لائبریری میں آپ نے کسی کتاب تک پہنچنا ہو تو اس کی تقسیم الف بائی ہوگی اور اگر آپ کے مصنف کا نام "اے" سے شروع ہوتا ہے تو آپ بجائے ساری لائبریری میں بھٹکنے کے سیدھے "اے" کی کیٹیگری میں چلے جائیں گے۔ اب آپ کو نظر آ رہا ہے کہ "اے" تک تو میں پہنچ گیا۔ آپ کی اصل تلاش آسان ہو گئی۔ اس کے بعد آپ کی جزیاتی تلاش ہوتی ہے۔ اب "اے" کے ساتھ شروع ہونے والا "ڈبلیو" پر ختم ہو رہا ہے یا "این" پر یا "ایم" پر تو آپ ڈھونڈو گے کہ "اے" کہاں تک جا رہی ہے۔ فرض کرو کہ "الف" کی کیٹیگری میں "ل" اور "م" ہے تو آپ کو سوچنا پڑے گا کہ یہ "الف" میں "ل" اور "م" کیسے شامل ہے تو اگر آپ آغازِ کائنات دیکھو تو آپ کا یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ پہلے صرف اللہ تھا، پھر صرف محمد ﷺ یعنی مقصدِ کائنات محمد ﷺ تھے۔ اللہ نے اپنی شناخت کے لیے جس فردِ واحد کی تخلیق چاہی اور جو بنیادی اسکیم بنائی وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ پھر پوری تخلیق کو جس کتاب میں سمیٹا وہ لوحِ محفوظ تھی۔ تو آپ کو سمجھ آ رہا ہے کہ "الف۔ لام" کی بنیادی کیٹیگری کہاں سے شروع ہوئی یعنی پہلے اللہ پھر لوحِ محفوظ پھر محمد رسول اللہ ﷺ۔ تو آپ دیکھیں گے کہ "الف۔ لام" سے آگے چلتا ہوا جب اس میں رسالت ﷺ شامل کی گئی تو "الف، ل، م، ر" بھی آ گیا۔ پیغام کی سہولت بھی آ گئی تو تمام حروفِ مقطعات

is the knowledge of the basic categories.

ایک اشارہ حضرت ابن عباسؓ سے ملتا ہے کہ اللہ کے اسرار ہیں۔ حروفِ مقطعات میں۔ صفاتِ الٰہیہ اتریں اور تخلیق کاری شروع ہوئی۔ اور اگر آپ وضاحت سے نوٹ کریں گے تو یہ بھی اسی بنیادی کیٹیگریز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

ایک اور اشارہ اہلِ بیت کی مستند حدیث سے ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ علیؓ! یہ کیا سبب ہے کہ کچھ لوگ نیک نہیں ہوتے مگر ہمارے دل ان کی طرف کھنچتے ہیں اور کچھ لوگ بڑے نیک ہوتے ہیں مگر دل ان کی طرف نہیں کھنچتے۔ یہ کیا اسرار ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ امیر المومنین! یہ سوال مجھے بھی بڑا تنگ کیا کرتا تھا تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ارواح کی جنود[1] پیدا کیں تو کچھ سے کچھ کی محبتیں ٹھہرا دیں اور کچھ سے کچھ کی عداوتیں ٹھہرا دیں۔ تو جب وہ زمین پر آتے ہیں تو محبتیں اسی طرح کام کرتی ہیں اور عداوتیں بھی اسی طرح کام کرتی ہیں۔

لیکن اگر آپ نے دیکھنا ہو کہ محبتیں اور عداوتیں کن میں ہیں تو آپ حروفِ مقطعات دیکھ لیں۔ یہ انس، محبت اور تنافر[2] کی کیٹیگری ہیں۔ چونکہ تمام کام اسمائے الٰہیہ کی سرکردگی میں ہوتے ہیں تو جب اسماء کی ایک کھیپ بلند ہوتی ہے تو دوسری کھیپ اس کی مخالفت میں نیچے ہوتی ہے۔ اس کو تنازعِ اسماء کہتے ہیں۔ اور جب ایک فردِ واحد بلند ہوتا ہے تو اس کے

---

(1) جند کی جمع (لشکر، فوجیں) (2) نفرت

قرب وجوار کے دوسرے اسماء اس کا ساتھ دیتے ہیں تو پھر اس کو محبت اسماء اور موافقت اسماء کہتے ہیں۔

[1] چونکہ میں خود قرابت داری کے موضوع پر غور کر رہا تھا' مجھے ایک بڑی مضبوط سند مل گئی۔ میں نے وہ پورے پراسس کرنے شروع کر دیے۔ جیسے سولہ+ سولہ= بتیس مہروں کی چالیں ایک ارب سے زیادہ ہیں۔ جب آپ ایک بنیادی حرف کی **کیٹیگری** ختم کر لیتے ہیں تو اس کے جو امتزاج شروع ہوتے ہیں' وہ بے پناہ مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔ بطور مثال اسم احمد ہی کو لیجیے۔ اب اسم احمد میں چار حروف ہیں' جو علیحدہ علیحدہ حیثیت میں کمبائن ہو رہے ہیں۔ ''ح' میم'' بیچ میں آ گئے۔ ''الف'' ادھر اور ''دال'' ادھر آ گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں بڑے اور موثر حروف ہیں۔ ''الف'' میں طاقت کا نشہ ہے۔ یہ حرف ہر حال میں مغلوبیت کے خلاف ہے۔ وہ اختیارات کو اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہے' اس لیے بخیل ہے۔ ''الف'' کی بنیادی نشانی یہی ہے کہ یہ دو چیزوں' اختیارات اور بخل کے لیے منضبط ہے۔ یہ نہ تو آسانی سے دیتا ہے اور نہ آسانی سے چھوڑتا ہی ہے۔

آگے آ گئی ''ح''۔ ''ح'' کو دیکھا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ تو پوری حیات ہے۔ ابتدا ہی ''ح میم'' سے ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء' آیت ۳۰) اس میں ''ح میم'' کا تذکرہ ہوا ہے۔ ''ما'' کی ''میم'' اور ''ح'' حیات کی' یہ پہلی ''ح م'' تھی جو اللہ نے پیدا کی یعنی پانی سے حیات شروع کی۔

اب ان کی صفات کہ ''ما'' ساکن ہے جبکہ ''ح'' حرکت والی ہے۔ جب دوسری ''ح میم'' پیدا کی تو آپ دیکھیں گے کہ ہر وہ چیز' جو ''ما'' میں حرکت کرتی ہے' یہ دوسری زندگی ہے۔ پہلی طرز زندگی میں ایک چیز پائی جاتی ہے۔ وہ حرکت اور اشتعال ہے۔ جس چیز میں ''ح'' یا ''خ'' ہوگی' اس میں یہ بنیادی صفت پائی جائے گی کیونکہ وہ حیات ہے۔ اسے چین نہیں آ سکتا۔ اپنے اندر بہترین ڈسپلن کے ساتھ وہ اسے متحرک رکھے گی۔

آگے ''میم'' آ گیا۔ ''میم'' متفکر ہے۔ ''میم'' بھی دو ہیں۔ بعض اوقات یہ رنگ میں چلا جاتا ہے۔ ایک ''میم'' ماء البحر ہے۔ ایک ''میم'' ماء دریا ہے۔ صاف ستھرا پانی اچھلتا ہوا' زندگی کو سیراب کرتا اور آنکھوں کو بھلا لگتا ہوا۔ یہ صاف رنگ والی ''میم'' ہے۔ دوسری ما جسے ماء البحر کہتے ہیں' سمندر کی ''میم'' ہے۔ یہ تاریک' متفکر' وسیع' انتہائی گہری آسائشوں کا مرکز' بہت گہرے پردوں کے اندر اور اس میں بے پناہ وسعتیں چھپی ہوئی ہیں۔ جب آپ ''میم'' کا رنگ سانولا اور اس میں رنگ پائیں گے تو وہ حرکت ہوگی۔ ایک ''میم'' باہر کی طرف اور دوسری اندر کی طرف رجوع رکھتی ہے۔

اب دو انتہائی مشتعل لفظوں ''الف'' اور ''ح'' میں موجود تیسری ''میم'' ہے' وہ رنگ پر جائے گی۔ اگر ''میم'' کا رنگ گندمی یا سیاہ ہے تو یہ دبی ہوئی ہوگی۔ دبا ہوا اثر پہلے دو مشتعل اثرات کو کنٹرول کرتا ہے۔ آگے آ گئی دال' جو سختی' وجود کے بوجھل پن' بے پناہ تقویٰ اور شدت غضب کی ہے۔ اب ان تینوں چیزوں میں ''الف'' کنٹرول کر رہا ہے۔ ''ح'' کنٹرول کر رہی ہے۔ ''میم'' دبی ہوئی ہے۔ ''دال'' دوبارہ غصہ دلاتی ہے تو یہ اسم احمد انتہا درجے کی کارکردگی کو جائے گا مگر اس کے ساتھ ایک انتہا درجہ والے غصے کی حساسیت کی وجہ سے تلخی اور بے چینی کا شکار بھی ہوگا۔ محقق ہوگا' مگر بیمار ہوگا۔

---

(1) جواب کا یہ حصہ ''اٹھتے ہیں حجاب آخر'' سے لیا گیا ہے۔

اگر آپ کے نام ان میں سے ہیں تو آپ اپنی فطرت کو بڑی آسانی سے جان سکتے ہیں۔ یہ جو تمام خصائص میں نے بیان کیے ہیں' ان میں کوئی گیس ورک نہیں۔ غلطی کا کوئی چانس نہیں۔ غلطی صرف استاد کرتا ہے' علم نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! نماز کا وقت قریب ہے۔ اس سے زیادہ شاید میں اس کی وضاحت بھی نہ کر سکوں۔ سوچنے سمجھنے والے کے لیے اس میں بے حد و حساب اشارات ہیں۔ میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق بخشی اور آپ کو بھی کہ ہم نے مل بیٹھ کر داستانِ محبت رقم کی' ورنہ اس خلوص سے اتنی گرمی میں سننا عمل محال ہے۔ تو جو پسینہ آپ کے بدن سے گرا' میں اس کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کے کام آئے اور آپ کے امراض کی شفا ہو۔

تصوّف، آج اور کل

☆ لیکچر

سوالات وجوابات

☆ تصوف کا شریعت سے واسطہ

☆ دنیا میں بھیجنے کی وجہ

☆ اسلام میں پردے کا حکم

☆ قرآن اور سائنس

☆ ہمارا حال برا کیوں ہے؟

☆ شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی

☆ مصروف دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اول

☆ دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے، جنت میں انہیں کی ترغیب

☆ خداشناس صوفی یا ولی کیسے پہچانا جائے؟

☆ عالم دین کا انداز

☆ اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟

☆ کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

☆ جہاد

☆ تفسیرِ قرآن

☆ غیبت

☆ مہدی اور دجال

☆ تصویر کشی

☆ یہ لیکچر 25 مئی 2003ء الحمرا ہال نمبر 1 مال روڈ لاہور میں ہوا۔

تصوف' آج اور کل

''وقت کیا چیز ہے
اک لمحہ فکر
ایک زندانِ تخیل جس میں
ذہنِ انسانی ہے محبوس ازل سے ایسے
جس طرح گنبدِ بے در میں کوئی
چیختا چلاتا پھرے تا بابد
کوئی دروازہ' دریچہ نہ کہیں روزن ہے
عقلِ عیار کی مشعل لیے کوئی عمرو(1)
آج تک پہنچا' نہ پہنچے گا کبھی
یہ طلسمات نہ ٹوٹے گا کبھی''

زمان و مکاں کے وہ تصورات جو اس وقت اور اس ماحول میں اور اس زمین و آسمان پہ محیط ہیں' تمام کے تمام ایک بنیادی اساس رکھتے ہیں' چاہے وہ کسی سیکولر فلاسفی سے پیدا ہوں یا کسی گمراہ سوسائٹی کی پیداوار ہوں۔ ان سب کا خیال یہ ہے کہ وقت ہمیں زندہ رکھتا ہے اور وقت ہمیں مارتا ہے۔ بھلا ایسا بھی کوئی وقت ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی مسئلہ خدا کی پہچان میں' اس کو جاننے میں تمام صدیوں میں درپیش رہا کہ ایک تو وہ اکیڈمک لوگ تھے جن کے نام بڑے اونچے' جن کے رتبے بڑے بلند' جن کی تعلیمات دوسروں کی تہذیب کا معیار تھیں' مگر ان کے پاس کوئی ایسا خصوصی تجربہ نہیں تھا جیسا کہ ہم Diogenes اور اسکندرِ اعظم کے درمیان مکالمے میں دیکھتے ہیں۔ Zeno, The Stoic of Ilia میں دیکھتے ہیں' تاس ایکویناس میں دیکھتے ہیں سینٹ آگسٹائن میں دیکھتے ہیں اور یونان کے پلیٹی نس GREECE میں دیکھتے ہیں۔ یہ ایک ساخت تھی انسانوں کی' جو فکری اور ذہنی طور پہ جدا ہوتی گئی اور ان کے مقاصد کچھ علیحدہ ہو گئے۔ ان کا خیال کچھ اور ہو گیا مگر بدقسمتی سے یہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ کبھی آج تک اکیڈمک فلسفی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ خدا ہے کہ محض تصورِ خدا ہے۔

---

(1) طلسم ہوشربا کا مشہور عیار کردار

خواتین وحضرات! سب سے بڑی آفت جو انسانی ذہن پر پڑی اور آج تک پڑ رہی ہے اور شیشہ گران مغرب نے اپنی فسوں کاری سے اعداد و شمار کا ایسا طلسم آئینہ بند تخلیق کیا کہ ہر مفکر، ہر مفسر، ہر دانشور، ہر ادیب اور ہر سوچنے سمجھنے والا ان اعداد و شمار میں جب کسی خدا کو نہیں پاتا تو اس بات کی تسلی کر لیتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے۔ خدا محض ایک خیال ہے۔ اگرچہ آج سے بہت پہلے والٹیئر نے کہا کہ خدا نہ ہوتا تو خدا کا تصور بھی نہ ہوتا۔ یعنی اگر اس کا تصور موجود ہے تو خدا موجود ہے۔ اور انسان وہ بدتہذیب جانور ہے کہ اپنے تخیل میں وہ سوچیں بھی پال لیتا ہے جو کبھی موجود نہ تھیں۔ مگر خواتین و حضرات! اگر ان سارے کمالات میں خواہ ہیگل کے ہوں کارل مارکس کے ہوں تو ایک بات بڑی واضح نظر آتی ہے کہ وہ کسی عملی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

ان کے ہاں خدا موجود نہیں۔ اگر یہ چند سپیشلسٹ موجود نہ ہوتے، جنید بغدادیؒ نہ ہوتے۔ کوئی بایزید بسطامیؒ نہ ہوتے۔ کوئی بغداد کے عبدالقادرؒ جیلانی نہ ہوتے اور ہجویر کے علی بن عثمان المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ نہ ہوتے تو لوگوں کے پاس ایسی کوئی شہادتیں موجود نہ تھیں۔

پیغمبر عالی مقام ﷺ نے اپنے اذہان کی بلندیوں پر جس حقیقت کا عرفان حاصل کیا اور جو حقیقت انہوں نے آپ تک پہنچانا چاہی بدقسمتی سے تمام لوگ اس معیار عقل کے نہیں تھے۔ تمام لوگ ان ذہانتوں کے مالک نہیں تھے۔ پیغمبر اپنے زمانے کا ذہین ترین شخص ہوتا ہے اور اگر وہ ذہین ترین شخص نہ ہو تو کہیں رستے میں الجھتے ہوئے ذہانتوں کے جھوٹ میں لپٹے ہوئے بڑے بڑے منافقین عقل اُن کو طعنہ دے سکتے تھے کہ یہ کم عقل لوگ ہم ذہین لوگوں کو کون سی خدائی کا سبق پڑھا رہے ہیں مگر آپ کتاب رسالت کو دیکھیں، کتاب موجود اور ما موجود کو دیکھیں تو ایک حیرت کی بات جو آپ کو نظر آئے گی کہ یہ تو طعنہ دیا گیا کہ پیغمبروں کا خاندان اچھا نہیں تھا، یہ تو طعنہ دیا گیا کہ یہ نعمت علم و عقل ان بھک منگوں کو ہی دینی تھی، مگر یہ طعنہ نہیں دیا گیا کہ کسی پیغمبر کی ذہنی سطح اُس کی امت سے کم ہے۔ لامحالہ جب ہم ایسے مقام تک پہنچتے ہیں کہ پیغمبری اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے اور لوح محفوظ سے اترا ہوا کلام خاتمے کو پہنچ رہا ہے تو جس پیغمبر نے آنا تھا تو اُس کے بارے میں ایک بات تو یقینی ہونی چاہیے کہ اُس کا علم، اُس کا فضل، اُس کی دانش ہر زمانے سے بلند و بالا اور ہر زمانے سے بہتر اور کسی بھی معقول سے آگے معقول اور کسی بھی منقول سے بہتر منقول کی مالک ہو۔

خواتین وحضرات! سب سے بڑی خطا اس وقت واقع ہوتی ہے جب ذہن ایسے سوال اٹھاتا ہے جس کو حل کرنے کی اُس میں استطاعت نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے اللہ، خدا، رب کائنات، پروردگار عالم ایک ایسی ہستی مبارکہ تھی کہ جو انسان کے اعداد و شمار کی گرفت میں نہیں آتی۔ چونکہ یہ گرفت میں نہیں آتی تو دیکھیے آج تک کوئی ایسا بڑا فلاسفر نہیں گزرا کہ جس نے خدا کا انکار کیا ہو، کوئی بھی ایسا نہیں گزرا۔ انہوں نے صرف یہ کہا کہ ہمارے اندازے میں، ہمارے بیان میں، ہمارے سائنسی تجسس میں، ہماری روشن خیالی میں جو چیز معقول نہیں ہے، ہم اس کو نہیں مان سکتے۔ انہوں نے عذر پیش کیا، انکار نہیں کیا اور میرا خیال یہ ہے کہ بہت ہی کم درجے کے عقل والے لوگوں نے صرف شاید ذاتی تکبرات میں خدا کا انکار کیا۔ اور غور تو کیجیے کس نے کیا۔ نمرود نے کیا، فرعون نے کیا، وہ تمام لوگ جن کی قوت و استعداد عقلی نہیں، جسمانی تھی۔ جنہوں نے اعداد و شمار کی برتری پر بنیاد رکھتے ہوئے خدا کا انکار کیا مگر ذہانتوں کے مالک ان دانشوروں نے اللہ کا انکار نہیں کیا۔ کچھ

لوگوں نے یہ ضرور کہا کہ ہم ایسے خدا کو نہیں مان سکتے جو ہماری بحث و تمحیص کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ جو ہمارے تجسس اور انکوائری کا سامنا نہیں کرتا۔ مگر کیا یہ واقعی صحیح بات تھی' کیا خدا کے بارے میں کوئی دلیل نہ تھی' کیا خدا کا وجود اور اس کی موجودگی اتنی بالائے عقل تھی' بالائے شعور تھی تو مجھے یہ بتایئے کہ وہ جو قرآن میں' جو کتابِ اول میں' صحائف موسیٰؑ و ابراہیمؑ میں جو نغمات سلیمانؑ میں بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ اہل عقل و شعور ہی مجھے پہچان سکتے ہیں۔ مگر خواتین و حضرات! ایک بدقسمتی جو تمام سوچنے والوں کے ساتھ تھی اب بھی آپ اگر یورپ کے تمام بڑے مفکر دیکھیں تو ان میں ایک بڑی عجیب بات آپ کو نظر آئے گی کہ وہ خدا کے قائل اس لیے نہیں ہیں کہ خدا ہے۔ وہ تمام کی وجہ سے مروتاً خدا کے قائل ہیں۔ وہ تمام کے تمام تصورِ خدا کو سوسائٹی کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ کانٹ نے کہہ دیا کہ اللہ نہ بھی ہوتا تو ضرورتِ انسان تھا' ہم خود تخلیق کر لیتے۔

کسی نے کہا کہ اس معاشرے میں کرب و بلا اتنا ہے' اتنے ظلم و ستم ہیں' اتنی پسماندگی ہے' اتنی ذلتیں ہیں کہ اگر خدا کا تصور بھی نہ ہوا اور خدا نہ ہو تو شاید انسانوں کی بلائیں ان کی حد و حساب سے آگے بڑھ جائیں۔ کئی لوگوں نے کہا کہ یہی تو وجہ ہے کہ یہ اس تصور کی بلا ہے کہ اس نے انسانوں سے جد و جہد چھین لی۔ خواتین و حضرات! پھر خدا کہاں تھا' خدا کون ہے' خدا کیسے انسانی پس منظر میں ایک آسیب کی طرح نکلتا چلا آ رہا ہے۔ کیا یہ جائز سوال نہ بنتا تھا کہ ہم اپنے آپ سے پوچھتے کہ میں کسی ایسے واہمہ پر کتنی دیر تک یقین کر سکتا ہوں اور جب کسی پیغمبر کے واقعات پیش ہوئے۔ جب معجزات کا ذکر ہوا' جب کرامات الاولیاء کی بات ہوئی تو نفسیات دانوں نے بڑی آسانی سے کسی کو نفسیاتی مریض (Psychopath) قرار دیا۔ کسی کو پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کا تصور قرار دیا۔ کسی نے اس کو جنونی افسردگی (Maniac Depression) کہہ دیا۔ پروفیسر میکڈوگل نے کہا کہ محمد ﷺ لگتا تو ہے کہ نفسیاتی مریض تھے (نعوذ باللہ)۔ ان کا انداز' ان کی زندگی' ان کے اعداد و شمار ان کی میٹرکس یہی تھی مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ اگر ایک چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھنے کے لیے ایک ذہنی معیار کی ضرورت ہے' ایف۔ اے کی کتاب پڑھنے کے لیے بھی میٹرک پاس ہونا ضرور تھا تو جس کتاب کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جس انفارمیشن کو آپ چیک کرنا چاہتے ہیں جو خدا کے بارے میں واحد انفارمیشن ہے' آخر اس کتاب کا بھی تو کوئی معیار ہوگا۔ اگر ایم۔ ایس۔ سی کی کتاب میٹرک کے طالب علم کو دے دی جائے تو نتائج کچھ زیادہ خوشگوار نہیں نکلیں گے۔ اب دیکھیے خدا نے عیسائیت کو تو قبول کیا۔ لیکن کتاب عیسیٰؑ کو نہیں۔ موسیٰؑ کو قبول کیا' تورات کو نہیں۔ زمانہ جب اپنے مقامِ آخر تک پہنچا تو اس نے بالکل کھلے انداز سے اعلان کر دیا کہ اب اگر آپ نے مجھے جستجو و تحقیق کے پہلوؤں میں جانچنا پرکھنا ہے' اب اگر تم نے میرے لیے دلیل ڈھونڈنی ہے تو پھر اس کتاب کو دیکھنا جو میں نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ جو قرآن ہے' اور اس کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ اور آپ سوچیے کہ کون سی ایسی کتاب ہے جو پندرہ سو برس سے مسلسل پڑھی جائے اور اس میں تحریف بھی نہ ہو۔ خیال کی تحریف نہ ہو اور اس کے وجود میں انحراف نہ ہو۔ بہر حال ہم اس دلیل کو اس لیے بھی نہیں مانتے کہ بہت سارے لوگ اس کے وجود سے ہی انکار کر دیں اور قرآن کو کتاب اللہ ماننے سے انکار کر دیں۔

مگر خواتین و حضرات! مذہب سے نجات کتنی ضروری ہے۔ اپنی اس حالت میں اپنے اس خیال میں ہم خدا کو

جواب وہ نہیں دیں مگر خدا بہر حال ہمارے پس منظر میں ایک بچت کی محفوظ راہ تو ہے کہیں نہ کہیں تو ہم بچ کے اُس کی طرف تکتے ہیں۔ ہم اپنی مایوسیوں میں، اداسیوں میں اُن مراحل میں جب ہمیں کوئی طاقت سہارا نہیں دے رہی ہوتی تو ہم اپنے Vodoo[1] پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتے ہیں۔ یہ اساطیر الاولین میں سے جو خدا نکلتا چلا آتا ہے جو ہر معاشرتی طبقات سے جو امراء و روساء و غرباء سے تمام صورتِ حال سے جو زمین آسمان میں ایک مستحکم سایے کی طرح ہمارے سر پہ مسلط رہتا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ جراُت مند انسان جو سوچنے کا عزم رکھتے ہوں، جو خیال رکھتے ہوں، جو دعویٰ علمیت رکھتے ہوں۔ حتیٰ کہ جو اس صدی میں بھی یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ انسان بہت ترقی کر گیا ہے۔ جس کو یہ دعویٰ ہے کہ میں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں اپنی حکمت کے نفع و نقصان پر غالب آ گیا ہوں، وہ اب مالک الملک نہیں، میں مالک الملک ہوں۔ اُس کو یہ چاہیے کہ کچھ ایسے مضبوط حقائق کے ساتھ اس خدا کے وجود پر کچھ ایسی تنقیدات سامنے لاتا کہ کم از کم جملہ مسلمین کی اور مومنین کی نہ سہی، جملہ انسانوں کی یہ سزا ختم ہوتی اور بہت سارے ایسے آسیب ہمارے سروں سے ٹل جاتے۔

خواتین و حضرات! ایسا نہیں ہوا۔ ہماری تہذیب انسانوں کی چند ایک بنیادی دبی ہوئی حسیات سے مرتفع ہے۔ تمام بڑی طاقتوں کو جو پہلے گزریں، جو اب گزر رہی ہیں۔ بزعمِ خود ایک خیال ضرور رہا کہ اب کی بار ہمارا غلبہ دنیا کی کوئی طاقت کم نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ جولیس سیزر تھا، چاہے سلطنت شرقیہ تھی۔ کوئی بھی دنیا کا طاقتور بادشاہ یا فرمانروا یا کوئی خاندان جب برسرِ اقتدار آیا تو وہ بھی آج کے امریکہ کی طرح یہی سمجھتا تھا کہ یہ اقتدار اب دائمی ہے۔ اور اب یہ قیامت تک یا نسلِ انسانی کے خاتمے تک محیط ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخِ عالم کا مطالعہ نہیں کیا۔ کیا دورِ حاضر کا فلسفی، دانشور یا جنگجو بھی تاریخ سے بے بہرہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ تاریخ کے تواردے گزرتے ہوئے ان حقائق کو پہچانتے نہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج کے دورِ حاضر کے لوگ، دورِ حاضر کے حکمران، دورِ حاضر کے مفکر و مفسر، جو ہیں ان کے نزدیک نٹشے کے الفاظ میں خدا مر چکا ہے اور اب اسے اس دنیا سے باہر پھینک دینا چاہیے۔ (نعوذ باللہ)۔ وہ اللہ کے وجود سے ذہناً، عملاً، عقلاً فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار اتنے بڑے ہیں، یہ جو میٹرکس تخلیق ہو گئی ہے یہ اتنی معزز اور محترم ہے کہ اب اس کی وجہ سے کوئی کمی بیشی کا امکان نہیں رہے گا اور اب ہماری طاقتوں اور دوسری طاقتوں میں اتنا فرق پڑ گیا ہے کہ اب ہم ان انسانوں کے دیوتا یا خدا ہو سکتے ہیں۔ اب اللہ کی زمین پر براہِ راست کوئی ضرورت رہی نہیں۔

صوفیا دوسری قسم کے لوگ تھے۔ بہت ساری Specializations میں، بہت سارے لوگوں نے جیسے اپنی اپنی Specializations کیں، تو ان میں سے ایک انوکھی سی قسم تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا، کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے، غم کی وجہ سے، کسی حادثۂ محبت کی وجہ سے، کسی کے ماں باپ کے نقصان کی وجہ سے۔ کوئی نہ کوئی ایسا سانحہ اور بعض اوقات بڑے کیا ب تعلیمی تجسس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے معاشرے سے ہٹ کر ایک نئی روش اپنائی۔ وہ خدا کو ماننا چاہتے تھے یا خدا کو جاننا چاہتے تھے۔ تصوف کی دراصل بنیادی تعریف یہ نہیں ہے کہ وہ اشارے سے ماخوذ ہو یا کسی نے کہا کہ یونانی فلسفہ کے اثرات سے پیدا ہوا۔ کسی نے کہا کہ اس پر شرق و غرب کے فلاں فلاں نظریہ کا اثر ہے، ایسا بالکل نہیں ہوا۔

---

(1) وہم، وسوسہ، شک اور گمان

تصوف کی بڑی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جس شخص نے مناسب عمر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں فلسفہ ترجیحات پہ غور کروں گا اور میری زندگی کی اولین ترجیح میرا رب ہے تو وہ صوفی ہے۔

جس شخص نے بھی اپنی زندگی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ پیشتر اس کے کہ میں زندگی شروع کروں۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنی زندگی پوری کر لوں۔ اور یہ عجیب سی بات ہے کہ پورے معاشرے میں ہندوانہ اثر کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اپنی بیشتر ترجیحات اور مضبوط ترین ترجیحات کا فیصلہ بالکل عمر کے آخر میں آ کر کرتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جس عمر میں ہم باقی اکیڈمک فیصلے کر رہے ہوتے ہیں۔ اس عمر میں نہیں کرتے جب ہماری ہمت جواں ہوتی ہے۔ ہمارے خیالات میں ندرت ہوتی ہے اور ہماری حسِ جمال تیز ہوتی ہے۔ جب ہم میں پرکھ ہے شناخت ہے حرکت ہے۔ اس وقت یہ فیصلہ نہیں کرتے۔ اس وقت جب آپ کو یہ دنیا بیکار محض قرار دے دیتی ہے۔ جب دنیا آپ کو معاشرے میں ریٹائر کر کے ایک گوشہ عافیت میں بٹھا دیتی ہے۔ اس وقت ہم خدا کا موضوع چننے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں میں اس ہندوانہ معاشرے کا اثر ہے کہ جس نے زندگی کو چار بڑی واضح اقسام میں بانٹ رکھا تھا۔ اس نے برہم چاری آشرم تخلیق کیا۔ پچیس برس تک اس نے گرہست آشرم تخلیق کیا۔ اگلے پچیس برس تک گربھ آشرم تخلیق کیا۔ جب سو برس کے آخری پچیس برس آئے تو اس نے کہا کہ اب تم خدا کی طرف متوجہ ہو اور رشی مُنی آشرم میں داخل ہو۔ چاہتے نہ چاہتے ہوئے مسلمان اسی روٹین کی پیروی کر رہے ہیں۔ مگر قسمت کی خرابی دیکھیے' کوئی سو برس تک پہنچتا ہی نہیں اور آخری پچیس برس جو رشی مُنی آشرم کے ہیں۔ جو خدا کی تلاش کے ہیں' وہ ناکارہ عمروں کے حوادث میں گزر جاتے ہیں۔

خواتین و حضرات! جب یہ طلب کسی دل میں پیدا ہو جائے کہ میں اپنی زندگی کی ترجیحات کا مناسب فیصلہ کروں گا اور پھر اس میں ترجیح اول کا انتخاب اللہ کو کرے تو وہ صوفی ہے۔ ہماری بہت بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ کمال سے حقیقت کو دیکھا۔ ہم نے اس کو درجہ بلاغت سے دیکھا ہے۔ ہم نے تصوف کو اس وقت دیکھا ہے۔ ہم نے صوفی کو اس وقت دیکھا جب وہ شیخ عبدالقادرؒ قطب الاقطاب غوثِ زمانہ بن چکے تھے۔ ہم نے اس وقت علی بن عثمانؒ کو دیکھا کہ جب ان کو قطب الاقطاب بنا کر سرزمین ہند پر بھیجا گیا۔ ایک وہ وقت بھی تو ہوگا' جب اس شیخ زمانہ نے درسِ اولین بھی تو شروع کیا ہوگا۔ میری اور آپ کی طرح اس نے بھی آرزو کی ہوگی' ایک قدم لیا ہوگا۔ کبھی نوجوان بھی رہے ہوں گے۔ کبھی جبلتوں سے اُن کی کشمکش بھی ہوئی ہوگی۔ کبھی جواب دہی کے مراکز تبدیل بھی ہوئے ہوں گے اور کبھی اس زورآور نفس کی کشمکش میں ان سے بھی بھول چوک ہوئی ہوگی۔ کبھی انہوں نے بھی خدا کے حضور معذرت کی ہوگی۔ آخر انسان کا آغاز کیا ہے۔ غلطی ہی تو ہے اور انسان کا ثواب کیا ہے۔ ایک توبہ ہی تو ہے۔ باقی تو رسم و رواج مذہب ہیں۔

مگر خواتین و حضرات! جن لوگوں کا بھی سوچنے سمجھنے کا عمل جاری رہا' انہوں نے ایک بات ضرور سوچی کہ کیا کوئی واقعتاً ایسا ڈیٹا موجود ہے جس سے ہم خدا کے بارے میں کوئی چیز متعین کر سکیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ کتاب حکیم' وہ قرآن جو جزدانوں میں سجا ہوا عقیدتوں کا مظہر بے شمار بوسوں کی جگہ موجود ہے' مگر اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں' مگر کیا حیرت ہوا اس عقل کو جو یہ سوچے کہ وہ مشرق و مغرب' وہ جو یہ پکار رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ خدا کے بارے میں کوئی ڈیٹا ہے تو کتنا آسان ہوگا خدا کا انکار۔ کتنا مشکل ہے خدا کو ماننا اور کتنا آسان ہے اس کا انکار کہ خواتین و حضرات!

بندہ ہزار خطا کرے تو بندہ ہے اور اللہ ایک خطا کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ایک خطا کا ڈھونڈنا کیا مسئلہ درپیش ہوسکتا ہے۔

اگر آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ آپ یہ جانتے ہوں کہ یہ سب سے بڑے علم والے اور حکیم کی کتاب ہے تو کم از کم اس کے پڑھنے کے لیے اپنا معیارِ عقل بھی بڑھانا پڑے گا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے عالم ذہن میں تو لانا پڑے گا کہ خدا کی کوئی بات ہمیں پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ اس کتاب کا عجب سا فیض ہے کہ اسے اَن پڑھ بھی پڑھ لیتا ہے۔ درمیانی عقل والا بھی پڑھ لیتا ہے مگر وہ کتاب جن کو اپنا قاری سمجھتی ہے وہ ذرا مختلف ہے۔ وہ کوئی عبادت گزار لوگوں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ روزہ داروں کو شب زندہ داروں کو اپنا قاری نہیں سمجھتی۔ وہ تو اپنا قاری اُن لوگوں کو سمجھتی ہے جو الذین یذکرون اللّٰہ قیٰما وقعوداً وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (۳(آل عمران):۱۹۱) کہ دن، صبح، رات لوگ اللہ کی یاد میں رہتے ہیں اور خدا کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے ہیں اور خدا کی کتاب پر غور و فکر کرتے ہیں۔ عجائبات عالم سے وہ اللہ کی پہچان تک آتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تمام علوم پر ایک ایسی نظر ڈالنا پڑتی ہے جس میں ہم قرآن کے زمانے کا تعین کرسکیں۔ جیسے بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے فلاں فلاسفر کی بات دہرائی ہے، فلاں سائنسدان کی بات دہرائی ہے۔ فلاں زمانے سے فلاں چیز اٹھا کے اس میں نقل کردی تو کم از کم ایک ایماندار طالب علم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کے ابتدائی علوم سے لے کر قرآن تک جتنا بھی علم و فراست اور تحقیق ہے، اسے خوب اچھی طرح دیکھے اور پھر یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ ارسطو اور افلاطون کی کونسی بات قرآن نے نقل کی ہے۔ یہ تو ایک عجیب سی بات ہے۔ خدا اس وقت بھی تھا جب ارسطو اور افلاطون تھا۔ اس سے پہلے بھی موجود تھا۔ اگر انہوں نے خدا کی ویسی کوئی بات اختیار کرلی تو اور بات ہے مگر قرآن پہلے زمانوں کی تعلیمات نقل نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ آگے بڑھیے۔ قرآن سے آگے بھی زمانے گئے ہیں۔ بہت وقت گزرا تو آپ آج کے وقت تک تمام معلومات کا احاطہ کرلیجیے۔ اگر آپ کو خدا کے بارے میں کوئی شرمندگی ہے، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک مفروضہ ہے اور حقیقت سے بعید ہے تو آپ آج تک کے گزرے ہوئے بلکہ آج تک کے اس لمحے کو پہنچے ہوئے سائنسی علمی تحقیقی انکشافات کا اپنے سامنے ڈھیر کرلیجیے۔ اعداد و شمار جمع کرلیجیے اور دوبارہ قرآن کو پلٹیے۔ اس دعویٰ کے ساتھ کہ ہمیں اس میں شک نظر آئے گا، غلطی نظر آئے گی۔ قرآن ضرور ایک عام سی کتاب ہوگی، قرآن ضرور ایک وہم اور وسوسہ کے لوگوں نے ترتیب دیا ہوگا۔ آپ کم از کم اس دعویٰ تحقیق کے ساتھ تو ضرور قرآن کو پڑھیے۔

آج تک انسانی نتائج بدلتے رہے۔ آج تک خدا کی بات نہیں بدلی۔ پندرہ سو برس پہلے اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں، یہ تو نہیں کھڑے۔ ھی تَمُرُّ مَرَّ السَّحَاب (۲۷(النمل):۸۸) یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح گزر رہے ہیں۔ اگر اس نے پندرہ سو برس پہلے اپنی کتاب میں کہہ دیا وجعلنا من الماء کل شیء حی (۲۱(الانبیاء):۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ تو یہ جذباتی حقائق نہیں یہ سائنسی حقائق ہیں۔ ایک مدت گزری ہے کہ پروردگارِ عالم نے انسان کی تکمیل علم تک کے تمام نتائج اپنی کتاب حکیم میں لکھ کر اسے بند کردیا اور فرمایا وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں جس کے اسبابِ رزق ہم پر نہ ہوں۔

ویعلم مستقرها ومستودعها کل فی کتب مبین (۱۱(ہود):۶)اور وہ جانتا ہے کہ کس شخص نے کس فرد نے کہاں رہنا ہے کہاں جانا ہے کہاں اٹھنا' کہاں بیٹھنا ہے۔ کہاں اس کی زندگی ہے' کہاں وہ سونپا جائے گا۔ ایک ایک حرف ہم نے کتاب مبین میں لکھ دیا۔ کمال ہے حد وحساب سے گزرا ہوا حساب ہے۔ ابھی انسان وجود میں نہ آیا تھا' اس خدا کا بھی تو دعویٰ دیکھیں کہ ابھی زمین بنی نہ تھی تو رسول گرامی مرتبت ﷺ سے اصحاب رسول ﷺ نے پوچھا کہ اللہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا وہ جہاں تھا اس کے اوپر بھی ہوا تھی' اس کے نیچے بھی ہوا تھی' بادلوں میں تھا۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ خدا زمین کی تخلیقات سے پہلے کہاں تھا۔ فرمایا اس کی بلندیاں پانیوں پر تھیں۔ وہ ہر چیز پانی سے تخلیق کر رہا تھا۔ پوچھا گیا اے پروردگار عالم! یہ زمین و آسمان اور کائنات بنی کیسے؟ فرمایا تم کو کیسے پتا لگ سکتا ہے؟ اولم یر الذین کفروا ٥ تم بھی اتنی جرأت رکھتے ہو کہ میرا انکار کرو۔ کیا تم بہت پڑھ لکھ کر دانشور ہو گئے ہو؟ اے دانا و بینا! تمہیں پتہ ہے کہ سب سے پہلے یہ زمین و آسمان اور کائنات ایک تھی اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض (۲۱(الانبیاء):۳۰) یہ زمین و آسمان سب اکٹھے تھے' پھر ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا مگر تم پھر بھی ایمان لانے والے نہیں۔ ایمان تصور خدا نہیں ہے' ایمان خدا ہے' وہ اللہ جو آپ کی زندگی کے پہلے باب سے لے کر اس کتاب حیات کے آخری باب تک مسلسل مداخلت کرتا نظر آتا ہے' وہ سب سے پہلے جو بات کہتا ہے کہ ذرا اپنا موازنہ کر کے دیکھو۔ ذرا خیال کرو حضرت انسان کیا تو اس قابل ہے کہ تو اکیلا وجود میں آ سکتا؟ اگر میں پہلے سے تیرا تعین نہ کرتا' تیرا گھر نہ بناتا' تجھے ماں باپ نہ دیتا' وہ کون سے لوگ ہیں جو اعتقادِ ذات رکھتے ہیں' جو یہ دعویٰ رکھتے ہوں کہ کوئی بھی انسان زمین پر ایسا پیدا ہوا جس کے حالات پہلے سے متعین نہ تھے۔ اگر آپ ہی زندگی گزارتے ہو' آپ ہی دعویٰ تکمیل رکھتے ہو۔ آپ ہی رزق کماتے ہو تو کبھی اپنی جہز سے باہر بھی آپ نے دیکھا۔ کیا باہر اور مخلوق نہیں ہے۔ ایک بلین مخلوق تو اس خطہ زمین پر ہے۔ جس کے شاید آپ کو نام ہی نہ آتے ہوں۔ پندرہ بیس کے بعد ہماری یادداشت ہی ختم ہو جاتی ہے مگر اس ایک بلین مخلوق کو رزق دینا کیا انسان کا کام ہے؟ کیا انسان اسے رزق دیتا ہے' یا دے سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ نے کیا خوبصورت بات کہی کہ یوحنا قریب سے گزر رہے تھے تو پوچھا! یوحنا یہ تیری بغل میں کیا ہے؟ کہا یا نبی اللہ دو روٹیاں۔ کہا یوحنا دو روٹیاں کس لیے؟ کہا نبی اللہ ایک آج کے لیے' ایک کل کے لیے۔ کہا یوحنا تم نے تو کل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ کبھی کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے؟ کیا تمہیں خدا پر یقین نہیں کہ کل تجھے رزق دے گا؟ ایک روٹی دریا کی مچھلیوں کو دے اور ایک روٹی میں سے آدھی اس وقت کھا اور آدھی کل کے لیے رکھ۔

بہت سارے سائنسی دعوے ایسے ہیں جو معیارِ حقیقت تک نہیں پہنچتے۔ تصوف میں اور دیگر علوم میں ایک بنیادی فرق ہے کہ یہ علوم آپ سے کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ علوم آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ جب تک آپ نیک اور پرہیزگار نہیں ہوں گے' جب تک پانچ وقت نماز نہیں پڑھیں گے' جب تک آپ روزہ نہیں رکھو گے' اس وقت تک ہم آپ کو ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری نہیں دے سکتے۔ آپ پی۔ایچ ڈی نہیں کر سکتے۔ دنیا کی کوئی یونیورسٹی یہ معیار نہیں رکھتی۔ کوئی کردار سازی کو علم کا حصہ نہیں بناتی اور دوسری بات آپ کے ذاتی جذبات کا اثر آپ کے تجربات پر نہیں ہوتا۔ آپ چاہے

آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوں' اداس ہوں۔ مگر آپ کے اجزاء وہی نتیجہ دکھائیں گے جو انہوں نے دکھانا ہوتا ہے مگر تصوف ان تمام علوم کا علم ہے۔ ظاہر ہے۔ جب آپ موجودات کی حقیقت کے لیے اتنا تردد فرما رہے ہوں تو حقیقت کبریٰ کے لیے آپ آگے بڑھو گے تو آپ کو بہت ساری پیچیدگیوں سے واسطہ پڑے گا۔ غور تو کیجیے کہ ایک ذرا سی لغزش خیال آپ کے نتیجے کو بدل دے گی۔ تصوف وہ علم ہے جس میں ایک ذرا سا جلی اور خفی تکبر آپ کے نتائج بدل دیتا ہے۔ ایک جھوٹ آپ کے نتائج مسخ کر دیتا ہے۔ قلب ویران کی ایک کیفیت زمین و آسمان کے نقشے بدل دیتی ہے۔ یہ کیسی سائنس ہے کہ جس میں تحقیق و جستجو کی بے انتہا غائتوں کے باوجود آپ کو کچھ اور بھی ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے۔ اس سائنس میں انسان کے متغیر نفس کا وجود نا قابل برداشت ہے۔

تصوف جذبات کی سائنس ہے۔ نفسیات ایک بدتر نفس کو بہتر نفس میں ڈھال دیتی ہے۔ وہ آپ کو مشورے دیتے ہیں۔ اس ڈیٹا پر پرکھ کر کچھ علاج ہوتا ہے' کچھ شناخت ہوتی ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یہ بدتر اور ناکارہ نفس معاشرے کا کارآمد نفس بن جائے مگر نفسیات کا یہ کوئی کام نہیں ہے کہ بندے کو خدا تک پہنچا دے۔ جہاں بھی نفسیات کی آخری حدود شروع ہوتی ہیں' وہاں سے تصوف کا ابتدائی قدم اٹھتا ہے۔

مابعد الطبیعیات' طبیعیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ مابعد النفسیات' نفسیات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ کتنی ایسی باتیں تھیں جو پہلے نفسیات ہوا کرتی تھیں۔ آج کے زمانے میں آپ دیکھیے کہ کتنے تصورات تھے جو مابعد الطبیعیات ہوا کرتے تھے جن کو ہم مابعد النفسیات کہتے تھے مگر آج کے علوم کی روشنی میں وہ تمام مابعد النفسیاتی حقائق اب نفسیاتی ہو چکے ہیں۔ ہر نفس ایک جبلتوں کا مجموعہ ہے۔ بہت ساری جبلتیں جو بظاہر ہمیں نظر آتی ہیں کہ کھانا ہے' تولید (Reproduction) ہے' جارحیت (Aggression) ہے' بقا (Survival) ہے مگر جب یہ جبلتیں ایک دوسرے پر اثر کرتی ہیں تو یہ شطرنج کی بازیوں سے بھی زیادہ چالیں چلتی ہیں اور اگر چھتیس مہروں کی چالیں ایک بلین تک چلی جاتی ہیں تو آپ کی جبلتیں جب ایسا عمل کرتی ہیں تو ہزارہا پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ شاید اسی لیے تصوف میں مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔

اصل میں مابعد النفسیات کے ادارے کا کچھ علم اسلام کے تصوف میں گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ جیسے عظیمیہ سلسلے کے ایک شخص نے بہت باہمی آمیزش کی ہے اور بہت سارے تبت کے لاماتی تصورات اور اسی طرح افریقہ کے شامان کے تصورات تصوف میں ملائے ہیں جس سے اسلام کا عمومی تصوف کا تصور بہت مبہم ہو گیا ہے۔

مگر تصوف کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ یہ وہ علم تھا جس میں کم علم گزر نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ رستہ تھا جس کی انتہا ذہن کے لیے بھی انسانی علوم سے آگے گزرنے والے لوگوں کو رستہ ملتا تھا مگر آپ ایک نظر دیکھیں تو جیسے سڑک کے کنارے ایک مداری میڈیکل سائنس کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔ پورے معاشرے میں ہزارہا بے تصور تصوف کو خراب تر کیے جا رہے ہیں۔ ان کی کوئی شناخت نہیں۔ ان کی کوئی پہچان نہیں۔ اگر آپ تصوف کے مستند ترین اصولوں پر رکھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ تصوف ایک طرف رہ گیا ہے اور متصوف دجل و فریب کے حقائق پیش کر کے آپ کی تمام توقعات کو پس پردہ کیے جا رہے ہیں۔ نہ علم رہا نہ آگہی رہی' نہ وہ روشنی جس سے علمائے فطرت خدا کے عالم لوگوں کے مصائب کے رخ جان لیتے تھے۔ خدا

کے عالم میں اور ایک عام عالم میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے آپ صوفی کہتے ہیں اور ایک وہ شخص جو ایک عام درس گاہ کا تعلیم یافتہ ہے' اس میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ اس میں شناخت کا فرق ہونا چاہیے۔ اس میں اتنا تو فرق ہونا چاہیے جو حدیث رسول ﷺ ہے کہ خدا جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے' اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اتنا فرق تو ہونا چاہیے کہ وہ کچھ اپنے آپ کو جانتا ہو۔ کچھ آپ کو جانتا ہو۔ اس کا تشخص صحیح ہونا چاہیے۔ وہ واہمہ اور وسوسے کی بات نہ کرے' وہ خوابوں کی بات نہ کرے' ہزاروں مقدسین ہمارے گلی گلی کوچے کوچے میں ہیں۔ ایسے لگتا ہے صوفیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ ہر کونے میں ہر گوشے میں ایک معز زجو جو دِ تعلیم سے بالکل ناواقف ہے' وہ تصوف کے ایسے نقوش ابھار رہا ہے جیسے ہندو دیو مالائی قصوں کو عام کرتے ہیں۔ آج بھی اتنے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اگر آپ کبھی ہندوؤں کا ٹیلیویژن دیکھیں تو کیا عجب بات ہے کہ ان کی عقل کو قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہوتی' دیوی دیوتاؤں کے قصے پیش کرتے ہوئے۔ اگر یہی علمیت کا کمال ہے کہ نہ اپنے آپ سے سچ بولو نہ کسی سے سچ بولو' یہ آج کی بات نہیں ہے۔ ہر زمانے میں اتنے کذاب صوفی ہوئے' بے شمار جھوٹے لوگوں نے تصوف کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت دانیالؑ کے زمانے میں ستر جھوٹے نبی تھے۔ شاید یہ کذب و افترا' جو اللہ کے اس بہترین شناخت کے علم پر جاری ہے' اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کا اُنس زیادہ ہو گیا۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں:

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

تصوف یقیناً ایمان کی ایک جہت ہے۔ تصوف ایک جذبہ ہے جس کو اس لیے ہم نے تصوف کا نام دے دیا کہ اگر اس کو دوسرا نام دیتے۔ اگر میں یہ کہتا کہ ولایت کی یہ تعریف ہے' اگر میں آپ سے یہ کہتا کہ مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کی جستجو سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور اس میں مسلسل آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خدا کے عرفان اور ادراک تک پہنچنے کے لیے یہ زندگی صرف کر دیتا ہے کہ:

نشان مرد حق دیگر چہ گویم

چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

اور اس سے آخری بات کیا ہو سکتی ہے۔ کیا تصوف کے معیار واضح نہیں؟ کیا بیچارگی تصوف ہے؟ کیا اوٹ پٹانگ حرکتیں تصوف ہیں؟ کیا فاقے کو اللہ نے قرآن میں رد نہیں کیا؟ کیا بے اعتدال لوگوں کے بارے میں ایک جملہ نہیں فرمایا اور مسیحی رہبانیت کے بارے میں اللہ نے نہیں کہا کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے اتنی مشقتیں نکال لیں' ہم نے نہیں کہا تھا۔ اور ان کی داستانوں میں تزکیہ باطن جو ہے' وہ پانیوں میں بارہ برس کھڑے ہونے سے نکلتا ہے یا کسی قبر میں چلہ معکوس سے نکلتا ہے یا کنویں میں الٹا لٹکنے سے نکلتا ہے۔ کیا یہ تصوف ہے؟ تصوف تو بالکل مضبوط ترین عقل کی راہ تھی۔ یہ تو اتنا یقینی راستہ ہے کہ اس کا پہلا قدم بھی آپ کو یقینِ خدا دلا دے۔ اس پر چلنے والے کا پہلا قدم بھی آپ کو خدا کا شعور دیتا ہے۔ خدا کی محبت سے آشنائی دیتا ہے مگر کیا بدقسمتی کی بات تھی کہ یہ کائنات کا' اللہ کا' انسانیت کا' علم بھی اناڑی لوگوں کی نذر ہو گیا۔ گلی کوچوں کی نذر ہو گیا۔ اس سے مراد یہ نہ تھی کہ ایک سادہ سا انسان خدا نہیں پا سکتا۔ ایک سادہ ترین

انسان بھی صوفی ہو سکتا ہے خدا کا شعور رکھ سکتا ہے۔

جب شیطان نے کہا کہ اے مالک! تو نے مجھے بہت رسوا کر دیا۔ تو نے میرا مقام، عزت انسان کو دے دی تو اب مجھے اتنی مہلت دے کہ انسان جس کی عقل فطرت پر تُو نے بڑا دعویٰ کیا ہے، میں تجھے ثابت کر دوں کہ تیرا یہ دعویٰ انسان پر درست نہیں۔ میں اُن کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اوپر سے آؤں گا، نیچے سے آؤں گا۔ میں اُن کو ہر طرف سے گھیروں گا۔ میں ان کو راہ راست سے اغوا کروں گا۔ خدا نے کہا تُو یہ کرے گا، بہت سے انسان ناکارہ و ناکام ہو جائیں گے مگر اتنی بات یاد رکھنا چاہیے، وہ آدمی پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو یا سادہ ہو یا پیچیدہ ہو۔ تو اس شخص کو کبھی نہ بہکا سکے گا۔ الا عباد اللّٰہ المخلصین (۳۷ (الصفت): ۴۰) جس کے دل میں میرے لیے ایک ذرہ برابر بھی خلوص ہو گا، تو کبھی اس پر قابو نہیں پا سکے گا۔

تو یہ وہ اخلاص ہے جس کی بنیاد ہر دل میں ہے اور تصوف اسی سے آغاز کرتا ہے۔ شریعت بغیر طریقت کے ایک بے معنی کوشش ہے۔ جب تک اس کے پیچھے خدا کے حصول کی نیت نہ ہوگی۔ آپ کے اعمال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ آپ کے خیال کبھی رنگ نہ پائیں گے۔ طریقت شریعت سے جدا نہیں ہے، طریقت اور شریعت دراصل خیال، نیت اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک وجود ہیں اور عمل کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب تک آپ اپنے خیالوں میں، اپنے اعمال خیر میں خدا کے حصول کی نیت نہ رکھیں گے، آپ کے اعمال آپ کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ یہ وہ جنگ ہے جو دورِ حاضر میں اکیڈمک لوگوں میں اور اہلِ دل میں جاری ہے۔ اہلِ دل یہ قطعاً نہیں کہتے کہ وہ شخص جو کسی قیمت پر بھی شریعت کی اہمیت کو کم کرتا ہے، وہ اہلِ تصوف میں ہے۔ صرف وہ تین آدمی اللہ نے اس حساب سے نکال دیے۔ ایک تو وہ بچہ جس پر ابھی شرع لاگو نہیں ہے، ایک وہ مجنون جس کو کار زندگی کا علم نہیں ہے۔ ایک وہ سویا ہوا جس پر کوئی قانون لاگو نہیں۔ ان کے علاوہ کسی انسان پر شریعت ساقط نہیں اور یہ خیال قطعاً غلط ہے اور کوئی صوفی ایسا نہیں ہے، کوئی بھی اللہ کا ولی ایسا نہیں جس میں یہ مجال اور یہ طاقت ہو کہ وہ شرعی اعمال کی حیثیت کم کر سکے۔ شرع کسی حال میں بھی قابلِ استفسار نہیں ہے۔

تصوف آپ سے صرف ایک بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمہارے قول و فعل کے باوجود تم منافق ہو سکتے ہو۔ آپ کی عملی زندگی کے انداز میں قول و فعل کی ہم آہنگی ضرور ہونی چاہیے مگر دل آپ کو کہہ رہا ہے کہ قول و فعل کے باوجود آپ کا دل تقسیم شدہ ہے۔ اس لیے کہ ایک بہت بڑی قوت اور بھی ہے جو قول اور فعل دونوں پر فیصلہ دیتی ہے اور وہ آپ کی فکر ہے۔

The only difference between the dogmatics and the people of heart is very simple.

صوفی یہ کہتا ہے کہ ان تینوں چیزوں میں یہ اتحاد ثلاثہ ہے، اتحاد ثنائیہ نہیں ہے۔ یہ صرف قول و فعل کی ہم آہنگی نہیں ہے بلکہ قول، فعل اور فکر جب اکٹھے ہوتے ہیں اور خدا کی طرف رغبت فرماتے ہیں تو اس وقت ایک صوفی اپنی ابتدا کرتا ہے۔ اس وقت ایک صوفی اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے اور یہ سفر ایمان کا سفر ہے۔ یہ سفر وصالِ خداوندی کا سفر ہے اور یہ معجزے، یہ دوسری تیسری باتیں، یہ کشف قبور کے جو ڈھونگ رچے ہوئے ہیں، آپ یقین جانیے کہ کسی بڑے صوفی سے اس قسم کی احمقانہ

روایت جاری نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ دیکھنا ہے' یہ فرق کرنا ہے کہ وہ سند کیا ہے جو صدیوں سے کائناتی سند چلی آ رہی ہے۔ یہ نہیں کہ صوفی آج پیدا ہوا۔ تمام محاورہ تمام اندازِ فکر صوفیاء کے تمام کا سارے ایک جیسے ہیں بالکل ایک جیسے' ان میں کوئی اختلافِ رائے نہیں۔

میں آج بھی محسوس کر سکتا ہوں کہ اشراقیہ کے ولی یحیٰی سہروردیؒ نے کیسے سوچا تھا۔ البتہ صفات کا فرق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صوفیاء کا ایک گروہ کرم پر زیادہ زور دے۔ ایک صوفی خدمتِ خلق پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس سے باقی چیزوں کی حیثیت کم نہیں ہوتی اور دورِ حاضر میں پوری اسلامی دنیا پر اتنا بڑا بحران ہو تو ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ مالک و کریم! کیا ہمارے گناہ ایسے حد و حساب سے گزر گئے کہ تیری ترجیحات اس قوم بے نصیب کی طرف نہیں پلٹتیں مگر خواتین و حضرات! بات یہ ہے کہ پروردگار تو وعدے کر کے کتاب بند کر بیٹھا۔ اب اس سے گریز ہمارا گریز ہے۔ وہ تو کہہ بیٹھا ہے ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳ (آل عمران):۱۳۹) کہ سستی نہ کرنا' غم نہ کرنا میرے بارے میں۔ تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو۔ تو بار بار ذہن میں خیال آتا ہے یہ جو ذلت اور نامرادی کے جو انداز ہن رہے ہیں' یہ جو امتِ مسلمہ انفرادیت اور مکمل ذہنی انتشار میں مبتلا ہے' جن کے حکمران بجائے قوم سے ہمدردی کرنے کے جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر ان پر خوف کے سائے لا دیتے ہیں۔ اگر کسی میں لڑنے کی ہمت ہے تو بھی نہ لڑے۔ تو خواتین و حضرات! خیال آتا ہے کہ کیا مسئلہ ہے۔ اللہ کیوں نہیں توجہ فرماتا۔ ایک ہی چیز جس کا یقین ہوتا ہے کہ شاید ہم ان کنتم مومنین کی تعریف میں نہیں آتے' شاید ہم ایمان والے نہیں۔ اگر بظاہر ایمان والوں سے مراد عبادات والے ہیں تو اتنے سارے بے شمار لوگ پچیس لاکھ عبادات والے رائیونڈ میں جمع ہو جاتے ہیں' پچیس لاکھ اسلام آباد میں جمع ہو جاتے ہیں۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا کہ جب تک ایک بھی زمین پر اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے تو قیامت نہیں آئے گی۔ تو خواتین و حضرات! سوچنا پڑتا ہے کہ نقص کہاں آیا؟ مسئلہ کہاں آڑے آیا؟ یہ مسئلہ ہماری ترجیحات کے بحران میں ہے کیونکہ اب اللہ ہماری ترجیح نہیں رہا۔ اب اللہ صرف ایک تصوراتی وجود ہے۔ وہ ایک حقیقی وجود کی طرح ہمارے اذہان میں نہیں ہے۔ ہم خیال میں اس کو محاورتاً ضرور استعمال کرتے ہیں مگر ہمارے دل و دماغ میں کوئی مرکز جواب وہی اللہ کی جانب نہیں۔ جب رجعت نہیں رہی' خدا کی شناخت نہیں رہی' خدا کے عالم نہیں رہے اور وہ خدا کے عالم جو اللہ کے لبادہ علمی کے تحت ہیں جو اللہ کے علم سے اپنے علم کو روشن کرتے ہیں اور اگر ایسے سوالوں سے واسطہ پڑ جائے تو دیکھو اکیڈمک کے پاس کچھ نہیں ملے گا' یہ تو تمہیں ان لوگوں کے پاس ملے گا۔ جو صبح و شام ہماری یاد میں رہتے ہیں۔ جو قرآن میں رہتے ہیں اور تسبیحاتِ پروردگار میں رہتے ہیں۔

صرف اسلام میں آ کے اللہ ساتوں کائناتوں کا مالک ظاہر کرتا ہے' اس لیے کہ پہلے انسان میں اس کی وسعت اور اس کے ادراک کی اتنی صلاحیت ہی نہ تھی۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاں معیار مستقل ہو رہے تھے۔ معیارِ زندگی قائم ہو رہے تھے۔ معیارِ حقانیت قائم ہو رہے تھے۔ اللہ اس ذاتِ گرامی پر کشادہ ہو کے آیا۔ اللہ اس ذاتِ گرامی میں اپنی پوری تعریف کے ساتھ آیا اور اپنے شخصی وجود سے گریز کرتے ہوئے اپنے اس کائناتی وجود کی جھلک دے دی ہے۔ اس کاملیت کی جھلک دی ہے۔ جب ہم Multiverses کے تصورات دیکھ رہے

ہیں۔ آج بھی قرآن ہی کا خدا حقیقی خدا نظر آتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ پچھلے مذاہب مذاہب نہیں تھے یا پچھلے مذاہب میں خدا کا وجود جعلی اور غیر حقیقی تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ شخصی خدا کے تصورات تھے جو کبھی بنی اسرائیل کے تھے، کبھی قوم یہود کے تھے اور کبھی کسی قوم کے تھے۔

اگر آپ قرآن کو کھول کر دیکھیں تو پہلی مرتبہ اللہ رب العالمین کی حیثیت سے پہلی آیت قرآن میں نمودار ہوتا ہے اور اسی طرح وہ اپنے پیغمبر ﷺ کو رحمت اللعالمین فرماتا ہے۔ اب وہ شخصی خدا نہیں رہا، اب وہ اپنی کائنات کی ملکیتیں ظاہر کر رہا ہے۔ اپنی کائناتی حکمتوں کو ظاہر کر رہا ہے۔ اب وہ خدائے بحر و بر ہے۔ خدائے ہفت کائنات ہے اور اسی خدا کی تلاش اور جستجو میں قافلہ اہل دل نکلتا ہے۔

کہیں تو ہوگا شب ست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غمِ دل

ہمارا نقصان ہمیں صاف بتا رہا ہے کہ ہماری عبادات ہماری زندگیاں خدا سے خالی ہیں۔ اگر آپ اللہ کی عبادات دیکھو تو پہلے پارے میں اللہ کی کتنی خوبصورت آیت ہے جو نشاندہی کرتی ہے کہ ہم میں کیا چیز ہونی چاہیے جس سے اللہ ہمیں اپنے محبوب بندے بنا لے گا صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ ونحن لہ عبدون (۲ (البقرہ): ۱۳۸) اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے اور ہم عبادت کرنے والے ہیں۔ عبادت الٰہی کا مقسوم ہے۔ عبادت الٰہی کا مقدر ہے، عبادت الٰہی کی زندگی ہے جو اللہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ آپ اسے فنا فی اللہ کہو، فنا فی الرسول ﷺ کہو۔ آپ کچھ بھی اسے کہو لوگر جو صفات پروردگار کے لیے جدوجہد کرتا ہے، جو محبتِ ذاتِ خدا کے لیے جدوجہد کرتا ہے، وہ کبھی بھی خدا کو فرضی نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے کتنی ہی بڑی میٹرکس کی دنیا اس کے اردگرد آباد ہو، ہم جانتے ہیں کہ سراب میں بھی بڑی حقیقت ہوتی ہے۔

ایک شخص صحرا میں جاتا ہے سراب دیکھتا ہے، بڑا عقلمند ہے۔ کہتا ہے یہ تو پانی ہے ہی نہیں۔ میں کتنا عقلمند ہوں کہ میں نے سراب کو سراب ہی سمجھا ہے تو شاعر کہتا ہے کہ:

زنقص تشنہ لبی داں زعقل خویش مناز

اے بیوقوف اپنی پیاس کا نقصان سمجھ۔ یہ سمجھ کہ تیری پیاس ابھی مکمل نہ تھی۔ بے عقل تو اپنی عقل پہ ناز مت کر۔

دلت فریب گر از جلوۂ سراب نہ خورد

اگر تیرے دل نے سراب سے فریب نہیں کھایا تو یہ تیری عقل کی نازکی بات نہیں ہے، تیری پیاس ہی ابھی پوری نہ تھی۔

مجھے امید ہے انشاء اللہ تعالی العزیز کہ خدا ہمارے دلوں میں اپنی محبتوں کی لو ضرور دے گا۔ ویسے تو کچھ لوگ وہ بھی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کو اتنا یاد کر کہ تیرا دل ایک دیوانے کی طرح ہو جائے اور اس میں ایک چراغ جلتا ہو اور وہ خدا کی یاد کا چراغ ہو۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ خدا کو اتنا یاد کریں گے تو خدا ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ خدا ان کا انداز ہو جائے گا۔ خدا ان کی زبان ہو جائے گا۔ خدا ان کے اشاروں سے بادل برساتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے حکومت بدلتا ہے۔ خدا ان کے اشاروں سے زندگی اور موت کے مسائل طے کرتا ہے۔

تصوف کا شریعت سے واسطہ

سوال: آپ نے فرمایا کہ تصوف اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ اگر اللہ عشق سے ملتا ہے تو عشق پر تو کوئی شریعت نافذ نہیں ہوتی۔ پھر تصوف کا شریعت سے کیا واسطہ ہوا؟

جواب: بہت ساری غلط فہمیاں جو اس معاشرے میں ہیں' ان میں یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ عشق پر کوئی شریعت لاگو نہیں ہوتی۔ ایک آدمی رستے میں کھڑا تھا تو حضرت ابراہیم خواص گزرے تو وہ گلی سڑی حالت بڑی بری طرح کے آسیب کا شکار بیچارہ مردوں کی طرح پڑا تھا۔ تو حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں پاس سے گزرا تو میں نے کہا کہ اس بدبخت نے کون سا ایسا گناہ کیا کہ اللہ نے اس کی یہ حالت کی۔ میں نے سوچا دل میں مگر وہ شخص چونک کے اٹھا اور اٹھ کے کہا' ابراہیم خواص تو اللہ کے بندوں کی دل میں غیبت کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں یہ جو حالت ہے میری' میں نے اللہ کے انعام کے طور پر قبول کی ہوئی ہے۔ اب جو عشق کی بات کرتے ہیں' آپ غور کریں کہ عشق کس حالت تک پہنچاتا ہے اور عاشقوں کے بارے میں اللہ میاں نے یہ کہا کہ کچھ لوگ میری چادر کے تلے چھپے ہوئے ہیں۔ ان کا نہ میرے کسی پیغمبر کو علم ہے نہ کسی ملک کو علم ہے۔ اب اگر ایسے ہی لوگ ہوں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا کی نظر سے بھی چھپے ہوئے ہوں گے اور دعوئ عشق خرابی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم محبت کے قائل ہیں' عشق کے قائل نہیں ہیں۔

پروردگار عالم نے محبت کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی کسی چیز میں ہو جائے' اسے مودت کہا جاتا ہے۔ محبت اور مودت میں بڑا فرق ہے۔ جہاں اتصال اجسام آجائے' جہاں ملاوٹ آجائے' جہاں جسم آجائے' جہاں خواہشات نفس آجائیں' اس کو اللہ نے مودت کہا ہے۔ خدا نے کہا کہ پتھروں سے محبت بھی ہے۔ سونے سے محبت بھی ہے اور بتوں سے محبت بھی ہے مگر محبت صرف اللہ کے لیے ہے۔ والذین امنوا اشد حبا للہ (۲ (البقرہ):۱۶۵) اور یہ محبت صفاتی محبت ہے۔ اس محبت کا تعلق حصول دنیا سے نہیں ہے۔ یہ قطعاً ایک ذہنی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ترین ذہنی سطح پر جا کر آپ خدا کی صفات کو محسوس کر کے اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں' اس کو ہم عشق نہیں کہتے۔ ویسے تو اقبال محترم عشق کا بڑا ذکر کر گئے اور ایسے لگا کہ علم بڑی ناقص سی چیز ہے اور عشق کوئی بڑی پائیدار شے ہے مگر اقبال صرف فلسفیاتی علوم کی نااہلیت کا قائل ہوا کیونکہ اس کا تسلسل آرہا تھا ایک ایسی درسگاہوں کی طرف سے جہاں شکوک و شبہات منطق تشکیک پڑھاتے پڑھاتے بالآخر وہ اس مقام پہ پہنچا جب اس کو احساس ہوا کہ ان تمام تعلیمات سے میں اپنی ترجیح اول کو حاصل نہیں کر سکتا تو اس بیچارگی کے عالم میں اقبال نے مجاذیب کی تلاش شروع کر دی۔ اس کے باوجود وہ اپنے وقت کا بہت بڑا مجدد اور تفسیر قرآن کا ماہر تھا۔ ایک غلطی اس سے ہو گئی اور وہ غلطی یہ تھی کہ فلسفہ اور تشکیک کی راہوں سے گزرتے ہوئے اس کی ترجیحات بیچ میں تبدیل ہو گئیں اور خدا کی بجائے کبھی وہ سیاست ہو گئیں' کبھی امت مسلمہ ہو گئیں' کبھی فلسفہ ہو گیا۔ جب انہیں احساس ہوا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی تو آپ کو پتہ ہے وہ آخری زندگی میں کبھی ایک مجذوب کا سنتے تو اس کی طرف بھاگتے۔ اس مقام پہ آ کر انہوں نے خیال کیا کہ علم شاید خدا کی طرف کا رستہ نہیں دیتا کیونکہ اقبال تصوف میں جن استادوں کی پیروی کر رہے تھے' وہ بذات خود سلسلہ تصوف کے مستند لوگ نہیں تھے جن میں رومیؒ بھی تھے' جن میں امام رازی بھی

تھے جن میں ابن سینا بھی تھے ابن رشد بھی تھے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی جو عالم اسلام میں جاری رہی کہ لوگوں نے بہت سے متصوف لوگوں کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے خیام کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے حافظ کو صوفی بنا دیا۔ کسی نے سعدی شیرازی کو صوفی بنا دیا۔ جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ کسی چیز کی اعلیٰ ادراک لذت کو ہم تصوف نہیں کہتے۔ تصوف نام ہے کانٹ چھانٹ کا۔ ایک قینچی جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ کا شعر بھی آپ کو سرور دے رہا ہے۔ آپ کا خیال آپ کو سرور دے رہا ہے اور آپ کو لذتِ نفس میں ڈال رہا ہے اور وجود کی خوبصورتی کا قائل کر رہا ہے اور ایک مخصوص رویہ پیدا کر رہا ہے اور کہیں آپ کو اس طرز کے مناظر دکھا رہا ہے تو صوفی کے ہاتھ کی قینچی بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ تصوف کا بنیادی قانون ہے کہ جس نے نفس کے ساتھ ہمدردی کی وہ تصوف کے علم کا ایک ذرہ بھی نہیں حاصل کر سکتا۔

دنیا میں بھیجنے کی وجہ

سوال: خاتون پوچھتی ہیں کہ رزق' زندگی' موت' عزت' ذلت یہ سب کچھ تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو ہمیں اس دنیا میں آخر کیوں بھیجا؟

جواب: جب ہم تخلیق کائنات کا مقصد دیکھتے ہیں تو میں اپنی اصطلاح میں کہوں گا میں خدا کی اصطلاح میں نہیں کہوں گا کہ اللہ ایک جبر مسلسل کے ذریعے اپنی مخلوقات سے عبادت کروا رہا ہے۔ جیسے اس نے آسمانوں کو کہا کہ میں نے تم میں یہ امر ڈال دیا ہے چاہو تو آؤ' چاہو تو نہ آؤ۔ تو ایک جبر تھا جو اس کی ہر مخلوق پر تھا' چاہے وہ ملائکہ تھے' چاہے زمین و آسمان تھے' چاہے شجر و حجر تھے۔

کہتے ہیں کہ صفت شعر کو دو چیزیں خراب کرتی ہیں۔ تحسین ناشناس و ناموش سخن شناس کہ اگر کلام کی قدر و قیمت کو جاننے والا کلام سن کے چپ رہے گا تو سمجھو کہ ناقدری ہو گئی اور اگر ایک ان پڑھ بیوقوف آدمی شعر سنتے ہی اچھل کود شروع کر دے اور داد دینی شروع کر دے تو وہ بھی شعر کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ یہی حال کچھ اللہ کے ساتھ ہوا کہ اتنا خوبصورت خدا اللہ جمیل ویحب الجمال خود حسن اور خالق حسن۔ ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات ایسا حسن کہ:

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ہم جہان دگر دیکھتے رہے

ایسی ایسی خوبصورت تخلیقات اور پھر تعریف کرنے والے۔ اللہ۔ الحمد اللہ۔ الحمد اللہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ نہ ان میں عقل' نہ معرفت' نہ چناؤ' نہ خصلت دید۔ ان کی آنکھوں میں وہ رنگ و روپ نہ اپنے محبوب کی مناسب قدر افزائی۔ یہ ایک انتہائی علیم حکیم رب کی جبریت۔ اب اللہ کو محسوس ہوا کہ اب میں کروں کیا۔ میں جو ایک چھپا ہوا خزانہ بھئی اکیلے رہو۔

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

تو آپ اکیلے نہیں رہ سکے۔ اللہ نے سوچ سوچ کے ایک فیصلہ کیا۔ ایک بڑا عجیب و غریب فیصلہ کہ کسی میں حس

انتخاب پیدا کر کے دیکھوں۔ ایسی مخلوق پیدا کروں جسے چننے کا اختیار دوں اور دیکھوں بھلا پھر بھی مجھے کوئی چنتا ہے۔ بندوں پر تکیہ کر بیٹھا تو خیال کیا کہ میں انتخاب کا اختیار دیتا ہوں' چننے والا ذہن دیتا ہوں۔ میں کسی ایسی مخلوق کو یہ اختیار دیتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے چنتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا' چاہا کہ آشکار ہو جاؤں۔ میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ تعارف کے لیے حضرت انسان تشریف لائے۔ اب حضرت انسان نے بھی سودا کیا۔ میں کہاں جاؤں گا جی' کہاں زمین دوں گا۔ کہاں جی وہاں مجھے پالے گا کون؟ کہاں ذرائع رکھوں گا۔ پھر اس سوال و جواب میں پوری کی پوری ایک دنیا کے آخری مراحل تک تخلیق ہوئے۔ آثار و باقیات تخلیق ہوئے۔ اس میں اس نے کہا کہ دیکھو میاں تیرا کوئی کام نہیں زمین پر۔ تو نے پیدا ہونا ہے اور زندگی گزارنا ہے' تیرا رزق میرے ذمہ ہے۔ تیرے بیوی بچے میرے ذمہ ہیں' تیرا سفر میرے ذمہ ہے۔ تیری زندگی' موت میرے ذمہ ہے اور تیری شفاء اور مرض بھی میرے ذمہ ہے اور تیرا صرف ایک کام ہے تجھے جو عقل دی تو نے اس اختیارِ انتخاب کا استعمال کرنا ہے۔ چار ڈگری میں انسان کی وحشت خیال کو پورا کیا اور فرمایا۔ هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيا مذكورا (۷۶ (الانسان):۱) تو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ پھر میں نے خیال کیا' میں کچھ اس کو دیکھوں آزماؤں' چلو اس کو آگے بڑھاتا ہوں۔ انا خلقنا الانسان من نطفة (۷۶ (الانسان):۲) میں نے انسان کو سنگل سیل سے ڈبل سیل میں بدل دیا' کہاں یہ امیبا تھا۔ اب اس نے ڈبل سیل ہونا شروع کر دیا۔ صدیاں گزر گئیں۔ حضرت میں کوئی جدت نہ دیکھی گئی۔ اب اس کو ذرا اور آگے بڑھاؤں۔ چاہا کہ اسے آزماؤں امشاج نبتليه فجعلنه سميعا بصيرا (۷۶ (الانسان):۲) اسے سماعت دی' اسے بصارت دی اور کوشش کی کہ یہ سمیع و بصیر ہو جائے مگر ابھی بھی انتخاب کے قابل نہیں تھا۔ میں تو کہوں گا کہ شامت پروردگار حضرت انسان کو آخری سٹیج پر لائے اور فرمایا انا هدينه السبيل اما شاكرا واما كفورا (۷۶ (الانسان):۳) اب میں نے اسے عقل و معرفت روشنی اور چناؤ بخشا۔ چاہے تو مانے چاہے تو نہ مانے۔

مگر ہم اس پوری لیبارٹری کا اندازِ انتخاب دیکھتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ پروردگار کی غرض و غایت ہر بندے سے نہیں ہے۔ وہی بات ہوئی کہ اگر ہزاروں تعریف کرنے والے سے ایک اچھے شعر کی شناخت کرنے والا ایک باذوق انسان ہی شاعری کی مراد ہوتا ہے تو اسی طرح حضرت انسان زیادہ تر بیروکار ہیں اور انسان کی تعریف اللہ کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح کی دوسری ضمنی حدیث میں فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا' مجھے اس بات سے انس ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے محمد ﷺ کو تخلیق کیا۔ میری تو حسرت پہچان محمد ﷺ کی تعریف سے پوری ہوگئی۔ میرے بندے نے مجھے بڑی اچھی طرح چاہا' بڑی اچھی طرح پیار کیا۔ میں نے اس کا یہ صلہ دیا اپنے بندے کو کہ آسمانوں پر وہ میری تعریف کرنے والا احمدؐ تھا تو میں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ زمینوں پر وہ تعریف کیا گیا۔ میں نے پوری علمی' ادبی' فکری زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار حدیث اس سے منسوب ہوں اور ایک احادیث بھی اس کی ذاتی تعریف میں نہ ہو۔ یہ وہ محمد ﷺ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح رکھا اور پھر خدا کیوں نہ چاہے ان کو۔

یہ باقی کائنات اس تعریف کے عوض چل رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مطلوب و مقصودِ کائنات

ہے' نہ کوئی مطلوب و مقصود پروردگار ہے۔

اسلام میں پردے کا حکم

سوال: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے۔ یہاں آپ نے مردوں عورتوں کو اکٹھے بٹھایا ہوا ہے' یہ کون سا دین ہے؟

جواب: قرآن میں پردے کا سختی سے حکم ہے' یہ لفظ سختی غلط ہے۔ قرآن میں پردے کا حکم ہے' سختی سے نہیں۔ قرآن میں پردے کے حکم کا پس منظر بھی ہے اور اس کے واقعات بھی پیش آئے۔ جنگ یرموک میں اجنادین میں اور احد میں مسلمان عورتوں کی بہت ساری سرگرمیاں ہیں۔ ہر جگہ عورتوں کا چہرہ کھلا ہوا آیا ہے۔ یہ اس طرح کے نقاب' پُر اسرار قسم کی خواتین قدیم اہل عرب اسلام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام میں اس قسم کا ورشن نہیں پایا جاتا۔

مگر میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اگر کوئی خاتون اتنی حجاب والی ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو سختی سے ڈھانپتی ہیں تو اس پر ان کے لیے کوئی حرج بھی نہیں ہے مگر پردے کا حکم دو چار مثالوں سے شروع ہوا کہ بنو قریظہ کے بازار میں ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان پر گئی۔ اس یہودی کی نیت خراب ہوئی اور پھر اس مسلمان عورت نے شور و غوغا کیا تو قریب سے ایک مسلمان گزر رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودی نے مرتے مرتے اپنے لوگوں کو آواز دی اور یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے ان کو طلب کیا اور جواب طلبی کی تو انہوں نے کہا کہ یا محمد ﷺ! وہ عورت بھی تو باقی عورتوں کی طرح تھی' ہم کیسے پہچانتے کہ یہ مسلمان عورت ہے؟ یہ ایک پہلا قدم بنا اور مسلمان عورت کو ایک جداگانہ نشان مل گیا۔

ام المومنین حضرت سودہؓ رات کو باہر نکلیں۔ ان کا قد لمبا تھا تو سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت سودہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں رات کو باہر گئی تھی۔ عمرؓ نے مجھ پر آواز لگائی۔ حضور ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کی نیت یہ تھی کہ خواتین محترمات اس طرح نہ نکلا کریں' یہ کچھ ڈھانپ کے نکلا کریں۔ یہ عمرؓ کی نیت تھی تو اس وقت قرآن کی آیات اتریں اور گریبان ڈھانپنے کا حکم ہوا اور چادر سر پہ لینے کا حکم ہوا مگر یہ بات ریکارڈ پہ ہے کہ عورتوں نے وہ تمام تر خدمات سرانجام دیں جو آج کل کی باقاعدہ ملٹری سروسز انجام دیتی ہیں۔ یرموک کی چھ دن کی فتح کم از کم تین مرتبہ عورتوں کی استقامت کی ممنون ہے' اسی لیے کھیتوں میں کام کرنے والیاں اور اسی طرح بہت ساری معاشرتی عورتوں پر اس قسم کی کوئی قدغن موجود نہیں تھی مگر پردہ

It should have been natural with the women. It should have been general with the women.

امریکہ میں لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن میں پردے کا کتنا حکم ہے؟ میں نے کہا' اتنا ہے۔ تو مجھے کہنے لگی' یہاں تو سارے لوگ بڑے شریف ہیں' اتنے نیک ہیں۔ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے تو یہاں آدمی اگر کھلا ڈھلا پھرے تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا دیکھو خاتون بات یہ ہے' میں تمہاری بات سمجھتا ہوں' مانتا ہوں۔ بہت نیک لوگ ہیں بلکہ

ہمارے پاکستان کے لوگوں سے بھی زیادہ نیک اور شریف لوگ ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر میں دور کھڑا ہوں اور بہت ساری خواتین اکٹھی کھڑی ہیں تو آپ کو میں اُن میں سے ہی ایک سمجھوں گا۔ ہاں اگر آپ نے حجاب لیا ہوا ہے' تھوڑا بہت اسلام ہے' سینہ ڈھانپا ہوا ہے تو میں بہت دور سے یہ سمجھ جاؤں گا کہ یہ مسلمان عورت ہے اور خواتین و حضرات! پھر ایک عجیب و غریب سا واقعہ پیش آیا کہ ایک ہوٹل میں کچھ حبشیوں نے دھاوا بول دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک عورت نے حجاب پہنا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب آئے اور کہا:

Sister you are a Muslim you be on one side.

اس سے کم از کم پردے نے اس خاتون کو ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے بچا لیا۔

قرآن اور سائنس

سوال: آپ اپنی تقریروں میں قرآن کو سائنس سے بہت زیادہ ملاتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتیں غیر سائنسی ہیں۔ آپ قرآن کو اس طرح ڈی ویلیو کیوں کرتے ہیں؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ آپ قرآن کو سائنس میں نہ نکالو اور قرآن والے کہتے ہیں کہ آپ اس کو سائنس کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ تقسیم اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ یہ تقسیم ہمارے نزدیک ہے۔

قطعاً ایسا نہیں ہو سکتا۔ سائنس کی کیا مجال کہ قرآن کو نا بت کرے۔ سائنس تو ابھی اس درجہ کمال تک نہیں پہنچیں۔ ابھی تو پروردگار کے بے شمار فرامین ایسے ہیں کہ سائنس کو پتہ نہیں کتنی محنت اور ہمت کرنی پڑے کہ وہ خدا کے احکام کی وضاحت کر سکیں۔ بہت سے قوانین قرآن پہلے متشابہات تھے' اب محکمات ہیں انہی علوم کی ترقی اور ترویج کی وجہ سے بدل گئے۔ اللہ علیم بھی ہے' اللہ حکیم بھی ہے اور خدا حکمت کو اتنا پسند کرتا ہے یوتی الحکمت من یشآء (سورۃ البقرۃ' آیت ۲۶۹) کہ جسے چاہتا ہوں حکمت عطا کرتا ہوں۔

خدا کہتا ہے بہترین بندے وہ ہیں جو صبح' دوپہر' شام میرا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ اگر آپ ان سب کو آپس میں ملا دیں تو یہ علوم ہوتا ہے کہ اصول علم کی وضاحت صرف سائنس سے ممکن ہے' آسیب اور وسوسہ سے نہیں۔ انسانی حکمتوں میں خدا کے اصولوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ پھر اگر پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے والسمآء بنینھا باید وانا لموسعون (۵۱ (الذریات): ۴۷) ہم نے آسمانوں کو اپنے زور قوت سے بنایا۔ بازوؤں سے بنایا اور ہم انہیں وسیع کرتے جاتے ہیں۔ جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو قرون وسطیٰ کی ساری سفارشات اور وضاحتیں پڑھتا ہوں۔ تو یہاں آیت کا مطلب لکھا ہوا ہے رزق کی کشائش۔ جب میں ''ٹائمز'' کا ایک رسالہ دیکھ رہا ہوں جو آئن سٹائن کی صد سالہ برسی پر شائع ہوا تو اوپر لکھا ہوا ہے Expending Universe of Einstein۔ کائنات اگر وسیع تر ہو رہی ہے اور قرآن اگر یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے کائنات بنائی اور اسے وسیع تر کر رہے ہیں تو اس کی وضاحت مجھے کوئی مولوی نہیں دے گا۔ اس کی وضاحت مجھے حکیم دے گا' اس کی وضاحت مجھے آج کا سائنس دان دے گا۔

قرآن کی جو اطلاع ہے اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی اظہار ہے' اس سے آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی'

سائنسدان اور دانشور نے انکار نہیں کیا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء' آیت ۳۰)۔ آج بھی اس کی تردید نہیں ہو سکتی۔

اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی (سورۃ فاطر' آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مسخر کئے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی' وہ بالکل درست ہے۔

ہمارا حال برا کیوں ہے؟

سوال: احکامِ قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہمارا حال بُرا کیوں ہو رہا ہے اور جو مسلمان نہیں ہیں وہ اوپر جا رہے ہیں اور ہم جو مسلمان ہیں' وہ نیچے جا رہے ہیں؟

جواب: اصولاً اس زمانے میں شکوک و شبہات اور جدید میٹرکس کا اتنا دباؤ ہے کہ ہر مسلمان اس شک کا شکار ہو جاتا ہے کہ خدا محض ایک تصور ہے جب میں نے کہا کہ جواب دہی کا محور و مرکز اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر وہ مسلمان جو بظاہر مسلمان ہے' ہم اس کو اس لیے مسلمان نہیں کہہ سکتے کہ اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے بلکہ جب بھی ہم تفصیلات میں جائیں گے تو پتہ چلے گا کہ جیسے کمیونزم یا سوشلزم کی تحریکیں اس معاشرے میں آئی ہیں اور دیکھتے دیکھتے دو کروڑ مسلمان سوشلسٹ یا کمیونسٹ ہو گئے' تو اس لحاظ سے جو اعتبار وہ اللہ پر رکھیں گے وہ فرضی اور تصوراتی ہوگا' حقیقی اور اصلی نہیں ہوگا۔ میں نے آپ سے یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کسی شک و شبہ' فریب اور بلا کا شکار رہوں۔ آپ کو اتنی تحقیق ضرور کرنی چاہیے کہ آپ اللہ کے بارے میں غور و فکر کریں۔ سوچیں سمجھیں۔ یہ اعتراضات مشرق و مغرب دونوں طرف سے اٹھتے ہیں۔ آپ ان کا جواز تلاش کریں' آپ ان کی سچائی کی جھلک دیکھیں پھر جو آپ کا اعتبار ایک ایسے ایمان پر ہوگا جس کا آپ دفاع کر سکیں گے' اس لئے کہ قرآن حکیم میں اللہ نے خود ایک بند ذہن کے ایمان کی انتہائی مذمت کی ہے اور فرمایا ہے کہ ان شر الدوآب عند اللہ الصم البکم الذین لایعقلون (۸ (الانفال):۲۲) کہ بدترین انسان میرے نزدیک وہ ہے جو غور و فکر نہیں کرتے' اندھے اور بہرے لوگوں کی طرح دین کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے' میری تسلیم کی تو یہ ن لولیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حی عن م بینۃ ط وان اللہ لسمیع علیم (۸ (الانفال) ۴۲) کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا' جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اب یہ سوال کہ آپ غریب ہیں اور اقوام عالم میں آپ کا درجہ کم ہے تو اس سے قطعاً مذہب کی غیر افادیت یا افادیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ وقت بہت پہلے بھی آ چکا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ فارملہ کے بازاروں سے گزرتے تھے تو ریشم و کمخواب اور بنات کی چادریں تنی ہوئی ہوتی تھیں اور گلہ بھی فرمایا حضور ﷺ نے کہ اے میرے پروردگار! کافروں کے تو بازار سازو سامان سے بھرے ہیں اور محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں تو حضور ﷺ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہل کفر و شرک

کے درودیوار چاندی کے کر دیتے ہیں' ان کی سیڑھیاں چاندی کی کردیتے اس لیے کہ اللہ نے اہل کفر سے کوئی وعدہ نہیں کیا مگر اس نے ایک جگہ پر فرمایا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ جب مجھے نہ ماننے والے حشر کے میدان اور روزِ حساب تک پہنچیں تو مجھ سے گلہ کریں کہ ہم نے تجھ کو نہ مانا تھا تو اتنا ماتو نے ہمیں دولتِ دنیا سے بھی محروم کر دیا۔

شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی

سوال: کیا شیخ کے بغیر تصوف میں کامیابی ہوسکتی ہے؟

جواب: شیخ کا جو بنیادی تصور ہے' وہ ایک قسم کا چرچ ہے۔ جیسے باقی مسلمانوں میں چرچ بنے ہوئے ہیں تو تصوف میں بھی چرچ پیدا ہوئے۔ سلاسل کی صورت میں۔ پیروں کی صورت میں۔ گدی نشینوں کی صورت میں۔ اور چونکہ اسلام میں کسی چرچ کا وجود نہیں اس لیے جذبہ خالص کے عروج میں اس کی حرکت میں اور وصالِ پروردگار میں کسی قسم کا کوئی چرچ حائل نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام میں جب تصوف تبع تابعین سے شروع ہوا اور جو تبع تابعین کے تمام مقتدر صوفیاء تھے ان کے کوئی مرشدین نہیں تھے بلکہ ایک اصطلاح جو ان کے لیے استعمال کی جاتی ہے' وہ صوفیائے الہیات تھی۔ جیسے رابعہ بصریؒ کا کوئی مرشد نہیں ہے۔ حسن بصریؒ نے اگرچہ حضرت حسن ابن علیؓ سے ہدایات لیں مگر اس کے باوجود بیعت و رشد کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ اسی طرح حبیب عجمیؒ ہیں۔ جنید بغدادیؒ نے براہ راست کچھ درس حضرت سری سقطیؒ سے لیے تو پہلی مرتبہ ہمیں پیر و مرشد کا ایک تعلق نظر آیا۔ بایزید بسطامیؒ کا کوئی مرشد نہیں۔ تو مرشد کا ہونا لازم نہیں ہے مگر جہاں علم میں کمی ہو اور معاملاتِ نفس پیچیدہ ہوں اور شدتِ حواس غالب ہوں' وہاں استادوں کی ضرورت اعتدال کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

مصروفیاتِ دنیا میں اللہ کیسے ترجیح اوّل ہو؟

سوال: آج کی اس مصروف دنیا میں سونے کا وقت ہمیں مکمل نہیں ملتا' اتنی محنت درکار ہے۔ آپ نے جو اللہ کو ترجیح اولیں بنانے کے لیے کہا' فی زمانہ اس کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ایک سپارہ جب شروع ہوا تو فرمایا کہ اتل ما اوحی الیک من الکتب و اقم الصلوٰۃ ' ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآء والمنکر ط ولذکر اللّٰہ اکبر (۲۹(العنکبوت)۴۵) کتاب کی تلاوت کرو اور امر اور نہی سے آگاہی حاصل کرو۔ دس منٹ لگتے ہوں گے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ایک وقت اور ایک دن میں قرآن ختم کردو۔ اللہ نے کہا کہ چلو تھوڑا سا وقت۔ اگر دن میں تمہیں کام بہت ہیں تو رات کو مجھے یاد کر لیا کرو۔ اب زمانے ہی تبدیل ہوگئے ہیں۔ دن ہی بارہ بجے شروع ہوں گے تو پھر آپ کیا کرو گے۔ مگر اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اگر دن کا آغاز سورج طلوع ہونے سے نہ ہو۔ تو دو ہی صورتیں ہیں' دن کے طلوع ہونے کی۔ ایک تو آپ سورج کو طلوع ہوتا ہوا دیکھیں اور ایک اپنی آنکھ کو کھلتا ہوا دیکھیں۔ فرض کرو کہ آپ کی آنکھ ہی گیارہ بارہ بجے کھلتی ہے تو اس وقت بھی آپ اس تھوڑے سے عرصے میں دس پندرہ منٹ اللہ کی کتاب کے لیے مخصوص کرلو۔ ایک صفحہ نہ سہی' خواہ آدھا

ورق کرلو۔ ایک قول مبارک۔ اصحاب رسولؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کبھی کبھی ایک ایک کو سارا سارا دن پڑھا کرتے تھے۔ اس پر غور کیا کرتے تھے۔

یہ سسٹم کی بات ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی مہذب ترین نظام کو دیکھیں تو کوئی بھی نظام ایسا نہیں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ پابندیاں نہ رکھتا ہو۔ چاہے وہ قطار میں کھڑا ہونا ہے۔ ان میں وقت بھی لگتا ہے۔ اگر آپ اللہ کو مانتے ہوں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ کے قوانین سے بیک وقت اتفاق کر رہے ہوں۔ کوئی سسٹم ایسا نہیں کہ جس سے لوگ اتفاق کر رہے ہوں۔ میں نے ایک امریکی سے پوچھا بھئی تمہیں آج کا اپنا نظام بڑا پسند ہے؟ کہا نہیں یہ انتہائی واہیات ہے۔ ہم نے تو انگریز کے خلاف اس لیے بغاوت کی تھی کہ انہوں نے بہت ٹیکس لگائے ہوئے تھے۔ آج ان لوگوں نے ہم پر وہی ٹیکس لگائے ہوئے ہیں۔

تو تمام سسٹم کو پسند نہیں کیا جا سکتا۔ نہ کوئی بندہ اس سارے سسٹم کو پسند کرتا ہے لیکن اگر ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں اور خداوند کریم کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں تو اس سسٹم میں جو واحد چیز ہماری زندگیوں میں مداخلت کرتی ہے، وہ نماز ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ نماز ہر حالت میں ہر انداز میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آپ اندازہ کرو کہ اس لازم ترین نماز میں بتیس رخصتیں ہیں۔

بعض اصحاب کے نزدیک بعض مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ہم اس لیے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ایک فقیہہ کہتا ہے کہ اڑتالیس میل پر کسر ہے۔ ایک فقیہہ کہتا ہے اٹھارہ میل پر کسر ہے۔ مگر جب ہم قرآن و حدیث کو براہِ راست پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر سے باہر نکلے تو حکم آ گیا، واپس آ جاؤ تو آپ نے کہا ٹھہرو میں کسر پڑھ لوں۔ تو اصحاب نے عرض کیا کہ علیؓ ابھی تو یہ مدینہ کے مکان نظر آ رہے ہیں، فرمایا ابھی ہم داخل تو نہیں ہوئے۔ اور اگر آپ فقہ عمرؓ کو اٹھا کر دیکھو تو حضرت عمرؓ ہر تین میل پر کسر کرتے تھے۔ اب اگر آپ کے ذہن میں ایک سادہ سا سوال ہو سوچنے سمجھنے اور دین کی فہم کا اور اگر میں آپ سے سوال کروں کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اٹھارہ میل پر کسر ہے اور ایک صاحب فرماتے ہیں نہیں، اڑتالیس میل پر کسر ہے تو سترہویں میل پر آپ کس حال میں تھے۔ سفر میں ہی تھے نا بھئی۔ بارہویں پر بھی سفر ہی میں تھے اور مجھے یہ بتایئے کہ ایک عام فہم سا سوال ہے کہ کسر سفر پر آتی ہے کہ میل پر آتی ہے تو پھر آپ کے بہت سارے مسائل جو ہیں غور و فکر سے اتنے آسان ہو جائیں گے کہ دین کبھی بھی آپ کو مشکل نہیں لگے گا۔

خداوند کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا ما انزلنا علیک القرآن لتشقی (۲۰(طہ):۲) ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا۔ اس چھوٹے سے دعویٰ کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں اگر تمام سسٹم بھی سہولتیں پیش کریں تو قرآن زندگی گزارنے کے لیے اس سے زیادہ سہولتیں پیش کرتا ہے لیکن اگر آپ کو اس دورِ حاضر میں قرآن کا عذاب پہنچ رہا ہے، تکالیف پہنچ رہی ہیں، سزائیں پہنچ رہی ہیں۔ اس کی آسانیاں نہیں پہنچ رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی فقہ ناقص ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ فہم و فراست جو آپ کو قرآن کی تفہیم کے لیے چاہیے، وہ ابھی پوری نہیں ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آج تو آپ زندہ ہو، ہمیں قرآن میں مشکلات ہوتی ہیں تو ہم تمہارے پاس چلے آتے ہیں اور تم سے پوچھ لیتے ہیں۔ کل جب تم نہیں ہو گے تو ہم قرآن کیسے سمجھیں گے۔ ذرا ملاحظہ

فرمایئے یہ سوال کہ ہم قرآن کیسے سمجھیں گے؟ کیا قرآن کو سمجھنا مشکل ہے؟ تراجم پڑے ہیں اور پھر ساری زندگیاں پڑی ہیں۔ پھر بھی وہ شخص سوال کر رہا ہے کہ آج تو تم زندہ ہو۔ تم فقیہہ ہو اور اگر تم کل کو نہ ہوئے تو ہم قرآن کو کیسے سمجھیں گے۔ فرمایا القرآن یفسر الزمان ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مسائل جدا ہوں گے۔

مسائل یہ کہ آپ جہاز میں بیٹھے ہوں۔ اگر فرض کرو کہ فقیہہ یہ کہتا ہے کہ فرائض نیچے اتر کے پڑھنے ہیں تو میرا خیال ہے کہ آپ جہاز سے بڑی آسانی سے نیچے اتر سکتے ہو اور ہمیشہ کے لیے نماز سے فارغ ہو سکتے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ ہم فقیہوں کو بطور فقیہہ ہی سمجھیں۔ پہلے ایک فقیہہ ایک قوم کا ہوتا تھا۔ ایک شہر کا ہوتا تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ اہل سنت فرماتے ہیں، ہمارے چار امام ہیں۔ اثنا عشری اپنا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر چار امام اہلِ سنت ہی کے ہیں تو ایک سنی دوسرے امام کی بات کیوں نہیں مانتا؟ حنفی جو ہے شافعی کی بات کیوں نہیں مانتا؟ شافعی جو ہے حنابلہ کی بات کیوں نہیں مانتا؟ مالکیہ کی کیوں نہیں مانتا؟ اس لیے کہ ہم نے آسانیاں حاصل کرنا نہیں سیکھا۔ ہم مذہب کو جنون کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ اگر اللہ مجھے ایک سہولت بخش رہا ہے، میں کتنا متکبر ہوں گا کہ اس سہولت کا انکار کروں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو قضا آئی ہے، یہ جو سفر آیا ہے، جس میں کمی بھی اللہ کے صدقات ہیں۔ میرا تجاہل دیکھو میں اللہ سے کہتا ہوں تیرا صدقہ مجھے قبول نہیں۔ ادھر اُدھر سے اپنے تقویٰ و طہارت کا ثبوت دینے کے لیے حضرت پوری نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی حماقتیں مذہب کو پیچیدہ کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا زمانہ جب گزر گیا تو حضرت عمر فاروقؓ بقید حیات تھے تو کسی نے پوچھا حرج کیا ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ یمن کے کسی چرواہے کو بلاؤ اور پوچھو کہ حرج کیا ہوتا ہے اور جب اسے بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ حرج کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا ہمارے ہاں جانور ایک جھاڑی کھاتے ہیں اور وہ جھاڑی کھانے چکنے کے قابل ہوتی ہے مگر اس کے اردگرد کانٹے اتنے اُگ آتے ہیں کہ جانور کی زبان، اس کے دانت اس ٹہنی تک نہیں پہنچتے۔ ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ اس کا مطلب بڑا واضح ہے کہ جب آپ کا دل علم کی بات قبول نہ کرے گا اور اس کے اردگرد مقامی علاقائی طبقہ ہائے فکر کے تعصبات کے انبار لگے ہوں گے تو رب کعبہ کی قسم ہے آپ کبھی علم حاصل نہیں کر سکتے۔

دنیا میں جن گناہوں سے ممانعت ہے جنت میں انہی کی ترغیب

سوال: خدا تعالیٰ کی یہ کیا حکمت ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے روکتا ہے، جنت میں انہی کا لالچ دے رہا ہے؟

جواب: ماشاءاللہ سوال بڑا خوبصورت اور فطری ہے مگر آپ کا سوال ہی آپ کا جواب ہے کہ اگر ایک شخص نے بدکاری کا دھیان آتے ہوئے اور موقع ملتے ہوئے اپنے آپ سے یہ کہا کہ اے اللہ! یہ فرد عمل مجھے بے پناہ مرغوب ہے مگر چونکہ تو نے دنیا میں ممانعت قرار دی ہے، میں اس کے بدلے جنت میں تجھ سے فراغت اسی عمل کی حاصل کروں گا۔

آپ کے تمام اعمال ترغیب وار ہیں جیسے تین بڑی کہکشائیں ہیں۔ ان میں سے ایک ایک جنت کی چوڑائی زمینوں اور آسمانوں کی طوالت سے زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساتوں کائناتیں جب ختم ہوتی ہیں تو ان کے اوپر

ایک ناقابلِ تصورحسن ہے۔ایک بےمثال خوبصورتی ہےاوراس میں خواہشات کےتوازن کواس طرح رکھا گیا ہے۔اب مجھے یہ بتایئے کہ زمین پر اگرطریقہ تولید یہ ہوجوہم میں ہےتو جنت میں طریقہ تولید کچھاوربھی توہوسکتا ہے۔ یہ جو ہماری دنیا ہے'اس قسم کی دنیا ہماری اس پوری گلیکسی میں وجودنہیں رکھتی ۔اس دنیا کو بنانے کے لیے غیرفطری قوانین بنائے گئے۔ یہ فطری قوانین نہیں ہیں۔آپ کی زندگی کے لیے پروردگارِعالم نے باقی گلیکسی آرڈر سے ہٹ کرقوانین بنائے۔اگرایک لاکھ میل سورج اِدھرہوجائےاورایک لاکھ میل سورج اُدھرہوجائےتو اِدھرزندگی جل جائے گی'اُدھرمنجمدہوجائے گی۔اگر چاند نہ ہوتوبہت سارے انسانی اعمال منفعل ہوجائیں۔اگرخداوندکریم نے انہی اطراف سے'انہی شعاعوں سے پہاڑوں میں دوارب سال پہلے سیسہ کوبلور(Crystal) میں نہ بدلا ہوتا تو آج آپ یورینیم نہیں نکال سکتے تھے۔تو یہ سارے حالات مصنوعی ہیں ۔اب سوال کاگمان اس چیز پر ہے کہ شاید یہی طرزِحیات وہاں موجودہوگا۔

جنت میں آپ قدیر ہوں گے۔آپ نے خیال کیا' آپ کو چیز مل گئی۔آپ نے پھلوں کا سوچا' پھل آپ کے پاس آ گئے۔ یہ تصرف فی الوجود آپ کو جنت میں عطا ہوگا کہ چاہوں تو درخت اگالوں' چاہوں تو ستر حوریں بنالوں۔ جو چاہے کرلوں۔جس طرح کی چاہےزندگی گزارلوں۔تمہیں اب تصرف فی الوجودعطاہوا ہےاوراتنی بڑی کہکشاؤں میں اس تصرف کےبغیرگزارہ بھی نہیں ہوسکتا۔فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے زندگی میں زبان سے ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہا'اس نے جنت میں اپنے گھر میں ایک درخت لگایا۔تو یہ تسبیحات یہ ذکرِالٰہی جو اب آپ کرتے ہواورجن سے آپ صلہ مانگتے ہو'اگرآپ نے اس دنیا کونہیں چھوڑنا اور وہاں بھی آپ نے اسی قسم کے صلے مانگنا ہیں تو سوبسم اللہ۔پھرجنت میں اللہ میاں آپ کوآزردہ تونہیں رہنے دے گا۔

خداشناس'صوفی یاولی کیسے پہچانا جائے؟

سوال: آج کےزمانے میں بہت سےایسےلوگ موجود ہیں جن کی بہت سی تصنیفات ہیں اورہزاروں لوگ جن کے پاس صبح وشام حاضر ہوتے ہیں۔وہ کیاطریقہ ہےجس سے پہچانا جاسکے کہ یہ شخص خداشناس ہے'صوفی یا ولی ہے؟

جواب: یہ دراصل بڑا مشکل سوال ہے۔ایک شخص نے مجھ سےبھی پوچھا تھا کہ کچھ توپڑھے لکھےلوگ ہیں' بڑاغوروفکرکرتے ہیں'خدا کے رستے کوپہنچ جاتے ہیں۔پھروہ شناخت کے قابل ہوجاتے ہیں اوراللہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے:

ان کی حریمِ ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگارِ پردہ در دیکھتے رہے

مگرجس شخص کواتنی اہلیت حاصل نہ ہو'اتنی شناخت حاصل نہ ہوتووہ کیا کرے گا تو میں نے کہا کہ دیکھو اخلاص'تجسس'وجدان کے رستوں کوکشادہ کرتا ہےاورحریمِ ناز تک پہنچاتا ہے۔اگرکسی شخص کو یہ خیال ہوکہ میں اس قابل نہیں ہوں توپھراس کوکوئی نہ کوئی خداشناس تلاش کرنا پڑتا ہےمگرمقاصدتودونوں کےایک ہیں۔جب آپ کا دل

مطمئن ہو کہ اس استاد سے ملی ہوئی راہ مجھے خدا کے قریب پہنچا رہی ہے تو وہ استاد ٹھیک ہے مگر جس استاد کو ملنے کے بعد یہ خیال ہو کہ میں اس استاد سے برسوں آگے کبھی بڑھ ہی نہیں سکتا اور اگر یہ تصورِ شیخ کی خرافات جو اگر آپ کے ذہن میں شامل ہو گئیں تو پھر لامحالہ آپ اپنے مقام سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان تمام باتوں کا فیصلہ وہ آرزو کرتی ہے جو آپ کے دل میں ہے۔ وہ آپ کی قوت فیصلہ کو متحرک کرتی ہے۔ فرض کرو آپ بیس برس ایک استاد علم و فکر کے ساتھ رہے اور بیس سال کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ میں تو خدا کے کہیں پاس بھی نہیں پہنچا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں حضرت کے پاس ہوں تو پھر میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ میرا یہ رستہ مناسب نہیں تھا۔

مجھے ایک صاحب ملے جو ایک بہت بڑے بزرگ اور دعویٰ کناں بزرگ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ مجھے دیکھیے جی کہ مجھ میں اہلیت شناخت موجود ہے۔ فرمایا کہ تم تو قطب کے مقام سے گزرنے والے ہو۔ حضرت فوراً بیعت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے قطب کی پہچان کی تو وہ صاحب قطب الاقطاب تھے۔ پھر آٹھ سال گزر گئے فرمایا حضرت وہ قطب والی بات تو میں نے اپنے میں کوئی بھی نہیں دیکھی۔ آپ نے تو فرمایا تھا کہ میں قطب کے مقام سے گزروں گا۔ انہوں نے کہا کہ بھئی ہم تو عطا کرتے تھے تم میں اہلیت ہی نہ تھی۔ اگر ہر مرشد گرامی نے آٹھ دس سال کے بعد آپ کو یہی کہہ دینا ہے تو میں آپ کو ایک بات بتا دوں' اس میں سال نہیں لگتے' مہینے نہیں لگتے۔ میں خدا کی طرف سے بڑی آسانی سے قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جس کا پہلا قدم اللہ کی راہ میں اٹھتا ہے خدا اسے پہلے قدم سے پہلے آن لیتا ہے۔

عالمِ دین کا انداز

سوال: نہ تو آپ نے داڑھی رکھی ہے نہ آپ کا لباس ویسا ہے۔ آپ کس طرح کے عالمِ دین ہیں؟

جواب: لاہور شہر کو میں اپنے لیے بڑا محترم جانتا ہوں کہ اس شہر میں ہمیں ابتدائی طالب علمی کی حالت میں تھا۔ بڑا گھومتا تھا' بہت پیدل چلا۔ بہت ساری حماقتوں سے گزرے۔ بہت ساری تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ تو میں نے اکثر خیال کیا کہ اللہ کو اس وقت میری کون سی چیز پسند آئی۔ میں نے پورے اٹھارہ سال لاہور میں کبھی شلوار قمیض نہیں پہنی۔ پتلون ہی میں رہے۔ جینز ہی میں رہے' سوٹ میں رہے۔ اب میرا اعتبار اس چیز سے اٹھ گیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ان اٹھارہ برسوں میں جہاں میں پروردگار کے حضور میں استعداد کرتا رہا اور میں نے علم و حکمت کا جو کچھ میرا حصہ تھا' میں نے اللہ کے حضور سے وصول کیا تو کیا وہ میرے شلوار قمیض اور میرے کوٹ پتلون پہننے سے ناراض ہو جائے گا یا میرے لباس کی تبدیلی سے وہ ناراض ہو جائے گا؟ یہ میرے ذہن میں آج تک نہیں آیا کہ کسی لباس کی قید میں تصوف بھی چھپا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کی نیتیں اور اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

معاف کیجیے گا میں آپ کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ نہ آپ میں سے کسی بزرگ کے مراتب کم کرنا چاہتا ہوں مگر میں آپ سے اتنا ضرور کہوں گا کہ میں انتہائی کٹر مسلمان ہوں اور یہ میں اس لحاظ سے کہتا ہوں کہ میں نے اتنا سوچ سمجھ کے اسلام قبول کیا ہے اور اتنے متضاد خیالات کے درمیان ایک سخت ترین چناؤ سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کہ میں خدا کی قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے مسلمان ہونے پر کسی طبقہ خیال کی معمولی سی آمیزش بھی گوارا نہیں۔ میں نہ دیوبندی' نہ

بریلوی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی قبر تک صرف مسلمان کی حیثیت سے پہنچ جاؤں تو میں حضرت علیؓ کی طرح موت کے وقت یہ کہنے میں کامیاب ہوں گا کہ خدا کی قسم میں آج کامیاب ہوا۔ اگر میں ایک مسلمان ہونے کے تشخص سے اپنی قبر تک پہنچ جاؤں۔

اللہ کے دوست صرف اسلام میں ہی کیوں؟

سوال: لوگوں نے آج کل اللہ کو ڈھونڈنے کے بہت سارے طریقے نکال رکھے ہیں جس میں یوگا وغیرہ شامل ہیں۔ اگر یہ سب خدا شناس ہیں تو مسلمانوں کا اس میں کیا درجہ ہے؟

جواب: میں قرآن کو مانتا ہوں۔ میں عیسائیت کو مانتا ہوں' میں بدھ ازم کو مانتا ہوں۔ میں ان سارے مذاہب کو مانتا ہوں۔ میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں توریت مانوں اور انجیل نہ مانوں۔ انجیل مانوں اور قرآن نہ مانوں۔ میرے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ میں قرآن کے بغیر مذہب کی تاریخ مکمل کر دوں۔ جب مجھے قرآن کو شامل کرنا ہے تو مجھے اس بات کی تصدیق حاصل کرنی ہے کہ قرآن ان آیات کو اپناتا ہے یا نہیں۔ قرآن کہتا ہے میں نہیں کہتا۔ ثم یحرفونہ من' بعد ما عقلوہ وھم یعلمون (۲(البقرہ):۷۵) ان میں کچھ سچ ہے' کچھ غلط ہے۔ ان کم بختوں نے دنیاوی وجاہتوں اور مال وعزت کی خاطر میری آیات بدل دی ہیں۔ اب میں ان کو نہیں اپناتا۔ میں اسی کتاب کو اپناؤں گا جس کے ایک ایک لفظ کی میں نے خود حفاظت کی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون (۱۵(الحجر):۹) یہ قرآن ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

آپ باقی مذہبوں میں مسیحائی کی کوئی گنجائش ڈھونڈتے ہیں کہ چلو یار کسی تبت کے لامہ کو ولی سمجھ لو۔ چلو کسی افریقہ کے شامان کو ولی سمجھ لیں مگر ایک چیز کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے بعد کسی مذہب میں کوئی اللہ کا دوست نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس لیے کہ پہلی مرتبہ اللہ کریم نے کہا ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران' آیت ۱۹) کہ اب ہمارے نزدیک صرف ایک دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ آگے جا کے اس کی مزید وضاحت فرمائی اور کہا و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (۱۳(آل عمران):۸۵) اگر اب تم میرے پاس اسلام کے علاوہ کوئی دین لے کے آئے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔

ایک شاعر کتنا ہی پیچیدہ ہو مدتیں گزر جائیں' طبع آزمائی کرتا کرتا کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی خوبصورت شعر کو تخلیق کر لیتا ہے۔

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

تو کہیں نہ کہیں کوئی ایسا شعر تخلیق کر لیتا ہے۔ ہر علم کا ایک تصوف ہے۔ وہ چاہے سائنس ہو۔ اس کا ایک سلسلہ مدارج ہے جس کا ایک اپنا مقام ہے۔ تمام علوم کی ایک ایسی ہی مخصوص حیثیت ہے۔ جب ہم تزکیہ نفس کرتے ہوئے تبت کے ایک لامہ کو دیکھتے ہیں کہ بیس ہزار فٹ کی اونچائی پر استغراق حاصل کر رہا ہے اشراق (Telepathy) کے لیے تو

ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے ارتقاء سے اتنا بلند ضرور ہو جائے گا کہ کوئی نہ کوئی صفت اس میں پیدا ہو جائے مگر تصوف نہیں ہے۔ تصوف میں اور ان تمام علوم میں ایک بنیادی فرق ہے۔ صوفی خدا کے لیے ہے' خدا کی خاطر اپنے نفس کے تمام ارتکازات کو ختم کرتا ہے اور باقی تمام جگہ میں جس کو آپ صوفی اشراقیہ کہتے ہیں' ایک تصوف ہے اور ایک صوفیانہ رویہ ہے۔ پُراسراریت جس کا ہر ذہن تمنا کرتا ہے' وہ چاہے یوگا میں ہو' لاماؤں اداروں میں ہو۔ وہاں لوگ کچھ قوتوں کے حصول کے لیے نفس کے حق میں ارتکاز کرتے ہیں اور تصوف میں واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى (سورۃ النزعت' آیت ۴۰) خدا کی حمایت میں نفس کے خلاف ارتکاز ہوتا ہے۔

یہ بہت بڑا فرق ہے جو آپ کے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ صوفی خدا کے حق میں نفس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور باقی تمام علوم کے ارتکاز میں لوگ اپنے حق میں نفس کے ارتکاز میں جاتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے کوئی صوفی نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایسے ہی سلسلے کے ایک شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بڑی بڑی روحوں کو جمع کرتے ہیں۔ پھر ایک دن تشریف لائے' فرمایا کہ کل ہم نے آپ کے حضور ﷺ کو بلایا تھا۔ میں نے کہا' سبحان اللہ ہمارے رسول ﷺ کو بلایا تھا؟ یہ ارواح کو جمع کرنے کے اس قسم کے تمام چمتکار اس بکھرے ہوئے ذہن کی پیداوار ہیں کہ جب وہ سچائی کو نہیں پاتا تو' جب ایک شخص اپنے مرشد کی بائیس برس ریاضت کرتا ہے' عبادت کرتا ہے اور آخر میں اس کو انکشاف ہوتا ہے کہ مرشد تو بالکل خالی ہے۔ میں تو بالکل ہی جھک مارتا رہا تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد خالی ہے' وہ یہ نہیں کہے گا کہ میرا مرشد بے کار نکلا' احمق نکلا بلکہ وہی لبادہ مکروفریب جو اس کے استاد نے پہنا ہوا ہے' وہ اپنے اوپر پہن لیتا ہے تاکہ رسم مکروفریب آگے چل سکے۔

کیا مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

سوال: ایک شخص ایمانداری سے اپنی زندگی میں نماز پڑھتا ہے' روزہ رکھتا ہے' زکوٰۃ دیتا ہے اور پوری ایمانداری سے قرآن سمجھنے کی بھی کوشش کرتا ہے' لیکن جب اس کی زندگی میں فیصلے کا کوئی وقت آتا ہے جیسے بیٹی کی شادی' دوسری شادی' تقسیم جائیداد' جہاں پر وہ اپنے خاندان کو یا اپنے معاشرے کی پیروی کرتا ہے تو کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ مذہب بنیادی طور پر Impractical ہے؟

جواب: میں نے لیکچر بھی اسی بات پر دیا ہے کہ سارا اسلام Literal ہے' پریکٹیکل نہیں ہے۔ بلکہ کلمہ پڑھنے کے بعد مسلمان کی جدوجہد ہی یہی ہوتی ہے کہ میں Literal سے پریکٹیکل کو آؤں۔ جو میرا ایمان ہے۔ اگر میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں تو پھر اسے میرے جھوٹ میں مداخلت کرنی چاہیے۔ میرے قبضہ غاصبانہ میں اسے مداخلت کرنی چاہیے۔ میں اگر اللہ کو جوابدہ ہوں تو میرے رشتوں ناطوں میں اللہ کو مداخلت کرنی چاہیے۔

یہ میرے ایمان کی بات ہے کہ ایک دفعہ ایسے ہی ہوا۔ میری بہن کی شادی تھی اور ایک مجلس بیٹھی ہوئی تھی تو مجھے کسی نے آ کے کہا کہ میری بہن اس شادی پر ناخوش ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل نہیں۔

ادھر تین سو چار سو مہمان آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کیا تمہیں پورا یقین ہے؟ تو اس نے پھر کہا' وہ راضی

نہیں۔ یہ سن کر میں بہن کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم اس شادی پر راضی نہیں' لیکن خدا نے تمہیں یہ حق بخشا ہے اور میں تمہیں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ تین سو مہمان میری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے' یہ کھائیں پئیں گے۔ وہ میرے مہمان ہیں۔ وہ کھا پی کر چلے جائیں گے مگر تیرے بارے میں میں زیادتی نہیں کر سکتا۔ تو میرے بڑے بزرگ آ گئے اور اُن سب نے کہا' ''جی نہیں' نہیں جی! ایسی طرح ہونداای اے۔'' میں نے کہا دیکھیں۔ ایک بات آپ کو بتا دوں۔ تمہاری بزرگیاں دجل وفریب پر مشتمل ہیں۔ اب ایک طرف خدا کا قانون کھڑا ہے اور ایک طرف تمہاری بزرگیاں۔ اور قرآن میں اللہ نے مجھے وضاحت سے حکم دیا اور میں اس وقت اس کا پیٹرن ہوں اور مجھے اللہ نے کہا کہ اگر تمہارا باپ اور بھائی بھی غلط بات کرنے کو کہیں تو اللہ کی ماننا' ان کی نہ ماننا۔ یہ سن کر سب چپ ہو گئے۔

اگر آپ اتنا فیصلہ کر لو کہ دن میں ایک ہی بات اللہ کی ماننا ہے تو آپ اچھے مسلمان بن جاؤ گے۔ صرف ایک بات۔ ایک صدقہ' ایک خیرات۔ ایک اچھی بات۔ آپ اگر اتنا ہی فیصلہ کر لیں۔ ابتداء میں تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے کہ میں نے تو صرف ایک مسئلے پر اللہ کی بات ماننا ہے۔

جہاد

سوال: جہاد اور تشدد میں کیا فرق ہے؟

جواب: جہاد کی اسباب کے ساتھ اپنے سے بالاتر قوتوں سے جنگ کرنا اور اپنی کمی اسباب کو خدا کی مدد سے پورا کرنے کا نام ہے اور جو دہشت گردی ہے' یا انسانوں کا اپنی جبلتوں کے تحت انسانوں کو جواب ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق بجانب ہے مگر اسلام کے نقطۂ نظر سے نہیں۔

جب آپ ایک گھر کو لوٹتے ہوئے اسے تباہ کرتے ہوئے برباد کرتے ہو۔ ان کے غم وغصہ کی پروا نہیں کرتے ہو تو پھر ان میں سے کوئی چنگاری آپ کے خرمن کو بھسم کر جائے تو عین ممکن اور جائز ہے۔ آپ تھوڑے سے عرصے کے لیے تو کسی کو ذلیل ورسوا کر سکتے ہو مگر ایک طویل عرصے کے لیے کسی بھی قوم کو ذلیل ورسوا نہیں کر سکتے۔ اس کا ردِ عمل آپ سے زیادہ خوفناک صورت میں سامنے آ سکتا ہے مگر اسلام اس قسم کی کسی بھی چیز کی حمایت نہیں کرتا۔ اسلام انقلاب نہیں' ارتقاء ہے۔ اسلام دہشت گرد نہیں تیار کرتا ایک پوری قوم جہاد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اسلام میں فرد کی اس طرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات ایک پوری قوم کو ایک ایسی جدوجہد کے لیے تیار کرتی ہے' جو بالآخر فاتح عالم ہوتے ہیں۔

میں آپ کو جنرل ٹومی فرینکس کا اقرار سنا رہا ہوں کہ ہم نے عراق جنگ پیسے دے کے جیتی۔ ہم نے عراقی فوجیوں اور جرنیلوں کو رشوتیں دیں اور ان سے گارنٹی طلب کی ہے کہ جنگ کی صورت میں آپ کس کا ساتھ دو گے تو انہوں نے پیسے لے کے ہمیں عہد دیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کا ساتھ دیں گے۔ اس کے نمائندے جو ہیں' ہم انہیں مسلمان کہتے ہیں۔

اسلام تو اس چیز کا قائل ہے کہ آپ کے اندر خدائی شعور ایک خدائی محبت پیدا ہو۔ ایمان کی دو بڑی علامات یہ ہیں کہ اگر جنگ لڑو تو اللہ کے لیے۔ دشمنی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوستی رکھو تو اللہ کے لیے۔ اور دوسری علامت یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اپنی جان سے' اپنے مال ودولت سے' اپنے اثاثوں سے' اپنی آل اولاد سے زیادہ ہو۔ میرا خیال ہے ہمیں

بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم ایمان کی ان دوقسموں کے ساتھ کہیں موجود ہیں یا نہیں۔ خدا کے انتخاب کرتے ہوتے ہیں۔

تفسیرِ قرآن

سوال: میں مذہب کو جہاں آج سے سوسال پہلے دیکھتا ہوں تفرقے کے لحاظ سے، جماعتوں کے لحاظ سے، مکتب اور مسلک کے لحاظ سے۔ آج بھی اس کو وہیں دیکھتا ہوں۔ کیا کوئی ایسی تفسیر قرآن موجود ہے جس سے سب استفادہ کر سکیں؟

جواب: موصوف نے بڑا صحیح مسئلہ پیش کیا ہے اور چونکہ فرقے بھی اتنے زیادہ ہو گئے ہیں۔ مگر باتیں اتنی زیادہ ہو گئیں کہ جب ہم کسی تفسیر کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بڑی مشکل پڑتی ہے۔ اس کا ایک بہت سادہ سا حل جو میں نے اپنی زندگی کی ابتداء میں ڈھونڈا تھا وہ یہ ہے کہ میں نے قرآن کو اس طرح دیکھنے کی کوشش کی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ دیکھا کرتے تھے۔

خوش قسمتی سے ہمارے پاس احادیث موجود ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ کے رویے موجود ہیں اور وہ اتنے مکمل ہیں کہ اس کے بعد قرآن حکیم میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قرآن اب بھی موجود ہے جس کو تفسیر بالحدیث کہتے ہیں۔ یہ "فوائد سلفیہ" کے نام سے بھی مشہور ہیں اور "اشرف الحواشی" بھی اسے کہتے ہیں۔ اس میں قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے ساتھ بالکل اسی طرح تفسیر تھی، جس طرح رسول اللہ ﷺ سے اصحاب نے سیکھی، لیکن جب اس کے نیچے آیا تو وحید الزمان وحیدی کی تفسیر تھی۔ میں نے کوشش یہ کی کہ صرف اس تفسیر تک رہوں جیسے اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کو سمجھا تھا تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس کے بعد سے ابھی تک کوئی قرآن کی تفہیم میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ آپ اس تفسیر کو دیکھ لیں تو بہت سارے آپ کے شکوک و شبہات ان شاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیں گے۔ آپ فرقہ وارانہ تفاسیر نہ پڑھو۔ آپ صرف وہاں تک رہو جیسے اصحاب اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے تو آپ کو خاصی وضاحتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

غیبت

سوال: غیبت کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے؟

جواب: غیبت غیاب سے ہے۔ پورے کے پورے غیبت کے باب میں صرف ایک معافی ہے کہ اگر کوئی مظلوم کسی ظالم کی غیبت کرے تو اس کی اجازت ہے اور کسی کو نہیں۔ وہ اگر پکار کر کہے یا چھپا کے کہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک اور گنجائش کی ہے۔ اس سے کم از کم صحافیوں کے لیے گنجائش موجود ہے کہ حاکم وقت کی خطا کاریوں کا تذکرہ کرنا اور ان پر ناراضگی کا اظہار کرنا۔ یہ غیبت بھی معاف ہے۔

اصل میں غیبت ان گناہوں میں سے ہے کہ جو باطنی رجحانات کو مسخ کر دیتے ہیں۔ غیبت مقدر پر شکوہ طرازی کا نام ہے۔ غیبت مقابلتاً اس تقدیر پر اعتراض کرنا ہے جو آپ کی بجائے کسی اور کے نصیب میں ہے۔ صفاتی اور عددی اعتبار

سے غیبت ظاہر گناہوں سے بہت بڑا گناہ ہے۔ غیبت والا ہمیشہ خدا سے غیاب میں رہتا ہے اور کبھی اس کی حضوری کی صفات نہیں پاتا، اس لیے یہ بڑے گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔

لوگ بعض اوقات تفنن کی خاطر غیبت کی نشستیں جما لیتے ہیں مگر ایک بات یاد رکھیے گا کہ آمنے سامنے بیٹھ کے ایک دوسرے کو تفنن کی خاطر صفات گنوا دیں یا خرابیاں بتا دیں، اس کو غیبت نہیں کہا جائے گا۔ ایسی غیبت جس کا اس کو پتہ ہے کہ میری غیبت اس ضمن میں ہو رہی ہے، اس کو غیبت نہیں کہتے، لیکن معاملہ نازک ہے۔ اس میں اصل نقصان یہ ہے کہ غیبت کرنے والا دوسرے بندے سے اس چیز کا گلہ کر رہا ہوتا ہے جو خدا نے اسے عطا کی ہوتی ہے اور یہ ناشکرگزاری اور تقدیر کا گلہ ہوتا ہے، اس لیے یہ بدترین قسم کے گناہوں میں آتا ہے۔

مہدیؑ اور دجال

سوال: مہدی اور دجال کا کیا تصور ہے؟ کیا زمانہ حاضر میں امریکہ اور انگلینڈ کو دجال کہا جا سکتا ہے؟

جواب: اگر آپ اجازت دیں، میں دوبارہ آؤں گا۔ یہ تا بڑا موضوع ہے کہ اس پر معمولی سی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ مختصراً آپ کو بتا سکتا ہوں۔ امریکہ میں ایک ڈاکٹر تھے۔ ان کا نام شریف یا شبیر تھا۔ انہوں نے جملہ احادیث متعلقہ مہدی سے انکار کر دیا کہ اس قسم کی احادیث موجود ہی نہیں۔ احادیث میں مہدی کا جو تصور موجود ہے، وہ غلط ہے۔ اصولاً دیکھا جائے تو شاید ڈاکٹر صاحب کے علم میں بھی یہ بات ہو کہ تاریخ بھی اپنے اعمال مسلسل دہراتی ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اور باقی تاریخِ عالم میں بھی جب بحران بڑھ جائے، قحط الرجال ہو جائے معاشرے برباد ہونا شروع ہو جائیں تو لازماً کسی ایسی شخصیت کا ظہور پذیر ہونا جو معاملات کو درستگی کی طرف لے جائے، ایک قدرتی امر ہے۔ مہدی تو میں ہوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو مہدی امت محمد ﷺ میں ہیں۔ مصر، روم، یونان، پاکستان اور بھارت میں نہیں ہیں۔ مہدی امت محمد ﷺ میں سے ہیں اور جب اُمت محمدیہ ﷺ کو اپنی رسوائی کا احساس ہوگا، بربادیوں کا احساس ہوگا تو مہدی کا ظہور ہو سکتا ہے۔ فی الحال تو اُمت محمدیہ ﷺ کا ایک حصہ دوسرے کی بربادی پر خوش ہے۔ فی الحال تو وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی مہدی کے آنے میں کچھ وقت ہو سکتا ہے مگر جب امت محمدیہ ﷺ اس افسوسناک مراحل سے گزرے گی اور مہدی کی آرزو کرے گی تو ایسا ممکن ہے۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ مہدی کب آئیں گے؟ تو انہوں نے ایک بڑی خوبصورت مثال دی، فرمایا اس دلہن کی طرح جو شب زفاف اپنے خاوند کا انتظار کرتی ہے اور بے شمار آرزوؤں سے گزرتی ہے کہ پتہ نہیں میرا خاوند کیسا نکلے۔

جب مسلمان اتنی آرزو لے کر مہدی کی آرزو کریں گے، وہ تب آئیں گے۔ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں آئیں گے۔ اور ویسے بھی ایران کے مہدی کو پاکستانی نہیں مانیں گے اور سعودی والے پاکستانی مہدی کو نہیں مانیں گے۔ ابھی کچھ زوال و رباقی ہے اور ابھی مہدی کا جمال باقی ہے۔

[1]اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں اس جدوجہد میں مسلمانوں کا سردار ایک نیک مسلمان ہوگا۔ اس

(1) جواب کا یہ حصہ پاکستان آرمی والے لیکچر سے لیا گیا ہے۔

وقت تو شاید بدترین حاکم ہیں اور جو آخری ہوگا تو وہ ٹھیک ہوگا۔ خدا اس آخری مسلمان کو چھپائے گا۔ ظاہر ہے اللہ کو چھپانا تو پڑتا ہے۔ فرض کریں ایف۔بی۔ آئی کو پتہ چل جائے تو وہ پاکستان میں کسی بھی مسلمان کو اٹھا کر لے جا سکتے ہیں تو مہدی بیچارہ بھی مارا جائے گا مگر خدا کی مخبری کا نظام بالکل مکمل ہے۔ وہ وقت سے پہلے اس آدمی کو دنیائے اسلام میں رسوا نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ اور دجال کی باتیں ہیں مگر یہ بہت بڑا موضوع ہے اور میں تھوڑے عرصے میں اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکوں گا۔

تصویر کشی

سوال: تصویر کشی اور سنگ تراشی پر دورِ حاضر کے مطابق وضاحت فرمائیے کہ کیا یہ اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شروع شروع میں تصویر کشی اس لیے حرام ہوئی کہ عرب کا ایک شخص صحرا سے گزر رہا تھا تو اسے ایک خوبصورت منقش پتھر نظر آیا۔ اس کا نام عمرو بن لُحی تھا تو اس نے وہ پتھر اٹھایا۔ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اسے معزز ترین پتھر سمجھا۔ پھر رفتہ رفتہ اسے کعبہ میں نصب کر دیا۔ جب لوگوں نے وہ خوبصورت پتھر دیکھا تو اس کی پرستش شروع کر دی۔ پھر جس قسم کے پتھر ان کی رغبتوں میں آتے تھے کوئی ہبل بنا' کوئی لات' کوئی منات اور اس طرح یہ سلسلہ ہائے اصنام شروع ہو گیا۔

ایک تو انسان آج اتنا بالغ نظر ہو چکا ہے کہ شاید پتھروں سے خدا اس نے بنانے بند کر دیے ہیں مگر میں جیسے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ کا ملک دیکھتے ہیں تو اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو اتنی خوفناک مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز دیکھتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ انسانوں میں ابھی بت پرستی کا رجحان ختم نہیں ہوئے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

There is such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology is possible. If no mythology is possible, you cannot draw.

حضور ﷺ کے زمانے میں بھی منقش تصویروں والے پردے تھے۔ پھر وہ پردے ہٹا دیے گئے کیونکہ ان سے شرک کی بُو آتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وقت تھا کہ پورا عرب قدیم بت پرستی سے اسلام کی جانب مڑا تھا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتحال میں بڑے محتاط تھے کہ ایسی کوئی بھی صورت نہ ہو کہ یہ لوگ کسی بھی چیز کا سہارا لے کر دوبارہ بت پرستی کو پلٹ جائیں۔ بعد میں عباسیوں اور امیوں کے ادوار میں تصویر کشی کی اجازت دے دی گئی۔

آپ کی دوسری بات یہ کہ Body Vision کیا درست ہے یا نہیں ہے۔ ایک عام انسان کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ

اگر تو ایک Objectivity کسی بھی چیز میں ایسی پہنچ سکتی ہے کہ جس جسم کو آپ Draw کر رہے ہو اس کا

معمولی یا غیر معمولی اثر آرٹسٹ پر نہ آئے۔ تو پھر میرا خیال ہے بات مناسب لگتی ہے لیکن اگر دنیاوی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بات غیر ممکن بھی لگتی ہے۔ اگر کسی قسم کا تعلق تصویر میں اور تصویر کش میں موجود ہے کوئی رغبت' محبت' کوئی اُنس ہے جس کی وجہ سے وہ تصویر کھینچ رہا ہے اور وہ شرعاً اور اخلاقاً ایک دوسرے کے مخالف ہیں تو پھر اتنی احتیاط تو کرنی پڑے گی جتنی اللہ آپ کو بتاتا ہے۔ ان پر کوئی اتنے بڑے الزام نہیں لگتے۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ فقہ اسلامی میں اگر دو غیر محرم اس درجہ بھی قریب ہوں کہ وہ یکجا ہوں تو بھی ان پر وہ الزام نہیں لگتا جو عام طور پر کسی بڑی سزا کا ہوتا ہے۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ فرد سے فرد تک' آدمی سے آدمی تک اور Situation سے Situation تک اس حکم کا اطلاق مختلف انداز سے ہوگا۔

حضور ﷺ سے پہلے بھی تصاویر تھیں۔ ان کو تصاویر نہیں تماثیل کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ جنوں سے اپنی تماثیل بنوایا کرتے تھے اور قرآن حکیم ان کا منفی طریقے سے ذکر نہیں کرتا۔ حکومتِ سلیمانؑ اور شوکتِ سلیمانؑ ظاہر کرنے میں قرآن کی آیت موجود ہے کہ اللہ کے وہ نبی جنوں سے کام لیتے تھے اور تماثیل بنوایا کرتے تھے۔ ایسی تصاویر کشی کرایا کرتے تھے تو اس میں اس قسم کی کوئی ممانعت نہیں۔ واحد ممانعت جو موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہے اور وہ اس وجہ سے کہ عرب بڑے تازہ تازہ بت پرستی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور خدا کے رسول ﷺ اس بات میں محتاط تھے کہ ان کو کوئی چیز دوبارہ بت پرستی پر مائل نہ کرے اس لئے ہر قسم کے ایسے آثار کی ممانعت فرمائی۔

اسلام اور عصرِ حاضر، عروج یا زوال؟

☆ لیکچر

سوالات و جوابات

☆ مذہب اور اخلاقیات

☆ دعا

☆ قرآن کے تلفظ کی ادائیگی

☆ پاکستان اور اسلام

☆ مسلمانوں کے زوال کی وجوہات

☆ خدا سے محبت یا ڈر

☆ یہ لیکچر 16 مئی 2003ء سونی اسکوائر سیالکوٹ میں ہوا۔

اسلام اور عصر حاضر' عروج یا زوال؟

خواتین وحضرات! سیالکوٹ آنے کا یہ تیسرا یا چوتھا موقع ہے۔ اپنی طرف سے جو بہترین خیال میں نے پائے بہترین بات اور بہترین مشورے جو ممکن تھے آئندہ آنے والے وقتوں کے لیے' آپ کی نذر کیے۔ یہ اتفاق کی بات نہیں ہے بلکہ جب میں آخری مرتبہ متقابل نظریات پر گفتگو کر رہا تھا تو اس وقت میں نے حضرات سے عرض کیا تھا کہ جس دن اہلِ مغرب میں سے کوئی ملک' کوئی فرد انسان کی ہوبہو نقل بنانے کے قابل ہو گیا تو آپ یہ سمجھئے گا کہ عصرِ دجال شروع ہو گیا۔ اس کے پورے نو مہینے کے بعد کلوننگ آ گئی۔ اسی موقع پر قرآن حکیم ہی کے مطالعے سے وہ تمام باتیں وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے کسی اہلِ دل یا اہلِ نظر کا ہونا ضروری نہیں' بلکہ ذرا سا غور وفکر' ذرا سا مطالعہ' ذرا سی جانچ پرکھ آپ کو بڑی آسانی سے اس ہنگامہ کبریٰ تک' جہاں تک انسان نے جانا ہے۔ ایک ایک واقعہ' ایک ایک حادثہ' ایک ایک ترقی' ایک ایک کمی' ایک ایک بیشی' اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ہم پر واضح کر دی۔ مگر ہوتا یہ ہے جیسے ایک مغربی مفکر نے کہا کہ عجیب سی بات ہے کہ:

Where there is oil, there is Muslim, and where is Muslim, there is oil.

بڑی حسرت سے اس نے کہا کہ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ جہاں مسلمان ہے وہاں تیل ہے اور جہاں تیل ہے وہاں مسلمان ہے۔ برا نہ منایئے گا۔ میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ آپ کی توجہ اس سے بالکل الگ حقیقت کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں مسلمان ہے' وہاں وہاں اسلام کوئی نہیں اور جہاں جہاں اسلام ہے وہاں مسلمان کوئی نہیں۔ یہ تفاوت' یہ دوری اس وجہ سے زیادہ پیدا ہو گئی کہ وہ مذہب جو عروج و زوال سے بے نیاز تھا۔ وہ مذہب جس کو اپنے زوال کے وقت اتنی عزتیں اور عظمتیں حاصل تھیں کہ اس کے اعداء اور اس کے دشمن اس نازک وقت میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ کرتے گھبراتے تھے۔ ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں کہ ابن ابی عامر جو اسپین کی جھاڑیوں پر چار ہا تھا۔ مورخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دو سو سال کے بعد بھی کسی قسطلہ کے نائٹ' کسی شہزادے اور کسی طلیطلہ کے عیسائی بادشاہ کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ جھنڈا اتارے مگر پھر خواتین وحضرات! کہتے ہیں کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد تھے اور یہ ہم ہیں کہ سوچے سمجھے طریقے سے انتہائی غور وفکر کے ساتھ ایک مسلسل حوصلہ شکن پروپیگنڈہ تمام مسلم امہ میں جاری ہے اور وہ اس لیے ہے کہ یہ وہ فاقہ کش جو کبھی کبھی روحِ محمد ﷺ کی وجہ سے جاگ جاتے ہیں' وہ فاقہ کش کہ شاید کسی وقت حمیتِ اسلامیہ کی وجہ سے جاگ پڑیں۔ ان کو اتنا ڈرا دو' ان کو اتنا مغلوب کر دو کہ یہ کبھی غالب آنے کا نہ سوچیں۔ یہ کبھی اپنے عروج کی داستان نہ

دہرائیں مگر خواتین و حضرات! چاہے کچھ ہو، تاریخ اپنے ادوار سے گزرتی ہے۔ زمانہ پھر اسی مقام پر آجاتا ہے جہاں سے وہ پہلے کبھی گزرا ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس قسم کی عظمت کی داستانیں جو ہماری طرف یورپ اور دوسرے ممالک کی یا امریکہ کی بکھری ہوئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ ممالک عروجِ اسلام سے بہت خوفزدہ ہیں اور تمام تر کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں جو چند ایک ایسے تصورات ہیں جیسے تصورِ مہدی اور تصورِ ظہورِ مسیح۔ یہ تمام تصورات غلط ثابت کر کے، خوش کن خواہش کا سراب ثابت کر کے ان کو ایک آرزوئے معطل ثابت کر دیا جائے تاکہ مسلمان کسی بھی قسم کے عروج کو ترک کر کے اس وقت غلامی کی وہ سند بخوشی قبول کر لیں جو امریکہ، یورپ اور بڑے ممالک اسلام کی گردن میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

مگر میں اب آپ کو بڑے نئے انداز سے ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ جو آدمی ابنارمل یا ''سب نارمل'' ہے، وہ نارمل نہیں ہے تو ہم سب نارمل اس کو کہیں گے جس کو آپ معذوری کہتے ہیں، جو معمولی سا بھی اپنی حرکات و سکنات کو قابو نہیں رکھ سکتا اور جس کا برین کنٹرول ہمیشہ خراب رہتا ہے۔ دوسری طرف ایک ابنارمل ہے کہ جس کی رفتارِ ذہن تیز نہیں ہوتی اور جب اس کی رفتارِ ذہن تیز ہو جائے تو اس کے عملی Incidence آہستہ ہو جاتے ہیں اور وہ ایک ایسے مرض کا شکار ہو جاتا ہے جسے آپ پراگندہ ذہنی (Schizophrenia) کہتے ہیں اور یہ پراگندہ ذہنی اس کی زندگی تضادات سے بھر دیتی ہے اور وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ وہ عام انسانوں میں زندہ رہنے کے قابل نہیں رہتا اور خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے علاج کتنے مخصوص اور متعین ہیں۔ کسی مریض کو پرانے زمانے میں انا لکا کے مرچوں کی دھونی دی جاتی تھی اور آج کے زمانے میں اسے بجلی کے جھٹکے دیے جاتے ہیں۔ اگر سچ پوچھئے تو پرانے پیر فقیر اور آج کا ڈاکٹر ایک ہی کام کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس تیز رفتار دماغ کو کسی بھی طریقے سے آہستہ کیا جائے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسے سُلا دیا جائے اور اتنا سُلا دیا جائے کہ اس نیند میں اس کے تخیل کا نظام رک جائے اور شاید وہ واپس پلٹنا شروع کر دے۔ جب وہ بے قابو ہو جائے تو اسے بجلی کے جھٹکے دیے جائیں۔ خواتین و حضرات! اس بے قاعدگی (Anomaly) کو یاد رکھیے گا۔ اب آپ دیکھیے کہ دو ارب سال سے انسان زمین پر موجود ہے مگر اس کا جو تشخص بحیثیت آدم کے ہے، وہ صرف چالیس ہزار برس کا ہے۔ پتھر کے نئے زمانے سے پہلے ہم آدمی کو اس طرح نہیں جانتے۔

ہمیں بڑی مشکل ہے اس آدمی کو آدمی کہنا۔ وہ انسان ضرور ہے مگر اسے آدمی کہنا بڑا مشکل لگتا ہے اور چالیس ہزار برس ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اچانک یہی انسان آدمی بن کے بستیاں بسا رہا ہے۔ بچے پال رہا ہے۔ طریقے سے حکومت چلا رہا ہے اور وہ ایک ایسی قسم کا اجراء کر رہا ہے اور ایسے انسان تخلیق ہو رہے ہیں جو مسلسل باشعور سوچنے والے اور جن میں عقل کی نما ئندگی جاری ہے مگر خواتین و حضرات! اس چالیس ہزار سال پرانے انسان کو اس نسلِ آدم کو اللہ نے آہستہ آہستہ اسی طرح بالغ کیا جس طرح آج آپ اپنے بچے کو بالغ کرتے ہیں۔ جب یہ پیدا ہوا، معصوم ہوا، حدِ شعور تک پہنچا جس طرح آپ کسی بھی بے شعور بچے پر وہ بوجھ نہیں ڈالتے جو اس کی شعوری کاوشوں کا ہوتا ہے، اسی لیے چودہ برس تک شرع ساکت ہوگی کہ یہ معصوم جان ابھی اچھے بُرے کی تمیز نہیں کر پایا۔ اس کا دماغ بھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے مسائل، اپنے گناہ و ثواب اور اپنے اخلاق و کردار کا کوئی اچھا تعین کر سکے۔ اسی طرح نسلِ انسان بھی ابتدائے حال سے گزری اور

رفتہ رفتہ کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین اس کو ایک ایک قانون خداوند دیا گیا حتیٰ کہ انسان کا ذہن اس قابل ہو گیا کہ وہ پورے قانون کو برداشت کر سکتا۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب انسان جو بے معجزات کے شوق سے آگے گزرتا ہوا حیرت کے انکشافات سے آگے گزرتا ہوا نہ ہمیں موسیٰ کی طرح نئے معجزات دکھا رہا ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرح غیر عقلی مظاہرات دکھائے جا رہے ہیں بلکہ اب اس کو اس قابل سمجھا گیا کہ یہ اپنے معاملاتِ زندگی پر اپنی شعوری کاوشوں کے ذریعے بڑا سوچ سمجھ کے فیصلہ دے سکتا ہے تو اس موقع پر اللہ کی طرف سے پورا پیغام اسے دے دیا گیا۔ اسے قرآن دے دیا گیا اور اسے محمد رسول اللہ ﷺ عطا کر دیے گئے۔

پہلے تو یہ تھا کہ جبلت عقل پر حکمران تھی، اب یہ ہوا کہ عقل جبلت پر حکمران ہو گئی اور انسانی ذہنوں نے بڑی تیزی سے سوچنا شروع کر دیا مگر اس کے باوجود اگر آپ اچھے طالب علم ہیں تو آپ کو پتہ ہو گا کہ چالیس ہزار برس میں بھی دو سو برس پہلے تک کا انسان سست، کاہل الوجود اور کسی قسم کی اخلاقیات سے عاری لگتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت بڑا فلسفی ہے، دانشور ہے، اگرچہ ان میں ابن الہیثم جیسے لوگ بھی ہیں۔ ابن حیان جیسے لوگ بھی ہیں اور افلاطون، ارسطو بھی ہیں مگر مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو ایجادات کی بھرمار کی یہ دنیا وہاں پائی نہیں جاتی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ پوری نسل انسان ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو گئی۔ ایسی تیزی سے اس کے دماغ نے سوچنا شروع کیا، اتنی سرعت آ گئی اس کے فکر کے انجاز میں، اتنی برق رفتاری آ گئی انسانی ذہن کی ترقیاتی سکیموں میں کہ یہ انسان ان تمام انسانوں سے انوکھا، علیحدہ اور مختلف ہو گیا۔

جس ہستی کو بھی خوابِ عظمت کا المیہ ہو جائے، وہ دوسروں کی عظمت پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے اور آج کے انسان کو بھی یہ بہت بڑا المیہ درپیش ہے کہ وہ اس عقل و معرفت کی وجہ سے، جو اس کے ذہن میں آئی، نارمل نہیں ہے۔ اب بھی انسان کی یہ ترقی نارمل نہیں ہے۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا انسان پچھلی صدیوں کے توازن کھو چکا ہے۔ پچھلی صدیوں کے اخلاقی، علمی، ذہنی توازن ضائع کر چکا اور یہ ایک ایسا انسان نظر آ رہا ہے جو بڑی سرعت کے ساتھ آخری ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہی علاج جو آپ پراگندہ ذہنی کا کرتے ہو، ایک شدید جھٹکا، بہت بڑا جھٹکا یا الٹا لٹکا کے مرچوں کی دھونی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک طویل نیند۔ ایک بات جو بڑی جنگ کے حادثے کے نتیجے میں کہی جاتی ہے کہ انسان کا ذہن ایٹمی دھماکے سے بالکل شل ہو کے رہ جائے گا اور بڑے مزے کی بات، ایک حادثے نے انسان کو سوچ دی اور ایک حادثہ انسان سے وہ سوچ چھین لے گا۔ آج تک کوئی بھی دنیا کا چھوٹا یا بڑا سائنس دان حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان نے کب اور کیسے سوچنا شروع کیا۔

ہاں ایک بات شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کہی۔ ایک بات ول ڈیورانٹ نے کہی۔ دونوں ایک جیسی ہیں۔ ابن عربیؒ نے کہا کہ اللہ نے انسان کو بنایا اور پچاس ہزار سال اس پر نظر کرتا رہا۔ ول ڈیورانٹ نے کہا کہ ایسے لگتا ہے کہ خوابیدہ اور سست الوجود دور میں انسان پر کہیں باہر سے ایک بہت بڑا بجلی کا جھٹکا لگا ہے جس سے اس کی ذہنی صلاحیت بڑھ گئی ہے اور یہ چمپنزی سے انسان بن گیا اور اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ ایک حادثے نے اس کو عقل دی اور ایک حادثہ اس کی عقل چھین لے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسانوں نے پھر ادھر واپس جانا ہے، پھر اسی کلچر کو واپس جانا ہے، پھر اسی انداز

زندگی کو واپس جاتا ہے پھر اسی بت پرستی کو واپس جاتا ہے پھر اسی طرح کے اوہام کو واپس جاتا ہے پھر اسی طرح غاروں کی زندگی کو واپس جاتا ہے اور پھر انہی پتھروں سے سر پٹخ پٹخ کر شاید انہوں نے دوبارہ اپنی زندگی کا انجام کرنا ہے۔ عروج و زوالِ انسان کی یہ داستانیں پہلے سے لکھی گئی ہیں۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا اور حیرت کی بات ہے کہ ابھی انسان پیدا نہیں ہوئے تو اللہ نے کہا کہ ہم نے تمام تقدیرِ انسان لکھ کر لوحِ محفوظ میں رکھ دی یعنی بڑے منصوبے بہت پہلے کے تیار شدہ تھے۔

وما من دآبة في الارض الا على اللّٰه رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها ط كل في كتب مبين (۱۱(ہود):۶) زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں جس کے اسبابِ رزق ہم پر نہ ہوں اور وہ جانتا ہے کہ کس شخص نے کس فرد نے کہاں رہنا ہے کہاں جانا ہے کہاں اٹھنا ہے کہاں بیٹھنا ہے کہاں اس کی زندگی ہے کہاں وہ سونپا جائے گا۔ ایک ایک حرف ہم نے کتابِ مبین میں لکھ دیا۔

منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔ نسلِ انسان کی تخلیق ہو چکی تھی۔ اس کے بعد غرض و غایتِ زندگی کے لیے زمین و آسمان تخلیق ہوئے پھر انسان کو آدم بنایا گیا۔ پھر هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيا مذكورا o ان خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلنه سميعا بصيرا o انا هدينه السبيل اما شاكرا واما كفورا (۷۶(الانسان):۱تا۳) کیا انسان پر ایک زمانہ ایسا نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں۔ پھر اسے سننے اور دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے یقیناً اسے راہ دکھلا دی۔ اب خواہ وہ شکرگزار رہے یا ناشکرا بن جائے۔ ذہنی پراگندگی کا جو ایک بنیادی نقصان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان پند و نصائح اور وعظ سے آزاد

[redacted]

ہے دیارِ غیر میں۔ نہ اس کی وجہ سے کوئی گناہ کرتا ہے' نہ اس کی وجہ سے کوئی غاصبانہ قبضہ چھوڑتا ہے' نہ اس کی وجہ سے کوئی اپنے گھر والوں سے محبت کی آرزو کرتا ہے' نہ کوئی بچوں سے شفقت برتتا ہے۔ یہ کونسا خدا ہے؟ نیٹشے نے ایک دفعہ کہا تھا! اس نے تو شاید اپنی قوم کے بارے میں کہا تھا مگر میں کہتا ہوں کہ آج کل وہ ہم پر زیادہ سچ اترتا ہے۔

The mankind has become so mature now they have thrown God out of their kingdoms.

اب انسان اتنا بالغ نظر' اتنا سمجھدار ہوگیا ہے جیسے کیرن آرمسٹرنگ (Prof. Karen Armstrong) نے کہا کہ اب اگر اللہ کو زمین پر آنا ہوگا تو اسے کچھ مصلحتیں اختیار کرنی ہوں گی۔ اب دیکھو' میں کہتا ہوں کہ امریکہ میں میں نے ہم جنسیت کا قانون بنایا ہوا ہے۔ اب اگر اللہ کو مجھ سے داد لینا ہے' تو اسے یہ قانون قبول کرنا ہوگا۔ پہلے قوم عاد و ثمود کے ساتھ جو ہوا تھا' وہ ہوگیا۔ اب میں اتنا ترقی یافتہ' اتنا متمدن انسان ہوں' میں آخر کم از کم پراگندہ ذہن انسان ہوں' میں اتنا دانشور ہوگیا ہوں' صبح و شام نئی سے نئی ایجادات کر رہا ہوں' اختراعات مرتب کر رہا ہوں۔ اب میرا یہ حق ہے کہ میں اللہ سے کہوں!

ع کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اب بہت وقت ہوگیا۔ اب مجھے موقع دے کہ میں اپنے قوانین خود بناؤں' اپنے اصول خود مرتب کروں۔ یہ وہ واحد فرق ہے جو یورپ اور ایشیا میں ہے۔ میں آپ سے ایک چھوٹا سا سوال کرتا ہوں کہ ہمیں کس بات کی شرمندگی ہے۔ امریکہ کے سامنے سر نہ اٹھانے کی۔ بہت بڑی طاقت ہے۔ نام نہاد سُپر پاور ہے۔ میں اسے سُپر پاور کہنا دین کے خلاف سمجھتا ہوں۔ بہرحال آپ سُپر پاور کہہ لیجیے۔ کتنی گہری شناسائی ہے۔ بات بات پر اس کی مثال دی جاتی ہے۔ بات بات پر امریکہ کو سراہا جاتا ہے۔ اب اگر دنیاوی طریق تمدن ہی دیکھا جائے تو اتنی بڑی قوت کے ساتھ آپ کی اتنی بڑی محبت ہی کافی ہے۔ آپ کی ترقی اور عظمت خیال کے لیے پھر آپ کو برا کیوں لگتا ہے' کیوں آپ دن رات امریکہ کو کوستے ہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مذہب کے خلاف ہے۔ اگر وہ آپ کے مذہب کے خلاف بھی ہے تو آپ اپنے مذہب سے کتنا انس رکھتے ہو۔ آپ نے اپنے مذہب سے کتنی شناسائی رکھی ہوئی ہے۔

جب چنگیز خان کی افواج بغداد کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں تو شیخ نجم الدین کبریٰؒ اس وقت زندہ تھے تو ان سے کسی نے کہا کہ دعا کیوں نہیں کرتے؟ جیسے آج سخت گیر مسلمان کم ظرف مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ اب شیخ عبدالقادرؒ سے کہو کہ بغداد بچا لیں۔ اس وقت بھی یہ واقعہ پیش ہوا جب چند لوگ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے پاس گئے۔ اے ولیٔ عصر! آپ دعا تو کریں۔ کم از کم یہ فتنۂ تاتار بغداد سے ٹل جائے۔ تو خواتین و حضرات! حضرات شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے کہا کہ میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے تو مجھے ہاتف کی صدا آئی' اے کافرو! مارو ان منافق مسلمانوں کو۔ اگر درجہ بندی کا فرق ہو تو ایک سچ بولنے والا کافر ایک منافق مسلمان سے بہتر ہے' لہٰذا جب ہم مقابلتاً خدا کی مدد چاہیں۔ اس کی اعانت طلب کریں یا اس کی امداد کا کوئی دعویٰ ہمیں چاہیے یا کوئی معجزہ چاہیے تو ہمیں کم از کم ایک ایسا مسلمان ہونا چاہیے' جس کی زندگی کا خیال' جس کی محبتیں' جس کی رغبتیں' جس کی نفرتیں سب اللہ کے لیے وقف ہوں۔ ہر زمانے میں معجزات ہوتے رہے۔ سپین میں جب حکومتیں الٹیں تو الغزالی پیدا ہوئے اور پھر دو سو برس کے لیے سپین میں اسلام قائم ہوگیا۔

سلطنتِ بغداد اجڑی تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے اور پھر اسلام دو سو برس راہِ شوکت پر گامزن ہوا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عروج و زوال کا دور ہے۔ قرآن کی حکمت سے ذرا دیکھیے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کس کا عروج ہے اور کس کا زوال ہے؟ خدا کہتا ہے کہ ہم نے سرکشوں کی قوم کو اس وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر ناز کر رہے تھے۔ غریب آدمیوں کو اللہ نہیں مارتا۔ کم از کم مرے کو مارے شاہ مدار والا محاورہ اللہ پر صادق نہیں آتا۔ اللہ تو قوموں کو اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ان کی معیشتیں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ کبھی Hanging gardens of Beblon اور کبھی اتنے اتنے بڑے Palaces جیسے نوسبا کے Palaces تھے۔ ویسے نظر آتے ہیں اور کبھی

Temple of the Godess of Astarthe.

نظر آتے ہیں۔ جب انتہائی متمدن شاندار Riches تک قومیں پہنچتی ہیں تو خدا پھر ان کو تباہ کرتا ہے پہلے نہیں کرتا۔ یہ اصول پروردگار ہے۔

اب اگر آپ دیکھیں تو دنیا کی وہ بڑی قومیں جو اپنی معیشتوں میں نازاں اور جو اس کو As Example پیش کرتی ہیں۔ اپنے تفاخر اپنے تمدن اور اپنی Achievements کی مثال Quote کرتی ہیں اور ہمیں یہ بتاتی ہیں یا باقی دنیا کو یہ بتاتی ہیں کہ یہ انتہائی ترقی یافتہ تمدن ہے۔ یہ انتہائی ترقی یافتہ سائنٹیفک دور ہے اور اس میں We are the leaders of all the world اس لیے باقی قوموں پر حکمرانی کرنے کا ہمارا استحقاق بنتا ہے۔ اس کے برعکس اب مسلمان ہیں۔ مسلمان کا Basic فریضہ تو یہ تھا کہ ان میں سے بھی کوئی اٹھتا۔ البیرونی کی طرح بارہ سال ہندو بن کے ان کے ٹمپل میں وقت گزارتا اور مکمل انفارمیشن لے کے پھر اخبار ہند جیسی کتاب لکھتا۔ ہم میں سے صرف دو چار ہی ایسے نکلے کہ جنھوں نے یورپ اور دوسری جگہ جا کے ایک ریگولر Espionage کی اور بڑے Thrilling رزلٹ نکالے۔ جیسے آپ کے سائنس دانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ It is recommendable.

دیکھیے آپ تمدن میں اُن کے برابر نہیں ہو سکتے ہو۔ اگر آپ چاہو کہ آپ بھی ایک نیویارک تعمیر کرو تو شاید نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ جس ملک کی آپ بات کرتے ہو' اس کے پاس تیرہ فیصد دنیا کے ذرائع پیداوار اور آپ کے پاس 0.013 بھی نہیں۔ اب اتنے ذرائع پیداوار میں ہو سکتا ہے کہ آپ آسائشات میں شاید وہ ایک بڑا درجہ حاصل نہ کر سکو یا شاید ہمیں کچھ دیر ہو گئی ہے یا ہم کمزور پڑ گئے ہیں' مگر ہلاکت کے سامان میں برابر ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اگر ایک ملک بائیس سوایٹمی ہتھیار لیے بیٹھا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ آپ کے پاس بھی پورے بائیس سو ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بائیس کارآمد نکلیں۔ اس طرح ہلاکتوں میں ملک برابر ہو جاتے ہیں اور کسی بھی قوم کے عروج و زوال کے قوانین وہ نہیں ہیں' جو بظاہر نظر آتے ہیں۔

اسبابِ معیشت نہیں ہیں' اسبابِ جنگ نہیں ہیں' اب اوسط وہی ہے۔ اگر غزوہ بدر میں دو گھڑ سوار اور ایک تلوار والا۔ اور باقی کچھ لوگوں کی چھڑیاں جو آگے لگی ہوتی تھیں' غزوہ بدر کی تمام قوت جو تین سو تیرہ پر تھی' ان کا مقابلہ اگر اعداء اسلام کی ان قوتوں سے کیا جائے تو اوسط وہی بنے گی جو آج عراق اور امریکہ کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کا دانشور کہے کہ آسمان سے برستی اس آگ کا کیا علاج ہے مگر یہ بھی تو بتایئے کہ عالمِ اسلام کے اتنے دانشور بچے' اتنے بزرگ اتنے علم

والے آدمی ہیں۔ ان کے ذہن میں کیوں نہ اس کا ایک حل نکلا کہ ہم آسمان سے برستی اس آگ کا کچھ علاج کر سکتے ہیں۔ یہ سستی کیوں؟ کیوں نہیں ہم نے اس کا حل نکالا۔ اگر ایئر فورس ہی تباہی کا باعث ہے۔ اگر یہی ایک خوفناک ترین حربہ ہے تو ہماری اتنی بڑی امت میں سے ایک دو آدمیوں کو غور و فکر کر کے اس کا علاج ڈھونڈ لینا چاہیے تھا۔

کیا خوف کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ایک مستقل آفت تسلیم کرتے ہوئے اپنے تحفظات کو بالکل معطل کر دیں اور ہمارے پاس جو عقل و ذہن موجود ہے اس میں ایک شمہ برابر بھی امت مسلمہ کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عصر دجال میں زمانے بہت تیزی سے گزریں گے۔ آپ دیکھیے، وہ دریافتیں وہ ایجاد جو پہلے برسوں میں ہوتی تھیں، مہینوں میں ہوتی تھیں۔ اب ہم ہر روز جب اخبار اٹھاتے ہیں تو کسی نئے کرشمۂ عقل کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ اب زمانے مختصر ہو گئے ہیں اور ان زمانوں کے اختصار کا مطلب یہ ہے کہ پراگندہ ذہنی اور تصوریت پسند انسان کو اب بہت جلد بجلی کے جھٹکے سے گزرنا ہے یا اس کو طویل تر خواب سے گزرنا ہے یا پھر اس کو ان بڑے دھماکوں سے گزرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ زیادہ دور کی بات نہیں۔ اس سے اب عروج و زوال کی توضیح اس طرح نہیں ہو سکتی جیسے تاریخ کے پچھلے ادوار میں ہوئی۔ باقی رہے مسلمان، کوئی تنظیم اسلامیہ جو ستر سال یا سو سال سے اس ملک میں قائم ہے، اس نے کسی قسم کے خصوصی مقاصد میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا بلکہ اگر آپ تھوڑا سا تحقیقی مطالعہ فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ جماعتیں جو بڑے جوش و خروش سے منظر عام پر آئیں اور جنہوں نے بڑی جلدی پذیرائی حاصل کرنے کی کوشش کی، اس وقت وہ زوال پذیر ہیں اور لوگ ان سے گریز کرتے ہیں۔

ایک اور بڑی بات۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ امت محمد ﷺ چند لاکھ جماعت کے لوگ ہوں گے، چند لاکھ تبلیغ کرنے والے لوگ ہوں گے۔ کیا امت محمد ﷺ چند لاکھ اہل حدیث ہوں گے اور چند لاکھ دیوبندی ہوں گے۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اگر آپ احادیث رسول اللہ ﷺ پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ خدا کے رسولؐ کی امت وہ ہے جو بے نام و نشان ہے جس کا کسی جماعت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ پہلے تو اللہ نے قرآن میں حضور ﷺ کو تنبیہ کی اور پھر یہ کہا کہ اے پیغمبر! تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو علیحدہ گروہ بناتے ہیں، شناخت بناتے ہیں، جو دین میں فرق کرتے ہیں کہ پیغمبر کسی گروہی عبادات کے مسلک میں نہیں ہے۔ پیغمبر آفاقی ہے، کائناتی ہے، ہر بندے کا ہے، ہر عورت کا ہے، ہر مرد کا ہے، پیغمبر کسی گروہ کا نہیں ہے۔ یہ واحد علاماتِ قرآن حکیم ہیں جو تمہیں تنبیہ کرتی ہیں کہ اگر تم نے قبروں تک پہنچنا ہے تو کوئی امتیازی نشان لگا کے نہ پہنچنا۔ کوشش کرنا کہ مسلمان ہو کے پہنچو۔ تمہارا واحد تشخص مسلمان ہونے کا تشخص ہے۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ زمانۂ آخر میں ہو عفرہ (نیلی آنکھوں والے لوگ) کی حکومت ہوگی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت مسلمان بڑے کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں مور و ملخ کی طرح ہوں گے مگر یہ کہ ان پر دنیا غالب ہوگی۔ خواتین و حضرات! یہ ہم ہیں، یہ آپ ہیں جو مور و ملخ کی طرح گروہوں میں قید ہیں، جو گنہگار ہیں، جو بے ایمان ہیں، جو جعلساز ہیں مگر ہم میں شاید یہ وصف باقی ہے کہ ہم گنہگار ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اگر کسی وقت بھی اسلام میں کوئی بڑی تبدیلی آئی تو کسی مذہبی جماعت کی طرف سے نہیں آئے گی۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے آئے گی، جو منزل ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو اردگرد کے ان مذہبی کیساؤں سے تنگ ہیں، جو مختلف مسالک سے تنگ

ہیں۔ جو بڑی سادہ دلی کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل میں نہاں رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو تقدیرِ اسلام کو بدلنے کا باعث بنیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو زمین و آسمان کو بدلیں گے مگر ان کو کوئی فوجی آمر نہیں بدل سکتا۔ ان کو کوئی سیاسی نظام نہیں بدل سکتا۔ امتِ مسلمہ کی بنیادی تبدیلی اداروں سے نہیں آتی۔ ہمیشہ استادوں سے آتی ہے۔ یہ ایک واحد امت ہے جو استادوں کی وجہ سے بدلتی ہے' یہ جابروں کی وجہ سے نہیں بدلتی' یہ علم کی وجہ سے بدلتی ہے۔ جب تک ان کو ان کی شناخت نہ دی جائے گی' جب تک ان کو یہ نہ بتایا جائے گا بقول اقبال کے:

سبق پھر پڑھ عدالت کا' صداقت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

انہوں نے دو بڑی خوبصورت رباعیات کہیں۔ لوگ کہتے ہیں وہ مہدی کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے آنے کے قائل نہیں تھے مگر جو اشعار میں آپ کو سنا رہا ہوں' یہ ان کے آخری ہیں اور اس میں ایک بڑی خوبصورت بات کہتے ہیں' وہ اپنے احساس کو اجاگر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

کہ کیا وہ وقت ہوگا کہ وہ بھولا ہوا سبق ہمیں یاد آئے گا کہ وہ پرانا سرود ہمارے ذہنوں کو پھر مسرور کرے گا۔

سرآمد روزگار ایں فقیرے

اس فقیر کی تو عمر تمام ہو چکی۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری موت تو اب قریب آ چکی ہے۔

دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

مگر وہ دانائے راز کب آئے گا' وہ راز کی بات کب بتائے گا۔ وہ کیا بتائے گا مسلمانوں کو۔ میں نے تو عمر تمام کی۔ میں تو زور لگا چکا مگر میں وہ نہیں ہوں کیونکہ جو بات اس نے کہنی ہے' وہ میں نہیں کہہ سکتا اور وہ بات بڑی سادہ سی ہے:

اگر می آید آں دانائے رازے
بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیر امتاں را می کند پاک
کلیمے یا حکیمے نے نوازے

اگر وہ وقت حال آئے تو میرا یہ غمگین سا پیغام اسے سنا دینا کہ امتوں کے ضمیر کو جنگ و جدل نہیں صاف کرتیں' امتوں کے ضمیر کو حادثے نہیں صاف کرتے' امتوں کے ضمیر کو یا کوئی کلیم بدلتا ہے یا پھر اچھے انداز گفتگو والا حکیم بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا دانشور بدلتا ہے۔ اچھی بات کہنے والا مفکر قوموں کے ضمیر کو بدلتا ہے۔ اب اگر آپ دیکھیے تو آج سے سو برس پہلے آج کے ہونے والے واقعات کے بارے میں جو علامہ کہہ گئے تھے کہ:

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ نادان گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

یہی حال افغانستان کا ہوا۔ یہی حال عراق کا ہوا۔ یہی حال اب کچھ عرصے کے بعد سعودی عرب کا ہونے والا ہے۔ یا داں سجدے میں گرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا سے حفاظت کی توقع رکھتے ہی نہیں۔ اللہ بہت دور ہے۔ آسمان بہت دور ہے اور یہ یقین رکھنا۔ تمام امت اس وقت لکھے ہوئے ایمان پر قائم ہے۔ لفظی اعتقاد پر قائم ہے اور تمام مذہب لفظی اعتقاد سے عملی اعتقاد کو آنے کا نام ہے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے خدا پر بھروسہ ہے' یہ صرف لفظ ہے اور جب زندگی کے حادثات میں' واقعات میں' تسلسل میں جب تک وہ صورتِ حال پیدا نہیں ہوتی جہاں میرا مقابلہ ہوگا' سب اور اللہ کے ساتھ۔ تب آپ کہنے کے قابل ہوں گے کہ میں نے اللہ پر توکل کیا۔ جب تک یہ صورتِ حال نہیں آئے گی' آپ کا تمام تر اعتقاد لفظی ہوگا۔ تمام امت اس وقت لفظی اعتقادات کے المیے سے گزر رہی ہے۔ ہم صرف خدا کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ہر جگہ' ہر کتاب' ہر صفحے پر ہم نے خدا کا اتنا حوالہ دیا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ

We are most vocal about the existence of God.

مگر تمام تر تصورِ خدا جادو لانہ ہے۔ کل کی بات ہے کہ سعودی شہزادے سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟ اس بیچارے نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا کہ لفظاً کہہ دوں کہ اللہ۔ اس نے کہا امریکہ۔ وہ عرب قوم پرستی جس نے مشرقِ وسطیٰ کی بنیاد میں اتنی خود غرضی' اتنی ذاتیات بھر دی ہے کہ عراق کے ستون گرنے سے مصر اور اردن کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ وہ امتِ مسلمہ نہیں ہے جس کے عروج و زوال کے المیے کی داستان آپ سوچ رہے ہو۔

May be its you.

میں کہتا ہوں کیا ضرورت پڑی ہے مسلمان ہونے کی۔ کیا تعصب ہے آپ کو اسلام کے ساتھ۔ ایک لفظی اعتبار کے لیے کیوں آپ اتنی جان سپاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں اتنے جلوس نکالتے ہو خدا کے لیے۔ کیا وہ خدا جو آپ کے جلوس میں اور بینرز میں ہوتا ہے' جو آپ کی باتوں میں ہوتا ہے۔ کبھی اس خدا نے آپ کو جھوٹ بولنے سے روکا۔ کبھی مفاد حاصل کرنے سے روکا۔ کبھی کسی کا رشر سے روکا۔

I don't think any thing happens because of God. I am not talking of individuals or a few people.

جب تک اللہ ہر مسلمان کی جواب دہی کا مرکز نہیں بنتا' آپ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ یہ نام کی مسلمانی جو ہے' اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستھم الباساء والضراء وزلزلو حتٰی یقول الرسول والذین امنو معه متی نصر الله ط الا ان نصر الله قریب (۲(البقرہ):۲۱۴) تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ تمہیں ابھی وہ مصائب پیش ہی نہیں آئے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں کو پیش آئے۔ ان پر اس قدر سختیاں اور مصیبتیں آئیں جنہوں نے انہیں ہلا کے رکھ دیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ خود اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ سن لو! اللہ کی نصرت قریب ہی ہے۔

تم سمجھتے ہو تمہیں یونہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا' ٹھنڈی سڑک ہے۔ مال روڈ پر آئے جنت میں داخل ہو

گئے مگر جب آپ آزمائش کے مراحل میں کچھ کامیابی حاصل کرو گے تو ملے گی نا۔ آپ صرف نعرے بازی سے اللہ کو قائل نہیں کر سکتے۔ دو ہی تو چیزیں ہیں جو مذہب کو خراب کرتی ہیں۔ اِدھر سیکولرازم خراب کر گیا۔ اُدھر علمائے دین خراب کر گئے۔ انہوں نے دین کی اپنی تشریح کی اور انہوں نے مذہب کے خلاف ابھارنے میں ان لوگوں کی مثال دی۔ مذہب یہ بھی نہیں' مذہب وہ بھی نہیں۔ مذہب بنیادی طور پر معاملہ دل ہے' معاملہ محبت ہے' یہ دوستی ہے' یہ خیال ربوبیت ہے' یہ کرشمہ اُنس ہے' محبت سب سے پہلے احساس ہے' ایک شدید فطری احساس۔ اس احساس کے بعد اعمال کو آپ شرع کہتے ہیں۔ جب تک کسی انسان کے سینے میں قربت الٰہی کی طلب پیدا نہیں ہوتی تو وہ اس کولہو کے بیل کی طرح ہے جو رسوم مذہب میں دن رات مصروف ہے اور اسے ان رسوم کے مقاصد کا بھی علم نہیں۔ خداوند کریم نے جہاں بھی ذکر کیا' اس نے کہا دیکھو محبتوں کے مقابلہ کو مذہب کہتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (۳ (آل عمران):۹۲)

It's a match of possession.

اگر میرے دل میں باقی ساری محبتیں سلامت ہیں تو خدا نہیں آ سکتا مگر خدا کوئی یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ تم رہبانیت اختیار کرو۔ فاقہ کشی اختیار کرو۔ یہ تو نہیں کہتا۔ نہ تو مذہب میں فاقہ ہے' نہ رہبانیت ہے۔ اللہ صرف ایک چیز چاہتا ہے صرف ایک چیز' آپ کا اُنس' آپ کی محبت۔ اے لوگو! مجھے حسرت ہے کہ تم میں سے کوئی میرا بھی سوچتا۔ میرا بھی خیال کرتا۔ میں جو تمہیں پیدا کرنے والا تھا۔ میں جو تمہیں سکھ دینے والا تھا۔ میں نے تمہیں اتنے آرام سے بسایا' تمہارے آنے سے پہلے دنیا و مافیہا میں ہر چیز میں نے پیدا کی۔ تمہیں پانی کی ضرورت تھی۔ میں نے پانی پیدا کیا اور تمہارے زمین پر آنے سے پہلے تمہیں ماں باپ دیے۔

آج کا انسان اسی قسم کے طلسم ہوشربا میں کھویا ہوا ہے۔ جدھر دیکھتا ہے اسے اپنی آب و تاب نظر آتی ہے۔ وہ گریز کرتا ہے عقل و معرفت کا کریڈٹ اللہ کو دینے سے۔ وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ میری یہ عقل و معرفت کسی کی عطا کردہ ہے۔ وہ اُدھار کی چیز کو اپنی سمجھتا ہے۔ وہ اُدھار کی زندگی کو اپنا سمجھتا ہے۔ ایسا ناشکرگزار انسان پہلی صدیوں میں کم ہوا کرتا تھا۔ آج زیادہ ہے۔ چاہے مغرب کا ہو چاہے مشرق کا۔ اور عروج و زوال بھی ایک جیسا ہے مشرق کا اور مغرب کا۔

There are not two parties.

عروج و زوال میں ہم مشرق و مغرب کو جدا نہیں کرتے۔ عروج و زوال میں ہم صرف یقین کو بے یقینی سے علیحدہ کرتے ہیں' چاہے آپ میں ہو' چاہے کسی اور میں ہو۔ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ مغرب میں دجال موجود ہے تو کیا آپ کے ملک میں نہیں ہے؟ کیا اس کی پیروی کرنے والے موجود نہیں ہیں؟ کیا تحریف اور تصحیف کرنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا امریکہ کو خدا سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ کیا یورپی تمدن کو آسائش و زندگی کا قرینہ سمجھنے والے آپ کے ملک میں موجود نہیں ہیں؟ بہت ہیں۔ آج کا مقابلہ حضرت انسان کا حضرت انسان سے ہے۔ آج کی کتاب حقیقت یہ بتاتی ہے کہ تمام انسان ہلاکتوں کے گڑھے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ جب کسی نے ایک دفعہ مجھ سے سوال پوچھا تھا کہ What is so particular about Islam

تمہاری اپنی طرز عبادت' ہماری اپنی طرز عبادت۔ ہماری نمازیں ہمارے ساتھ۔ تبت کا دلائی لامہ بیچارہ بیس ہزار فٹ

ہمالیہ کی ترائی پر غور وخوض میں مصروف ہے۔ ہوا میں معلق ہونے کے عمل سے گزر رہا ہے۔ افریقہ کا شامان کہیں بیٹھا ہوا اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ آپ کو کیا فرق پڑا۔ آپ کہاں سے لاڈلے ہو گئے۔ سب کی اپنی اپنی عبادات ہیں تو میں نے کہا' آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ عبادات کے رنگ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر مصیبت یہ ہے کہ اب خدا کسی اور مذہب سے نہیں ملتا۔ اب اللہ عیسائیت سے نہیں ملے گا' نہ ملتا ہے۔ اب اللہ بدھا ازم سے نہیں ملے گا۔ اب اللہ ان مذاہب سے نہیں ملے گا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ ایک تو کہتا ہے کہ میں نے تمہیں علم کی پختگی بخشی ہے علم میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب تم اگر یہ چاہو کہ پوسٹ گریجویٹ ہونے کے بعد اپنے نام کی تختی لگاؤ اور اس پر لکھا ہوا ہو کہ فلاں سکول سے پرائمری پاس کی تو بڑی عجیب سی بات ہوگی۔ تمام مذہب اپنے ارتقاء کو پورا کرتے ہوئے اسلام پر آ کے ختم ہو گئے۔ اب پچھلی طرف رجعت کرنا اپنے علم کو کم کرنے کے برابر ہے۔

اب اگر اسلام اور قرآن کے ہوتے ہوئے واپس جاؤ گے' انجیل کو یا اساطیر الاولین کو واپس جاؤ گے یا تورات کو واپس جاؤ گے یا نغمات سلیمان کو واپس جاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک ترقی یافتہ ذہنی حالت سے زوال پذیر عقل کو جا رہے ہیں اور خدا یہ کہتا ہے کہ اب میں ایک عقل کے ایک خاص درجے پر نصیب ہوتا ہوں۔ ایک کتاب کے معیار پر نصیب ہوتا ہوں اور وہ معیار کتاب قرآن ہے اور اس کتاب کا ٹیچر تمہارا رسول اللہ ﷺ ہے۔ اب اس کے بغیر میں تمہیں کسی اور رستے سے نہیں ملوں گا۔ ان الدین عند الله الاسلام (سورۃ آل عمران' آیت ۱۹) مگر ہو سکتا ہے کہ ایک ارب مسلمانوں میں ایک بھی خدا رسیدہ نہ ہو لیکن اگر کہیں ایک خدا رسیدہ ہے تو وہ مسلمان ہوگا۔ اسلام سے باہر نہیں ہو سکتا۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه (سورۃ آل عمران' آیت ۸۵) تو خواتین و حضرات اتنے بڑے کائناتی بحران میں تہذیب کے بحران میں بڑا مسئلہ وہی رہے گا کہ خدا صرف پاکستان کے لیے تبدیلی نہیں لائے گا۔ خدا امت مسلمہ کے لیے تبدیلی نہیں لائے گا۔ خدا اپنے مخلص بندوں کے لیے تبدیلی لائے گا۔ خدا ان کے لیے تبدیلی لائے گا جنہیں ان سے محبت ہے۔ جس سے ان کو محبت ہے اور ایک آدمی بھی اگر دنیا میں ایسا موجود ہے تو خدا اس کے لیے بھی تبدیلی ضرور لائے گا۔ پوچھا گیا رسول اللہ ﷺ سے کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ فرمایا' جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہا تو قیامت آ ئے گی۔ اس میں مذہب کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نظریاتی اختلافات کی کوئی تخصیص ہے۔ اللہ کو اپنے مقصد کا اگر ایک آدمی بھی مل گیا تو آپ کی دنیا آباد رہے گی۔ اب بھی اگر مہدی اور عیسیٰ آخر الزماں آئیں گے تو وہ یقیناً ایک اصول کے تحت آئیں گے۔ ایک بہت بڑے اصول کے تحت کہ جب تمام انسانیت انحراف ذات پروردگار پہ ہوگی تو وہ چند لوگ جو اپنے لیے آرزو کریں گے اخلاص کی:

براے عاشقاں در دل

جو محبت پروردگار اور ہمسائیگی پروردگار کی آرزو کریں گے تو خدا ان کے لیے ضرور انقلاب لائے گا۔ خدا ان کے لیے ضرور عروج کی وہ ساعتیں لائے گا جو ان کے زوال کے غموں کو دور کر دے گا۔ مختصراً میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ بہت سارے دنیا پرست لوگ' بہت سارے اعداد و شمار کی پرستش کرنے والے لوگ جب یورپ جاتے ہیں' ان کی ثروت مندی دیکھتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تو ہم اس سے متاثر ہیں۔ ترقیوں کا کریڈٹ تو جانا چاہیے‘ مگر ان کو کریڈٹ دینا اور ذہنی طور پر مرعوب ہو جانا دو بڑی علیحدہ سی چیزیں ہیں۔ اور چاہے امریکہ یا کوئی بھی بندہ کسی وقت بھی مزاحمت اور مدافعت کر سکتا ہے اور کرتے رہتے ہیں لیکن اگر آپ غور کریں تو جدید تکنیک ایسی ہے جیسے امریکہ نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ افغانستان کے پاس کوئی جوابی دفاعی کارروائی نہیں ہے اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عراق کے پاس بھی کوئی جوابی دفاعی کارروائی نہیں ہے‘ اس لیے اس نے کشادہ دلی سے متکبرانہ کارروائیاں کیں۔ مگر خواتین و حضرات! اس تمام ڈیٹا کے باوجود ایک چھوٹا سا نقطہ آپ کو نظر آئے گا۔ عراق کی اس جنگ میں جب کرد موصل میں داخل ہو رہے تھے تو ترکی نے دھمکی دی بلکہ اس نے اپنی فوج عراقی علاقے میں داخل کر دی تو ترکی کے خلاف عالمی قوت کا کیا جواب تھا کہ نہ صرف دوڑتے ہوئے ان کے پاس گئے‘ منت سماجت کی بلکہ ان سے عرض کی کہ آپ موصل میں اپنے نمائندے بھیج دیں‘ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں وہاں کوئی کرد نہیں۔ تو جو یہ سارے دھمکی آمیز ڈیٹا چل رہے تھے‘ یہ نشے غرق ہوئے تھے مگر پہلی دفعہ شاید امریکہ کو یہ شبہ ہوا کہ واقعی ایک خاص فوج میرے مقابلے میں آئی جیسے ترکی کی ہے تو اس صورت کے ساتھ انہوں نے گریز کیا جنگ کے ساتھ۔ اور کیا کچھ نہ کیا انہیں یقین دلانے کے لیے‘ تو بات یہ ہے کہ

پس پردہ ہیں یہ فریب کار کیا کیا

بجائے اس کے کہ ہم خوفزدگی کے عالم میں رہیں۔ آپ تھوڑی سی تیاری تو کرو۔ تھوڑا سا حوصلہ تو پکڑو۔ لڑنے کا نہیں۔ یہ بہت دیر کی بات ہے اور ایک بات یاد رکھو مسلمان ویسے ہی لڑائی میں کبھی پہل نہیں کرتا مگر اپنے تحفظات کو خوف کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ مایوسی کی نظر تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ میں دوسروں کے گن گاتا پھروں اور اپنے لوگوں کی اخلاقی اور نفسیاتی ہمتیں ہی پست کرتا پھروں۔ یہ جو سوچی سمجھی کوششیں ہو رہی ہیں امتِ مسلمہ کو شکست کے صدمے دینے کی جو کوشش کر رہے ہیں‘ یہ قطعاً غیر منطقی ہیں۔ میں دو احادیث پر اپنی بات ختم کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میری امت کسریٰ سے جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت قیصر سے جنگ لڑے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری امت چپٹے چہرے ڈھال والے نتھنے کے جوتوں والوں کے ساتھ جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری امت دجال سے جنگ کرے گی اور اس پر بھی غالب آئے گی۔ یہ کمال امت ہے جو صادقؐ اور امینؐ کی بات پر یقین ہی نہیں رکھتی مگر ایک بات انہی احادیث کی روشنی میں کہ اب اس امت کے لیے آدھی شکست اور پوری فتح ہے۔ اب ہمارے نصیب میں ایک آدھی شکست اور لکھی ہوئی ہے مگر اس آدھی شکست کے بعد آپ کو ایک انتہائی مکمل فتح نصیب ہوگی اور اس کے بعد یہ جنگ و جدل کے فسانے ختم ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ العزیز اللہ چاہے گا اور آپ لوگوں کا اخلاص خدا سے یہ رعایت طلب کرے گا‘ آپ کی محبتیں روئے یزداں پر کچھ نہ کچھ رنگ تو بکھیریں گی‘ اس عمل کے پیچھے بھی کوئی حرکت تو ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اس کے روئے زیبا سے نقاب اٹھ جائیں گے اور آپ کے دل بھی ایمان کی روشنی سے منور ہوں گے اور اللہ کی یہ بات سچی ہوگی۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم

مومنین (سورۃ آل عمران' آیت ۱۳۹) کہ تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو لیکن اگر کبھی غالب نہیں آئے ہو تو یہ ضرور پیچھے پلٹ کے دیکھنا کہ ہم میں کوئی ایمان والا تھا کہ نہیں۔

مذہب اور اخلاقیات

سوال: ہمارے ہاں نمازی اور مساجد بڑھ گئی ہیں لیکن اخلاقی اقدار شدید انحطاط کا شکار ہیں۔ مغرب میں مذہب نہیں ہے مگر ان کی اخلاقی اقدار ہم سے بہتر ہیں۔ تو یہ صورتحال دو سوال پیدا کرتی ہے کہ:

☆ ہمارے مذہب میں ہماری جو اقدار ہیں ان کو نمایاں کرنے میں یا ان کو عملی صورت دینے میں کیا ہمارا مذہب ناکام ہو چکا ہے؟

☆ کیا حقوق اللہ کی زیادہ متابعت حقوق العباد کی طرف سے توجہ کم کر رہی ہے؟

جواب: یہاں آپ نے جو لفظ "مورل" استعمال کیا ہے وہ محلِ نظر ہے کیونکہ آج تک دنیا کے کسی بھی دنیاوی سسٹم نے اخلاقی نظام نہیں دیا۔ کوئی بھی دنیا کا ایسا نظام نہیں ہے جو زمین پر انسانوں کے ہاتھوں سے بنا اور پروان چڑھا ہو اور اس نے کوئی اخلاقی نظام دیا ہو۔ دوسری طرف اللہ نے کوئی اخلاقی نظام کا اختیار انسان کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ کہ آج کا جو نمائندہ ترین نظام سیکولرازم ہے اور سیکولرازم کی تعریف انسائیکلوپیڈیا میں درج ہے کہ مذہب کو ہر اس اقتدار کی مسند سے ہٹا دینا جہاں وہ دنیاوی معاملات میں دخل دے سکے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے کہ جب انگوازی کا دور شروع ہوا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مذہب دنیاوی معاملات میں مداخلت کر کے ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ اس لیے ہوا کہ:

Christianity has no practical morality. Christianity is a religion of intention.

اور اس میں نیتوں پر اس قدر زور دیا گیا کہ اس کی جو نیتوں عملی پہلو تھا وہ بالکل سامنے نہیں آتا۔ جیسے اگر کسی نے ایک تھپڑ تمہارے ایک گال پر مارا ہے تو بجائے بدلے کے تم اسے دوسرا گال بھی پیش کر دو تا کہ وہ حسرتِ ظلم مٹا لے اور مظلومیت کی وجہ سے آپ خدا کے قریب تر ہو جائیں۔

دوسری بات' آپ جن ملکوں کی کر رہے ہیں' وہاں غیر عملی مسیحی فلاسفی تھی۔ اس کے نتیجے میں خود انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پاپائے روم نے ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک واحد متن تیار کیا' جسے Black Bible کہتے ہیں۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہم میں سے بڑے لوگ انجیل اور قرآن کا موازنہ کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے' کیونکہ موازنہ میں اس وقت کروں جب وہ یہ نہ مانتا ہو کہ میری کتاب میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جب وہ خود اس کو اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری انجیل کے ایک سو چھتیس متن ہیں اور پھر ان کو اکٹھا کرنے کے بعد ایک بلیک بائبل بنائی گئی تو اس کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم پر لاگو نہیں ہوتا کہ ہم ان کے موازنے اور قرآن کی حقانیت ثابت کرتے پھریں۔ قرآن اور انجیل میں بہت فرق ہے۔

مگر آپ اندازہ کیجیے کہ جب بہت بڑے فلاسفر اور دانشور لارڈ رسل سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ

Why should I? All gospel truth is alike.

انجیل اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بڑی وضاحت سے کہا کہ میں ان کتابوں کو اب تسلیم نہیں کرتا۔ جب وہ پیغمبر تھے تو میں ان کتابوں کو تسلیم کرتا تھا اور اب ان میں بنیادی تحریفات ہو چکی ہیں۔ قرآن میں بڑی وضاحت سے اللہ نے کہا ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) اس لیے اب میں انہیں تسلیم نہیں کروں گا' یہ میری نہیں ہیں اور اگر آج کسی کو خدا سے کوئی ثبوت درکار ہو گا یا اس کو خدا سے کوئی بحث کرنا ہے یا خدا کو غلط یا صحیح ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے جو حوالے کی کتاب ہوگی وہ نہ تورات ہوگی' نہ نغمات سلیمانی ہوں گے' نہ انجیل ہوگی' نہ عہد نامہ قدیم و جدید ہوگا' بلکہ صرف اور صرف قرآن ہوگا اور قرآن اس چیلنج کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔

دوسرے یہ کہ مسیحی اخلاقیات اس وقت اس قدر خراب ہو چکی تھی جواب شاید ہمارا حال ہے بلکہ اس وقت شاید کہیں اس سے بھی بدتر حال تھا کیونکہ اس وقت عیسائی سند جاری کیا کرتے تھے جسے سندِ نجات (Certificate of Redemption) کہتے تھے۔ پانچ پونڈ کا' دس پونڈ کا' پچاس پونڈ کا۔ جنت کے بہت سارے حصے بنائے ہوئے تھے اور پادری حضرات فرماتے تھے کہ تم نے کونسی جنت کو جانا ہے۔ بڑی جنت کو جانا ہے پچاس پونڈ کیسا کو دو' چھوٹی جنت میں جانا ہے تو دس پونڈ۔ میں دیکھتا ہوں کہ اتنے سالوں کے بعد ماشاءاللہ مسلمانوں میں بھی اب یہ عادات آ گئی ہیں کہ بڑی بڑی تنظیمیں چندہ دینے والوں کی رشوتیں معاف کر دیتی ہیں' تو منطقی طور پر یہ ایک جیسا طریق کار ہے۔ وہ مذہب اس وقت بھی عملی نہیں تھا۔ پھر یورپ میں بہت عرصے تک پاپائے روم' کارڈینل کی وجہ سے اور ان کے مذہبی رہنماؤں کی وجہ سے' ہمیشہ سیاسیات میں بھی پورا عمل دخل رکھتا تھا۔

مذہب ایک عملی طاقت کی طرح یورپ کی رہنمائی کرتا رہا حتیٰ کہ یورپی لوگ انتہائی سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ مذہب اب آفت الٰہی بن گیا ہے اور ہمارے لیے عذاب و مصیبت بن چکا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور جب روشن خیالی کا دور آیا' جب مسلمانوں کی کتابیں وہاں پہنچیں' جب الغزالی اور ابن رشد پہنچے تو اس کے بعد آکسفورڈ میں جب الغزالی' ابن رشد اور ابن سینا پڑھائے گئے تو یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اب مسیحیت کا دفاع نہیں کر سکتے۔

میں پھر زور دوں گا کہ اس وقت کے دانشوروں نے دیکھا کہ علمی اور تحقیقی تجسس کے معیار پر انجیل پوری نہیں اترتی تو انہوں نے دین کو دنیا سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا اور فرانسس بیکن جو ایک بڑا تاریخ ساز مفکر ہے' اس نے یہ بڑا مشہور جملہ بولا جو آج بھی ہماری تمام سیکولر فلسفہ اور تمام سیکولرازم ذہن کی بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ:

Religion is a private matter. Even today most of us think that religion is a private matter.

اور انہی کے اثرات جب برصغیر میں آتے گئے تو انگریز نے جس فلسفہ کا سب سے پہلے اضافہ کیا' وہ مذہب اور اس کی

Dogmatic Approach سے متعلق تھا۔ ایک Dogma ہے اور ایک Theme ہے۔ Dogma سوال برداشت نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انگریزی تعلیم برصغیر میں آئی تو ماشاءاللہ بڑے بڑے نیک اور عبادت گزار دہریے ہو گئے۔ حتیٰ کہ اب اگر کسی کو دلی کوفت نہ ہو تو میں آپ کو ان بڑے بڑے بزرگوں کے نام بتاؤں کہ جو اس انگریزی تعلیم کی وجہ سے دہریے ہو گئے تھے۔ ان میں بڑے مشہور مفسر قرآن حضرت قبلہ عبدالماجد دریابادی بھی تھے۔ یہ سارا سوال اس لیے پیدا ہوا کہ اس وقت سیکولرازم کے اس حملے کو اسلام نے روک دیا۔ صرف ایک وجہ سے اور وہ وجہ یہ تھی کہ قرآن کی جو معلومات تھیں اور قرآن کا جو سائنسی اور عملی پہلو تھا' وہ آج تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی' سائنسدان اور دانشور سے غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ اگر قرآن نے یہ کہا وجعلنا من المآء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء' آیت ۳۰) اس سے آج بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر قرآن نے یہ کہا کہ وسخر الشمس والقمر کل یجری لا جل مسمی (سورۃ فاطر' آیت ۱۳) ہم نے چاند اور سورج مسخر کیے اور یہ تمام وقت مقررہ تک چل رہے ہیں۔ تو آج بھی کوئی سائنسدان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ جو بات قرآن نے پندرہ سو سال پہلے بغیر کسی سائنسی تجربے کے کہی' وہ بالکل درست ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے امریکہ سے ایک دانشور تشریف لائے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی تھے اور اسلام پر نئی کتاب لکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے آکر کہا کہ ایک سوال کی تلاش میں بڑی دور گیا ہوں اور یہی سوال میں آپ سے کر رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ مسیحیت میں ابتدائے کائنات کا عرصہ چھ ہزار سال کا ہے اور ہندومت میں کوئی اٹھارہ ہزار سال کا ہے۔ اسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ ایک سادہ سی قرآنی آیت سناؤں گا اور اس کا ترجمہ بھی سادہ سی انگریزی میں کروں گا۔ اگر آپ کو سمجھ آ جائے تو ٹھیک ہے۔ آپ ابتدائے کائنات کے مسئلہ کو خدا کے حوالے سے سمجھ جائیں گے۔ میں نے اسے یہ آیت سنائی اولم یر الذین کفروآ ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنھما (سورۃ الانبیاء' آیت ۳۰)

In the beginning heavens and earth all were one mass. Then we (Allah) forceably tore them apart.

تو میں نے کہا کہ قرآن میں ابتدائے آفرینش کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

He said its classic, its big bang.

آج ہمارے پاس چھپن یا چھتیس کے درمیان جو بھی تھیوریز ہیں جو کائنات کی ابتدا کے بارے میں گردش کر رہے ہیں۔

They all say one and the same thing that in the beginning, heavens and earth were one mass and then they were torn apart by some centrifugal force.

اب اگر غور کیجیے تو ان حقائق کی وجہ سے قرآن اپنے خلاف ہونے والے حملے کو برداشت کر گیا' اس لیے قرآن کو غلط کہہ کر اسے لوگوں کے سینوں' دلوں اور دماغوں سے نکالا نہیں جا سکتا جیسے مسیحیت میں بڑا آسان تھا کہ سائنسدان کہتے تھے کہ ہماری تحقیق یہ ہے۔ ہم یہ فکر کر رہے ہیں لیکن آپ کی عیسائیت یہ کہہ رہی ہے۔ جب بات عملی زندگی کی آئی تو دوبارہ

قرآن عادتاً زندگی کے ہر شعبے میں مثبت مداخلت کرتا تھا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ایک قوم کو اس لئے تباہ کر دیا کہ یہ کم تولتے تھے۔ واقیمو الوزن بالقسط ولا تخسرو المیزان (سورۃ الرحمٰن آیت ۹) اور وزن کو انصاف سے تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔ وہ طرزِ حیات بتا رہا ہے، اخلاق بتا رہا ہے اور طریق زندگی بھی بتا رہا ہے اور

All those decencies, which are now being practiced in the West are simply a part of Islamic civilization, which passed from the East to the West.

تہذیبوں کا اس طرح تبادلہ ہوتا رہتا ہے جیسے زبانوں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ مغرب نے ہم سے قریباً قریباً تمام اچھی اقدار لے لی ہیں۔

اب آپ اس وقت پاکستان میں دیکھ لو، یورپ میں دیکھ لو کہیں بھی دیکھ لو۔ جمہوریت کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ اکثریت ہے اور

Majority of the people is never Immoral. You must remember this......

لہٰذا جمہوریت میں اکثریت فیصلہ ساز ہوتی ہے جیسے برطانیہ میں ایک ہاؤس آف لارڈز ہے جو نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ ہے اور ایک دارالعوام ہے جو ان پڑھوں یا عام لوگوں کے لیے ہے۔ اب دارالعوام نے ایک قانون ہم جنسیت تین مرتبہ ہاؤس آف لارڈز کو پیش کیا۔ اصولاً تین مرتبہ انگریزی قانون کسی ترمیم سے انکار نہیں کر سکتا، لہٰذا ان کو قبول کرنا پڑا یعنی جو جبلی اکثریت تھی بالآخر اس نے عقل والی لارڈ شپ کو بھی متاثر کیا اور قانون بن گیا۔ اگر آپ دیکھیں تو دنیا کے جتنے اخلاقی جرائم کو قبولیت کی سند دی گئی وہ جمہوری ممالک میں دی گئی۔ ان تمام اخلاقی جرائم کی اجازت ایک مذہب کے نزدیک یا مہذب معاشروں میں ہمیشہ سے جرائم سمجھے جاتے رہے ہیں۔ ایک جمہوری ملک ہی ایسی اجازت دے سکتا ہے۔ کوئی بھی مذہب یا کلاسیکل معاشرہ نہیں دے سکتا۔

They would call it liberties.....

Last time when I was in U.S.A, I saw a big procession, which was almost comprising of all these people.

اور اس میں انہوں نے یہی مطالبہ کیا اور اسی شام مجھے پتہ چلا کہ وہ مطالبہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ آدمی کی آدمی سے شادی کی اجازت ہے اور یہ کہ ایسے جوڑوں کو کم از کم نیویارک میں حقوق ملکیت بھی دیے جائیں۔ جب میں امریکہ سے واپس آ رہا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اسی لیے اخلاقیات کبھی بھی اللہ نے دنیاوی لوگوں کو نہیں دی کیونکہ یہ اپنی مرضی سے ان اخلاقی اقدار کو تشکیل دیتے ہیں، انہیں خراب کرتے ہیں۔ چونکہ اکثریت ہمیشہ جبلی اقدار کے قریب ہوتی ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اکثریت مل کے فیصلہ کر لے کہ چوری ٹھیک ہے تو چوری ٹھیک ہوگی۔ اس میں اخلاقیات کا جو فیصلہ ہے وہ اکثریت کے پاس ہے۔ عقل و فہم و فراست کے پاس نہیں۔

ہم لوگ عبادات زیادہ کرتے ہیں اور یورپ عبادات سے فارغ ہے۔ یورپ عبادات سے فارغ ہونے کے بعد ترقی پذیر ہے اور مشرق عبادات کے ساتھ زوال پذیر ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہلِ کفر کی ثروت اور امارت سے پریشان ہوتے تھے اور بعض اوقات دعا کرتے تھے کہ محمد ﷺ و آلِ محمدؐ کے لیے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے اور دشمنوں کے کاروبار چل رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو ہم اہلِ کفر کے در و دیوار سونے چاندی کے کر دیتے، ان کی سیڑھیاں بھی سونے چاندی کی کر دیتے مگر مصلحت جو مانع تھی وہ یہ کہ پھر اس دنیا میں کوئی مسلمان ہی نہ رہتا۔ ظاہر ہے جب تمام نعمتیں اہلِ کفر کو ملتی ہیں تو ایک بڑی غلط قسم کی توجیہہ کی جاتی ہے کہ وہ دین کو چھوڑ کر آسودہ حال ہیں اور ہم دین کو اختیار کر کے غریب ہیں۔ حالانکہ منطقی طور پر یہ بات بڑی غلط ہے۔ اگر ہم پاکستان والے یا مشرقی دین چھوڑ بھی دیں تو بھی شاید ہم اسی طرح غریب رہیں۔ جیسے اقبال نے کہا کہ اگر کوئی کالا حبشی بھی اسلام قبول کرے تو رہے گا وہ کالا حبشی ہی۔ اس کو فرق کوئی نہیں پڑتا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری اقدار خوبصورت ہیں، شاندار ترین الفاظ اور لباس میں ملفوف ہیں اور ہم ان پر فخر کرتے ہیں، نازاں ہیں مگر ہم میں کوئی معاشرتی اور سماجی شعور نہیں ہے۔ ہم ان اقدار کو اپنی عملی زندگی میں کبھی بھی استعمال نہیں کرتے۔

اب ایک سوال کرنے والے نے تو بہت سمجھ کر سوال کیا کہ جس ملک میں تین سو تیرہ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہوئے یا تین ہزار مسلمان بیعتِ شجرہ و رضوان کے وقت موجود تھے۔ انہوں نے تو وقت کی دو بڑی انتہائی طاقتور سلطنتوں کا تختہ کر دیا اور ہمارے اخبار میں بڑے اعلیٰ بیانات آتے ہیں کہ بیس لاکھ فرزندانِ توحید کا اجتماع۔ اور ایک صاحب سے میں نے سنا کہ پانچ لاکھ فرزندانِ توحید یہاں جمع ہیں اور ہمارے پیچھے پانچ کروڑ فرزندانِ توحید اور بیٹھے ہیں۔ اب اتنے سارے فرزندانِ توحید جب جلسوں سے فارغ ہوتے ہیں تو پاکستان کے نصیب میں کوئی اور ذلت شامل ہو جاتی ہے۔ اتنے لوگ مل کے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں اور دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑا فاسق تخت پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑا ظلم ملک کے ساتھ ہو جاتا ہے اور کوئی زیادہ بڑی ذلت نصیبِ دشمناں نہیں، نصیبِ دوستاں ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے خدا اس پر خوش نہیں۔ آپ خدا کو کیا الزام دے سکتے ہیں۔ آپ اللہ کی بدقسمتی سمجھو یا اللہ کی خوش قسمتی۔ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔

واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون (سورۃ البقرۃ، آیت ۳۳) اور قول و فعل میں ہم آہنگی کے باوجود آدمی منافق ہو سکتا ہے۔ ہاں قول و فعل اور فکر جب تینوں ایک جگہ ہوتے ہیں تو پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ آدمی مخلص ہے۔

As for as the progress of the West is concerned, they had not built any moral philosophy, no moral fabric is there , but they have definitely created a commercial morality.

مثال کے طور پر جب آپ امریکہ یا یورپ میں کسی پل سے گزرتے ہیں تو آپ اس کو سکہ دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے Thank you, have a nice day, enjoy!! اور اگر سکہ نہیں دیتے تو ساتھ ہی بڑی انگریزی گالی آپ کو سننے کو ملتی ہے۔ عملاً یہ ایک تجارتی انداز کی اخلاقیات ہے کیونکہ انہوں نے کسی بھی معاشرے کو تجارتی نقصان سے بچانے کے لیے جن سہولتوں کا تعین کیا ہے، اس کو ہم فلاسفی نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ مہذب ہو جائیں۔ آپ کے ملک میں سہولتیں مہیا ہوں۔ آپ کے ملک میں بھی طرزِ زندگی بہتر ہو جائے تو آپ بھی خوشحال ہو جائیں۔ آپ کی جو فلاسفی ابھرے ہوگی۔ وہ کمرشل نہیں ہوگی۔

نیچرل اور اسلامک ہوگی۔ اگر ایک گھر کو آگ لگی ہوئی ہے تو ہر آدمی کوشش کرتا ہے کہ سب سے پہلے قیمتی چیز بچائے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج اسلام کے ہر گھر میں ایک ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ ہم اگر خدا کے تصور اور ترجیح کو بچا جائیں تو یہی سب سے بڑا کارِ ثواب ہے۔ خدا نے قرآن میں ہر جگہ گناہ کو خسارہ کہا۔ ایک خسارے کا پہلو ہے ایک نفع کا۔ گناہ تمام تر خسارے میں آتا ہے۔ ایک چیز اللہ نے آپ کو بہتر مقاصد کے لیے دی ہے اور وہ چیز آپ اچھے اور صاف ستھرے مقاصد کے لیے استعمال کریں گے تو وہ دیرپا ثابت ہوگی، تسکین بخش بھی ہوگی اور وہ زندگی بھر آپ کا ساتھ بھی دے گی۔ اگر آپ اس کو غیر منطقی چیز کے طور پر استعمال کریں گے تو وہ جلدی ضائع ہو جائے گی۔ فرض کیجیے کہ انسان اور عورت میں ایک تولیدی قوت ہے جس کو آپ ایک جگہ جوڑتے ہیں، ایک ملاپ کا سلسلہ ہوتا ہے اور اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس سے ہر کوئی راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے غیر قانونی طور پر استعمال کرنا شروع کر دیں تو اللہ اس کو اس لیے خسارہ کہے گا کہ اس کے پیچھے جو اخلاقی ضمیر ہے وہ آپ کو اتنے کچوکے لگائے گا کہ نہ آپ کو چین لینے دے گا اور نہ اس قوت کے زوال پذیر ہونے کا سبب بنے گا۔ تمام گناہ ایک خسارہ ہیں جو آپ کے توازن کو خراب کرے گا اور ثواب اسی طرح عملاً آپ کے فوائد میں سے ہے۔ اللہ کو آپ کے گناہ و ثواب سے کوئی غرض نہیں ہے۔ شریعت اس لیے ہے کہ بہت سارے خسارے بہت تھوڑی سزا سے زمین پر پورے ہو جائیں۔ اللہ کی بنیادی غرض انسان کی نیت اور خیال کی کمٹمنٹ سے ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ جو چیز کسی نے دی ہے اس کا عوض اس نے قبول کرنا ہے۔ اللہ نے اگر انسان کو کوئی خاص چیز دی ہے تو وہ عقل دی ہے۔ فہم و فراست دی ہے اور اس کا مقصد یہ بتا دیا کہ تجھے یہ عقل اس لیے دی ہے کہ تو غور و فکر کرنے کے بعد مجھے ماننے اور پہچاننے کے قابل ہو جائے۔ اگر انسان اس میں ناکام ہو گیا تو اس نے اپنی پیدائش، تخلیق اور خدا کی تخلیق کے مقاصد پورے نہیں کیے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ گناہ اکتساب کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات توبہ آپ کی آسودگی کا سبب بنتی ہے کیونکہ حضرت آدمؑ نے جو پہلا کام خدا کے حضور کیا، وہ خطا تھی اور خداوند کریم نے سب سے پہلا کام جو انسان کے حق میں کیا وہ توبہ قبول کی۔ عبادات تو بہت بعد میں آئی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو قافلہ انسان خطا اور توبہ سے شروع ہوا ہے۔ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ توبہ آپ کا خسارہ پورا کر دیتی ہے۔ توبہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے توبہ کی وہ ماں کے پیٹ سے تازہ جنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا توبہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک مرتبہ ختمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات جہلت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ وہ ایک توبہ سے پوری طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ پھر جب تھوڑی دیر یہ قائم رہے گی، پھر آپ گناہ کریں گے، پھر اس پر گناہ کی سرزنش آئے گی، پھر آپ توبہ کرو گے تو بسا اوقات حدیث مبارک کی رو سے اگر ساری زندگی انسان خلوصِ دل سے توبہ کرتا رہے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی رہے گی۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ

Toba is not a fixation---man is variable unit.

آدمی ہر وقت ایک بدلتا ہوا یونٹ ہے۔ اس کا اخلاق ایک وقت میں بہت اچھا، ایک وقت میں کم اچھا، ایک وقت میں سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ ایک دن میں انسان پر اتنے مراحل آتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر ٹکتا ہی نہیں۔ آپ کی کوئی

دوسری نماز پہلی جیسی نہیں ہوتی اور آپ کے مراحل، آپ کے خیال، آپ کی فکریں ہر جگہ آپ کو تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ پھر اگر انہی خطا کاریوں میں آپ کسی خطا کے مرتکب ہو جائیں تو مسئلہ یہ نہیں کہ آپ توبہ کے بعد پھر توبہ کیوں کریں گے یا توبہ کے بعد توبہ کرنے کا مقصد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی خطا ہو، خلوص دل سے توبہ کرنی چاہیے۔ چاہے آپ کو ستر مرتبہ توبہ کرنی پڑے۔ جب جبلت کمزور ہوگی تو توبہ غالب ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور آئے گا کہ حضرت انسان اپنی خطا کاریوں کی روش سے انکار کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

دعا

سوال: دعا کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: میرا یہ خیال ہے کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

بندے اور خدا کے درمیان دعا انتہائی ذاتی تعلق رکھتی ہے۔ دعا ایک خصوصی تعلق ہے۔ یہ ایک بر آمدہ ہے۔ مجھے ایک بہت بڑے اور مشہور نجومی سے بات چیت کا اتفاق ہوا تو میں ان سے کہہ رہا تھا کہ اللہ نے زمین و آسمان میں کچھ بر آمدے ضرور رکھے ہیں کہ

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

تو اس نے کہا نہیں پروفیسر! سیڑھیاں۔ تو جب اس نے سیڑھیاں کہا تو میں بڑا چونکا ہوا اور اس سے کہا کہ میں غلط لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ اصل میں قرآن میں لفظ ہی معارج استعمال ہوا ہے تو میں بڑا حیران ہوا کہ میں قرآن کی ذرا اپنے انداز سے غلط تشریح کر رہا تھا اور اس نے سائنسی طور پر صحیح تشریح کر کے بتایا کہ اس کائنات میں کچھ سیڑھیاں ہیں اور ان سیڑھیوں کے ذریعے آپ بڑی آسانی سے یہ لاانتہا پھیلے ہوئے سراب کے فاصلے وصل کے حقائق میں بدل سکتے ہیں اور کوئی بھی شخص ایک خاص فریکوئنسی پر ان سیڑھیوں سے گزرتا ہے تو خدا کے قرب و جوار میں جا بستا ہے۔ دُعا اس فاصلے کی وہی سیڑھی ہے۔ دُعا بھی ایک ایسی سیڑھی ہے جو تمام فاصلوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اسی لیے جب دعا کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ اتنی ساری دعاؤں کے باوجود کیوں دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ تو فرمایا یہ مت کہو۔ ان ربی لسمیع الدعآء (۱۴ (ابراہیم):۳۹) بلاشبہ میرا رب دُعا سنتا ہے۔ اللہ اس لیے جواب نہیں دیتا کیونکہ اللہ کے نزدیک وژن اور تعلیم آپ کے پورے احاطہ زندگی کو لیے پہنچتی ہے۔ اس کو یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس کو بیرون ملک میں داخلہ دے دوں جیسے اس کے ماں باپ چاہتے ہیں اور یہ بیرون ملک چلا جائے اور یہ وہاں تعلیم یافتہ ہو تو یہ کبھی گھر نہیں پلٹے گا۔ اس کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے دین سے جائے گا مگر نیک ماں باپ یہ آرزو کرتے ہیں کہ بچہ پڑھ جائے، نیک بن جائے، اس کو کہیں وظیفہ مل جائے یا باہر چلا جائے مگر اس بچے

کو باہر داخلہ نہیں ملتا کیونکہ خدا کہتا ہے کہ مجھے یہ علم ہے کہ اگر یہ باہر چلا گیا تو پھر یہ تمہارے کام کا نہیں رہے گا۔ اگر تم اس کے لیے نیکی کی دعائیں مانگ رہے ہو تو پھر نیک نہیں رہے گا۔ پھر یہ اسی طرح گوسفندانِ قدیم میں سے ایک گوسفند ہو گا۔ اسی کی طرح کا آدمی ہو گا۔ اس کا حشر بھی وہی ہو گا اور کم از کم یہ دعا نہیں ہے جو تم اس کے لیے کر رہے ہو' یہ بددعا ہے۔ اس لیے بعض اوقات ہمیں غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بڑا سادہ سا قانون ہے وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم ط واللّٰہ یعلم وانتم لاتعلمون (۲ (البقرہ):۲۱۶) اور یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو' بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔

قرآن کے تلفظ کی ادائیگی

سوال: آیت کے تلفظ کی ادائیگی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کئی دفعہ ہم قرآنی آیات گفتگو کے انداز میں پڑھ جاتے ہیں' کیا یہ درست ہے؟

جواب: اگر آپ اس کی ادائیگی کو جان بوجھ کر غلط نہیں پڑھ رہے' بعض اوقات روانی میں' بعض اوقات یادداشت کی غلطی کی وجہ سے' بعض اوقات ذہنی تھکن کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی قرآنی آیت کو غلط پڑھ دیں مگر اللہ آپ کی نیت جانتا ہے اور آپ کو اس کی پریشانی نہیں ہوتی۔ جان بوجھ کر غلط آیت پڑھنے والا یقیناً گنہگار ہے۔

پاکستان اور اسلام

سوال: مسلمانوں کے زوال اور بزدلی کے زمانے میں تمام مسلمان حکمرانوں میں سے صرف ایک مسلمان لیڈر مہاتیر محمد جس طرح بیانات دے رہے ہیں' کیا آنے والے وقتوں میں مہاتیر محمد کوئی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں؟ (اس وقت مہاتیر منصب اقتدار پر نہیں ہیں)۔

جواب: مہاتیر محمد کا لہجہ کم از کم مسلمانوں کا سا ہے' حالانکہ اس کے پاس وہ آلات بھی نہیں ہیں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام کی بنیاد اس کی اساس پاکستان پر ہے۔ دنیا میں دو ملک ہیں جو اللہ کے لیے بنے یا دین کے لیے بنے۔ ایک اسرائیل اور ایک پاکستان۔ دونوں میں ایک بڑا فرق یہ رہا ہے کہ اسرائیل اپنے وجود میں آنے کے بعد اب تک اپنے وجود کو مستحکم کرنے میں یا اپنی مذہبی اپروچ کو مستحکم کرنے میں لگا رہا اور پاکستان کے ساتھ یہ بدقسمتی ہوئی کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی پاکستان کے جملہ حکمران اس کی بنیاد کو غیر مستحکم کرنے میں لگے رہے مگر ایک بڑا فرق یہ رہ گیا کہ اسرائیل مستحکم ہونے کے باوجود اور پاکستان غیر مستحکم ہونے کے باوجود اپنے مراتب میں برابر چلتے گئے۔ اگر ادھر وہ ایٹمی پاور ہے تو ادھر پاکستان بھی ایٹمی پاور ہے۔ جملہ مکر وفریب جو اس ملت اسلامیہ میں جاری ہے اور تمام مکر وفریب جو ہمارے حکمرانوں میں جاری ہے' اللہ کے فضل وکرم سے دو بڑی بنیادی سچائیاں اس پاکستان کی زمین میں دھڑکتی ہیں۔ ایک اللہ کو ماننا اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے پیار کرنا اور یہی ایمان ہے۔

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات

سوال: مسلمانوں کے زوال کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم نے اسلام کے قوم پرستی کے تصور کو بھلا دیا ہے اور مغربی قوم پرستی کو اپنا لیا ہے جو کہ علاقے کو بڑھاتا ہے۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کو فراموش کر دیا جہاں انہوں نے فرمایا کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ آج عربی اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے جبکہ عجمی بھی۔ کیا یہ نظریہ پاکستان کی بھی نفی ہے؟

جواب: ایک تو آپ عربوں کی بدسلوکی سے شاکی نظر آتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ ہر نودولتیے کا یہی رویہ ہے بلکہ آپ دیکھیے جواب کیسے مختلف ہو جاتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جب رستم بہادر رستمی کے دربار میں گئے تو بڑے بیش قیمت قالین پڑے ہوئے تھے تو حضرت مغیرہؓ نے نیزے کی نوک سے انہیں چھیدا تو اس نے کہا' یہ کمبخت کہاں سے آ گئے ہیں جن کو قالینوں کا نہیں پتا۔ تو اس نے حضرت مغیرہؓ سے پوچھا کہ آپ عرب سے سفیر آئے ہو' تمہیں سلطنت کی کیا سوجھی کیونکہ تم لوگ تو سوسمار اور گوہ کھانے والے ہو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہم تمہیں پیسے دے دیتے ہیں اور تم واپس چلے جاؤ ورنہ تمہارے پاس ہے کیا جو تم ہم سے لڑو گے۔ تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اس سے کہا کہ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ ہم ایسے ہی تھے جیسے تم کہتے ہو۔ ہم باہمی انشقاق وافتراق میں الجھے ہوئے تھے۔ آپس میں لڑتے تھے' قتل وغارت میں مصروف تھے۔ پھر اللہ نے ہم پر کرم فرمایا' پھر ہم میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پھر ہمیں رحمت دو عالمؐ نے طریق زندگی بتایا۔ پھر ہمیں خدا کی وحدانیت کا سبق دیا۔ پھر ہم جمع ہوئے' ایک امت بنے اور اب ہم آپ کو کچھ کہنے آئے ہیں۔ یہ پیغام اچھی طرح سن لو یا جزیہ دینا قبول کرو۔ یہ ہمارے مقام اور چیزیں چھوڑ دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ" تو وہ بھڑک کے کہنے لگا کہ تم لوگوں کے پاس چیتھڑوں کے سوا ہے کیا کہ جس کے بل بوتے پر تم جنگ کرنے آئے ہو تو حضرت مغیرہؓ نے اپنے چیتھڑوں سے تلوار بے نیام کی تو وہ سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی تھی اور کہا چیتھڑے تو ضرور ہیں نیام کی جگہ مگر تلوار کی کاٹ بڑی تیز ہے۔

اب فرض کرو کہ دیہات میں بیچاری خواتین کو مزدوری کرنا پڑتی ہے' اس لیے انہیں پائینچے اٹھا کے چلنے کی عادت ہوتی ہے۔ ان کے پاس اتنے طور طریقے تو نہیں ہوتے۔ فرض کرو اگر ایک خاتون امیر ہو جائے تو وہ عادتاً کیچڑ دیکھ کر اتنے ہی پائینچے اٹھائے گی جتنے ادھر خشک زمین پر اٹھاتی تھی۔ تو یہ جو نودولتیہ پن ہوتا ہے یہ عربوں بیچاروں میں بھی آیا اور ہمارے اندر بھی موجود ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی بندہ بھی اتنا مصلحت پسند اور اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا۔ اگر آپ نے متکبر میں کوئی بڑی نشانی دیکھنا ہو تو یہ لازماً ہو گا کہ متکبر کہیں احمق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ احمق نہ ہو تو ہر وہ چیز جو اسے خدا کے فضل وکرم سے نصیب ہو رہی ہے' اس میں کس چیز کا کریڈٹ وہ اپنی طرف لیتا ہے۔ زندگی ادھار کی' مال واسباب ادھار کے' رزق ادھار کا' بچے ادھار کے' حال ادھار کا' مستقبل ادھار کا' کون ایسا احمق شخص ہے جو خدا کو مانے اور پھر کسی چیز کا کریڈٹ خود لے' اس لیے جس کو آپ خود کریڈٹ لیتا دیکھو وہ ضرور بیوقوف ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ عربوں نے تو حماقتوں کی انتہا کی ہے۔

خدا سے محبت یا ڈر

سوال: میں خدا سے محبت کرتا ہوں اور بچپن سے مجھے یہ بتایا جاتا ہے کہ خدا ایک ایسا سخت گیر ہے جو ذرا ذرا سی بات پہ خفا ہو جاتا ہے جس کی فرشتوں کی ایک فوج ہے جو انسان ذرا سا گناہ کرتا ہے اس کو یہ فوج ڈنڈے مارنا شروع کر دیتی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ خدا محبت کرنے والا ہے یا ڈرانے والا؟

جواب: اصل میں مصیبت یہ ہے کہ ہر آدمی خدا کی ذات کا گمان اپنی طرح کر لیتا ہے تو مولوی عبدالغفور نے بھی یہی سمجھا کہ خدا میری طرح کا ہوگا مگر خدا اس کی طرح کا ہے نہیں۔ خدا بات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتا ہے۔

ایک شخص فوت ہو گیا ڈرتے ڈرتے جب خدا کے حضور پہنچا تو اللہ نے کہا میں نے تو تجھے ڈرنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر تو پیچھے سے ڈرتا آیا ہے تو ادھر بھی ڈرتا رہ۔ تو اس کو سکون و فرحت نصیب نہیں ہوئی۔ مختصراً میں سمجھتا ہوں کہ خدا کو صرف محبت عزیز ہے کہ فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم او اشد ذکرا (۲ (البقرہ): ۲۰۰) ایسے مجھے یاد کرو جیسے اپنی ملکیتوں کو کرتے ہو۔ ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے یہ احساس ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھے پیار کرتے ہو۔ تو خدا کی کتاب میں عذاب کسی ماننے والے کو نہیں۔ خدا کی کتاب میں عذاب صرف اس کو ہے جو اس کو صاحب محبت نہیں مانتا۔ کافر کو ہے مشرک کو ہے مگر مسلمان کو نہیں ہے۔ مسلمان کے لیے اتنے سارے رستے کھلے ہوئے ہیں۔ اللہ کے انس کے، پیار کے، جاننے کے۔

ایک حدیث ابو سعید خدریؓ نے نقل کی ہے اور وہ ایسی حدیث ہے جس کو سن کر انسان کے قلب کے تمام دروازے خوشی سے کھل جاتے ہیں کہ جس نے ایک مرتبہ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس پر اللہ نے نار دوزخ حرام کر دی۔

اسلام، آج اور کل

☆ لیکچر

سوالات وجوابات

☆ کوشش کیوں؟
☆ جنت یا دوزخ
☆ حضور ﷺ سے محبت کا اظہار
☆ حضور ﷺ کی محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں
☆ سائنس کی رُو سے مسلمانوں کا زوال
☆ خلوص اور اخلاص
☆ غیر مسلم بچے کا حساب
☆ علم کے واسطے چین تک
☆ **Kat Stevens**
☆ وسوسہ اور الہام
☆ فلاح پانے والا فرقہ
☆ کمپیوٹرائزڈ نسل
☆ شعور کی عمر کا تعین
☆ جذبات کی مخالفت
☆ اسلام میں تفریح کا تصور
☆ اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

☆ یہ لیکچر 27 مارچ 2003ء سیرینا ہوٹل فیصل آباد میں ہوا۔

اسلام، آج اور کل

خواتین وحضرات! میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ ان حضرات محترم کا بھی جنہوں نے اس تقریب سعید کا افتتاح کیا اور مجھے کچھ پرانے دوستوں سے ملاقات کا شرف بخشا۔ یہ پرانے دوست بڑی خطرناک شے ہوتے ہیں۔ ذوقؔ فرما گئے ہیں:

اے ذوقؔ کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

آپ دیکھیے کہ مسیحا کے قریب آنے کا وقت ہے اور ہمیں دوستوں کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ آج کا موضوع شاید کسی مخصوص ترکیب کا حامل نہیں۔ پروردگار عالم اس دنیا کے بننے سے پچاس ہزار سال پہلے مقصود ازل لکھ کے تقدیر زندگی لکھ کے لوح محفوظ میں محفوظ کر بیٹھا۔ پھر ایک دوسرا اتفاق ہوا کہ اس کے بعد اس نے پوری کی پوری تعلیم انسان کو کتاب حکیم میں اور تعلیم کے معلّم کے حصول کو اسی کتاب میں محفوظ کر دیا اور علم ختم ہوا۔ معلّمین ختم ہوئے۔ کتاب ختم ہوئی، رسالت ختم ہوئی۔ اگر آپ غور کیجیے تو یہ بڑا عجیب سا مرحلہ ہے۔ یہ کیا ہوا کہ مذہب تو اپنی بساط لپیٹ چکا ہے اور انسان ابھی رہگزار حیات سے گزر رہا ہے۔ پندرہ سو برس پہلے اللہ نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ دیا۔ اس کی تعلیمات ختم ہو چکی ہیں۔ قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر آپ غور کیجیے تو ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آخر یہ کس قسم کا سبب علم ہے۔ یہ جو بیچ کے فاصلے ہیں۔ یہ صدیاں جو ہمارے اور قرآن کے درمیان حائل ہیں، زمانہ جو اتنا آگے بڑھ گیا ہے، زمانہ جو ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ زمانہ جو سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ زمانہ جو نفع و حکمت کے اسباب ڈھونڈ رہا ہے۔ زمانہ جو اپنے آپ کو خدائی کے القاب دے رہا ہے، زمانہ جو دانش اور علم بن چکا ہے۔ آخر اتنا آگے بڑھتا ہوا زمانہ جو ہے، وہ پندرہ سو سال پہلے والی کتاب سے کیا استفادہ کرے گا اور پندرہ سو سال پہلے گزرے ہوئے استاد سے کیا استفادہ کرے گا۔

ایک بہت بڑا مرحلہ ہے جو بے یقینی کا ہر انسان میں آتا ہے۔ وہ وقت ہے جو ہمارے اور قرآن کے درمیان گزرا ہے۔ وہ زمانہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ وہ معاشرہ جس میں قرآن اترا۔ وہ تہذیب جس میں قرآن اترا اس کا اور اس تہذیب کا کتنا بڑا فرق ہے۔ کیا کوئی ایسا سبب نظر آتا ہے، کیا کوئی ایسی وجہ نظر آتی ہے کہ آج سے پندرہ سو برس پہلے کی کوئی کتاب اب بھی لاگو ہو۔ آج سے پندرہ سو برس پہلے کا کوئی کلچر، تہذیب کا کوئی انداز اب ہمارے اندر سلامت ہو۔ اب

ہم ان کو اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ اب آثار و باقیات کہتے ہیں۔ اب ہم انہیں اپنی زندگی کا خاصہ نہیں بناتے۔ ہم اپنی زندگی میں ان علوم کو دخل تو نہیں دیتے۔ اب بطلیموس ہمارا حکیم تو نہیں ہے' اگرچہ ان کے نام کتاب علم پر مرتسم ضرور ہیں مگر اب سقراط تو ہماری رہنمائی نہیں کرتا' افلاطون تو ہمارا رہنما نہیں' اس زمانے کے علوم تو ہماری رہنمائی نہیں کرتے' اس زمانے کے عقلمند حضرات جو ہیں' اس زمانے کا ماہر علم نجوم جو ہے' اس زمانے کا سائنسدان جو ہے' اس زمانے کے ماہرین علوم جو ہیں وہ تو اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ ہاں اُن کے نام ضرور سلامت ہیں۔ ہم اپنے سلسلۂ تعلیم کو منقطع نہیں کرتے۔ ہم نے ان بزرگوں کو اس لیے ساتھ نہیں رکھا کہ آج کے دَور میں ہم اُن سے ہدایت طلب کرتے ہیں' بلکہ اس لیے رکھا ہوا ہے کہ رہگزارِ علم میں جو مختلف منازل کے نشان ہیں' وہ نمایاں رہیں۔

مگر خواتین و حضرات! یہ کیا کتاب ہے جو آج بھی زندگی کے ہر لمحے میں' ہر سال میں' ہماری ابتداء میں' ہماری انتہا میں' ہمارے کلچر میں' اخلاق میں غرضیکہ ہر چیز میں دخل دیتی ہے۔ تو کیا انسان اس قسم کی مداخلت برداشت کرے گا' آج کا انسان۔ کیا آج ہم قرآن کی افادیت کو اسی طرح تسلیم کریں گے' جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کرتے تھے۔ یہ سوال آج کے انسان کا ہے۔ یہ سوال ہر اُس انسان کا ہے جو تہذیب حاضرہ کا متعلّم ہے کہ انسان آج بھی جب پیدا ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو اس کی پوری زندگی انہی ابتدائی قوانینِ حیات سے گزرتی ہے' انہی غموں سے' انہی تراکیب سے گزرتی ہے' انہی انسانی اشراقی رویوں سے گزرتی ہے۔ اسی کمی اور بیشی کے بحران سے ہر انسان گزرتا ہے۔ اسی اخلاقی چپقلش سے گزرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے ذہن میں ذہنی تصادم ہیں جو آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان کے ذہن میں جنم لیتے تھے۔ انسان نے فلک بوس عمارتیں تعمیر کر دیں۔ انسان نے سیٹلائیٹ طیارے بنا لیے۔ انسان نے بجلی سے چلنے والی خودکار سیڑھیاں بنالیں' انسان نے جدید ترین مشینوں کے اس شوروغوغا میں اپنے آپ کو معتبر اور متکبر جانا' مگر آج تک کوئی انسان ایسا نہیں جس نے اپنی بنیادی اخلاقیات کو تبدیل کیا ہو' جس نے اپنے بنیادی' اخلاقی رویوں کو تبدیل کیا ہو۔ یہ تمام عروجِ انسان' یہ تمام ترقی' یہ تمام قدر و منزلت جو انسان نے آج تک حاصل کی ہے' اس کے باوجود وہ آج کا بھی وہی جبلی انسان ہے جو پندرہ سو برس پہلے تھا اور جو پیغام اُس کی داخلی زندگی کو استوار کرنے کے لیے آج سے پندرہ سو برس پہلے دیا گیا' وہی پیغام انسان کے لیے معتبر اور مستند ہے۔ اگر عاد و ثمود ایک بدکاری کی وجہ سے تباہ کیے گئے تو آج بھی جدید ترین ممالک کے انسان میں وہی افعال رُوپذیر ہیں' اگر کسی خرابی کی وجہ سے' کم تولنے کی وجہ سے قومِ شعیبؑ کو برباد کیا گیا تو آج بھی انسان اسی قسم کے مکروفریب اور ریاکاری کا شکار ہے جیسے اُس وقت تھا۔ انسان کی بنیادی ترکیب اُس کی جبلی ترکیب اور اس کے مکروفریب اور ریاکاری کی تکنیک نہیں بدلی۔ انسان آج بھی اسی ہدایت کا متلاشی ہے جیسے آج سے پندرہ سو برس پہلے کے انسان تھے۔ اگر آپ اُس دورِ جہالت اور آج کے دورِ جہالت کا مطالعہ کریں تو ایک عجیب سا بنیادی فرق جو ہمیں نظر آتا ہے' وہ یہ ہے کہ اس وقت کے ابتدائی معاشرے میں انسانی معاشرے میں کچھ خصائص ایسے موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ نے اُن کو چنا' اُن کو بزرگ و برتر کیا' اُن کو اصحابِ رسول ﷺ کا مقام دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان میں پیدا کیا اور اُن کو سارے زمانے سے معزز کیا اور آج کے اس معاشرے میں جبکہ ایک ارب مسلمان موجود ہیں' اللہ کو ایک ایسا بندہ نظر نہیں آ رہا جس کی خاطر وہ زمانے کو بدل دے۔ جس کی خاطر وہ زمین و آسمان کو بدل دے' جس کی خاطر وہ

اسلام کو قوت و عظمت دے۔ جس کی خاطر اُس کا قہر و غضب اعدائے اسلام پر گرے‘ جس کی خاطر محبت اور اُنس کی وہ فضا قائم ہو جو آج سے پندرہ سو برس پہلے قائم تھی۔

خواتین و حضرات! چالیس کی دہائی میں مَیں پیدا ہوا‘ ساٹھ کی دہائی میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوا۔ علوم شرقیہ‘ علوم مغربیہ دونوں پڑھے۔ میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے۔ میں بے چین تھا‘ بے قرار تھا‘ میرا خیال تھا کہ علم تسکین پیدا کرتا ہے‘ علم امن دیتا ہے‘ سنا بھی یہی تھا‘ پڑھا بھی یہی تھا کہ جُوں جُوں علم بڑھتا ہے تسکین بڑھتی ہے‘ سکون بڑھتا ہے۔ ایک پائیدار اعتدال نصیب ہوتا ہے‘ مگر ایسا ہوا نہیں۔ جُوں جوں علم بڑھتا گیا اضطراب و بحران بڑھتا گیا۔ نقائصِ ذات بڑھتے گئے۔ خیال کے حادثات بڑھتے گئے‘ وہ ذہن جو کم علمی پر مطمئن تھا‘ کم از کم اندھے ایمان کی جہالت پر مطمئن تھا۔ جب اسے تشکیک کی روشنی ملی اور آفاقِ علم واضح ہوئے تو پھر یاور بے چین اور مضطرب ہوتا گیا اور کبھی کبھی میں پکار کے کہتا تھا پروردگار! علم کہاں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں قوم پرستی‘ تشکیک‘ انفرادیت پسندی اور وجودیت ہزارہا ایسے چھوٹے چھوٹے فلسفوں کے تازہ تازہ رخ بن رہے تھے جو تمام کے تمام انسان کے وجود کو اُس کی روح کو برتری بخش رہے تھے اور تمام کے تمام آفافیت سے اندر آتے ہوئے انسان کی وجودیت پر زور دے رہے تھے اور خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ تمام تصوراتی فلسفے جو ان عظیم یونانی فلسفیوں سے چل کر دورِ حاضر تک پہنچے تھے‘ وہ مشینوں کی تیز رفتاری میں ان کے پہیوں کے چلتے ہوئے چکروں میں۔ وہ تمام کے تمام فلسفے انسان کی مادیت پر مرتکز ہو رہے تھے اور کہاں کمیونزم‘ تشکیک‘ وجودیت اور منطقی اثباتیت (Logical Positivism) اور کیا کیا ایسا فلسفہ نہ آ رہا تھا جس کی زد براہِ راست تصورِ خدا پر پڑ رہی تھی۔ خواتین و حضرات! بڑی واضح سی بات تھی‘ ایک ایسے عصر میں وجود پانے سے ایک ایسے کل میں کہ جس میں تمام کا تمام فلسفہ‘ تمام کے تمام خیالات‘ تمام کے تمام رُجحانات جو ہیں خدا کے وجود کو سراب اور تخیل ثابت کر رہے ہوں۔ اس کے بعد آپ کے پاس یہ حق ہی نہیں رہ جاتا کہ آپ اپنے اسی قدیم تصور پر جاہلوں کی طرح اپنی توجہ مرتکز رکھیں اور اس تصور سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں۔ اس وقت جتنے بھی علم کے طریقے آ رہے تھے جتنے بھی دینی طریقے آ رہے تھے اتفاق دیکھیے ان میں کوئی طریقہ بھی اندرونی نیتوں کا نہیں تھا۔ سارے کے سارے ایک Dogmatic Practical Move پر جا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ اسلام صرف ایک سسٹم ہے‘ کمیونزم کے خلاف اسلام صرف ایک نظام ہے‘ اس میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں ہے جو تمام نظاموں سے اسے اعلیٰ تر اور برتر مقام عطا کرے۔ اصولاً یہ بھی ایک ایسا ہی سسٹم ہے جیسے کمیونزم ہے‘ جیسے سوشلزم ہے‘ جیسے جمہوریت ہے۔ ایک ایسا سسٹم ہے جسے آپ آمریت کہہ سکتے ہو۔ تو پہلا سوال ذہن میں اٹھتا تھا کہ اگر خدا کے نظام میں اور انسان کے نظام میں اداروں کا ہی فرق ہے تو پھر خدا کو اتنی مصیبت کیا پڑی تھی کہ اسلام کو ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ آل عمران آیت ۱۹) کہتا۔ اتنی کیا مصیبت پڑ گئی تھی اللہ کو۔ کیوں نہ اس نے نظام بنانا انسان پر چھوڑ دیا۔ اُس نے عقل تو دی تھی‘ یہ حق کیوں نہ بخشا کہ نظام آپ خود استوار کرو۔ کیا ضرورت تھی نظامِ اوقاتِ نماز دینے کی۔ کیا ضرورت تھی زکوٰۃ دینے کی‘ کیا ضرورت تھی صدقات کی‘ کیا ضرورت تھی سود سے منع کرنے کی۔ ہدایت کرنے کی‘ کیا ضرورت تھی ہمسائے کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی۔ کیا ضرورت تھی آپ کو جنسی رویہ دینا‘ مالیاتی رویہ دینا‘ اخلاقی رویہ دینا اور بات چیت کے فرائض آپ کو بتانا‘ اٹھنے بیٹھنے کے طریقے آپ کو

بتاتا۔ خواتین و حضرات! ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام ایک اُمید ہے۔ اللہ پر اگر کوئی اور گمان نہ ہو تو اللہ ایک اُمید' ایک بہت بڑی اُمید جو دنیا کا کوئی نظام نہیں دیتی۔ دنیا کا کوئی نظام وہ اُمید نہیں دیتی جب میں کہکشاؤں کے بلین سالوں کے توازن میں اپنے ساٹھ برس دیکھتا ہوں تو ناامید ہو جاتا ہوں۔ میری تو زندگی کوئی شے ہی نہیں۔ یہ ساٹھ سال کہاں ایڈجسٹ کروں گا۔ میں تو ایک خودرو پودے کی طرح ہوں۔ اپنے آپ کو زمین کے دامن سے اُگتا ہوا' بڑھتا ہوا اور پھر مرجھاتا' پتی پتی ہو کے بکھر جاتا ہوا دیکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری زندگی کیا ہے' کون انسان ہے جو اس زمین پر اپنی روٹین سے باہر نکلنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا ہم سب کی وہی روٹین نہیں ہے۔ ہمارے پیشے جدا ہوں گے مگر اسی زمین پر رہتے ہوئے ایک طرح سے ہم پیدا ہوتے ہیں' ایک طرح سے ہم زندگی کی جدوجہد کرتے ہیں' ایک ہی طرح سے ہمارے معاملات طے ہوتے ہیں' ایک طرح سے ہم بوڑھے ہوتے ہیں' ایک ہی طرح سے ہم اپنی اپنی موت کو نکل جاتے ہیں۔ کوئی حادثات کے ذریعے' کوئی چھوٹی سی اندھیری قبر کے اندر جا گھستا ہے۔ یہی ہمارے جینے مرنے کا طریقہ ہے اور تمام فلسفہ ہائے حیات جو باقی ہیں' وہ صرف ہمیں یہی ایک بات بتاتے ہیں کہ آپ صرف زندگی میں ایک بار جینے کے لیے آئے ہو اور پھر دوسری بات کیا بھلا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے' کیا بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑے گی' کیا ہمیں دوبارہ ایک نئی زندگی عطا کی جائے گی۔ خواتین و حضرات! ان تمام باتوں میں صرف مذہب ایک ایسی امید دیتا ہے' صرف مذہب ایک ایسی امید دے رہا تھا کہ تمہاری یہ معمولی سی زندگی جو ہے' یہ عذاب ہے نہ ثواب۔ یہ قدر ہے' پیمائش ہے۔ اس تھوڑے سے وقفہ حیات سے

ع یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یہ معمولی سا وقفہ ہے۔ زندگی ایک سفر کا وقفہ ہے۔ صرف مذہب ہمیں بتا رہا تھا کہ مستقر و متاع الی حین (۲ البقرہ:۳۶) بہت معمولی سی ہے' تھوڑی سی ہے۔ اس پر گمان حقیقت نہ کر بیٹھنا۔ اس سراب کو پانی نہ سمجھ بیٹھنا۔ یہ تھوڑا سا عرصہ ہے' تھوڑا سا قیام' تھوڑا سا فائدہ۔ تو اس تمام بحران میں جب انسان کو جو بڑا سوچنے والا ہے' اپنی زندگی کے نامعلوم قدر کی شناسائی ہوتی اور اس بحران سے واسطہ پڑا تو رب کعبہ کی قسم خدا کے سوا کوئی یہ امید نہیں دیتا کہ ہم اس زندگی کے بعد بھی ایک طویل ترین زندگی کے حق دار ہیں۔ صرف اور صرف اللہ آپ کو یہ امید دیتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی زندگی ہے۔ اس زندگی میں اگر میں رحمٰن ہوں تو اس دنیا میں مَیں رحیم ہوں' اس دنیا میں تھوڑا کرم کرتا ہوں' اللہ کہتا ہے کہ یہ بھی ایک جبر ہے کہ تمہاری آزمائش ہونا ہے۔ اگر تمہاری آزمائش نہ ہونا ہوتی تو مَیں اس زندگی میں تم پر اتنا مہربان ہوتا کہ تم سوچ بھی نہ سکتے۔ اگر ہمیں آزمائش منظور نہ ہوتی تو دنیا میں تمام کان الناس امت واحدۃ تمام نسلِ انسان ایک ہی اُمت ہوتی' ایک مذہب ہوتا' ایک خیال ہوتا' ایک ہی نظریہ ہوتا' کوئی بیماری نہ ہوتی' کوئی مکروفریب نہ ہوتا اور انسان بڑے آرام سے اس دنیا سے گزرتا ہوا اپنی کہکشانی زندگی کا حق دار ہوتا۔ جنت میں جا کر اپنی اقدار سنبھالتا' نئی تخلیقات دنیا میں اپنے آپ کو ممتاز کرتا مگر ایسا نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! خدا نے انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے لیے اخلاقی قانون نہیں بنایا۔ جب بھی انسان کے بس میں ہوا' اس نے سب سے پہلے اخلاقی قوانین کو تہ و بالا کیا۔ یونانیوں نے جب بھی اپنی بدکاری اور اپنی زندگی کے بحرانوں کا آغاز کیا' تو سب سے پہلے ایک خدا کو پانچ خداؤں میں بدل دیا۔ جو خدائے واحد تھا جس کا کلوئس نام تھا' اس کے پانچ بچے پیدا کر دیے۔ اس میں زیلس' ایتھوڈائس' ہفاسٹس اور مارس پانچ خدا پیدا کر دیے۔

ہندوؤں میں ایک اللہ اندرا کی صورت میں آیا۔ انہوں نے آتے ہی اس بیچارے کی دو شادیاں کروادیں۔ متھرا اور وید وا یعنی دو نسوانی خدا پیدا کر دیے۔ یعنی انسانوں نے ہر حال میں اپنے گناہ کی توجیہہ کے لیے خدا پیدا کیے' گناہوں کی توجیہ کے لیے انہوں نے خدا تخلیق کیے۔ جب ان سے ایک کرپشن سنبھالی نہ گئی' جب وہ ایک قسم کی بدکاری میں پڑے اور دوسری قسم کی بدکاری میں پڑے' تو ان کے پاس بچت کی کوئی راہ نہ رہی' کیونکہ ایک خدا کی اخلاقیات سے بغاوت کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ یہ خدا تو اس قسم کا خدا ہے کہ یہ کبھی بھی اس غیر اخلاقیات کی اجازت نہیں دے گا۔ انہوں نے فوراً کسی کے نام کثرت شراب لگادی' کسی کے ساتھ انہوں نے اور بڑے غیر معقول رویے لگادیے۔ قوم عاد و ثمود نے اپنے کارناموں کے لیے چند خدا تخلیق کر لیے اور صومالیوں نے استار تھے کو اپنی کرپشن کا سہارا بنالیا۔ اس طرح ہر تہذیب نے اپنی اپنی خرابیوں کو تحفظ دینے کے لیے اپنے اپنے خدا تخلیق کر لیے۔ مگر

But the natural stream of religion was there.

ایک صاف ستھرا رستہ' جستہ جستہ' قطرہ قطرہ یہ حوادث بھی زمانے کی صراحی سے ٹپک رہے تھے۔ کبھی ادریسؑ' کبھی ابراہیمؑ' کبھی موسیٰؑ' آخر اس سلسلے کی تان یہاں ٹوٹی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ (المائدہ):۳) کہ ہم نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا' نعمت تمام کر دی' دین پورا کیا۔ رسالت پناہ آگئے۔ بس اب اس کے بعد تمہیں درس نہیں دیا جائے گا۔ اب جو کچھ بھی طرز حیات ہم نے تمہیں دینا تھا' دے دیا ہے۔ اب عقل و شعور بھی مل گیا ہے۔ زمانوں سے گزرتی انسانی سوسائٹی اب اس قابل ہوگئی تھی کہ اپنا نفع و نقصان سمجھ سکتی۔ اب وہ اپنے آپ کو اتنا عقلمند سمجھتی تھی کہ خیر و شر میں تفریق کر سکتی' اس لیے اس کتاب کے بعد اس پیغمبر ﷺ کے بعد مزید کوئی ایسی گنجائش نہیں رہی تھی اور انسان نے یہ ثابت کیا کہ خدا ٹھیک کہہ رہا ہے' انسان نے یہ ثابت کیا کہ ان پندرہ سو سالوں میں ہم نے انسان کے ذہن کو اتنی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا۔ اتنی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان معاشروں کو اتنا ترقی یافتہ ہوتے ہوئے دیکھا کہ آج یہ فاصلہ بہت بڑا فاصلہ لگتا ہے۔ وہ فاصلہ جو پہلے صدیوں میں پُر ہوتا تھا' اب سال کے سال اتنی تیزی سے پُر ہونے لگا کہ آج کے دن جب ہم پندرہ سو سال پیچھے دیکھتے ہیں تو ہمیں حقائق کے اس انبار میں جواب ہم لگا رہے ہیں اور دنیا کے اس انبار میں جواب موجود ہے' جب پچھلے زمانوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسا لگتا ہے کہ انسان نے اپنے سفر کا کبھی آغاز ہی نہیں کیا۔ خواتین و حضرات! یہ اتنی جلدی کی ترقی جو ہے' یہ انسانی تکبرات کا باعث بنی۔ آج کا فاتح جو ہے وہ چنگیز خان اور اٹیلا نہیں ہے' اٹیلا اور چنگیز خان یا امیر تیمور یلدرم یا ہٹلر۔ انہوں نے کبھی بھی مذہبی سوالات نہیں اٹھائے تھے۔ حتیٰ کہ چنگیز خان جیسا بھی تھا ظالم تھا' قتل کرنے والا تھا' مگر اپنی مہم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنے آباؤ اجداد کی ارواح سے اجازت طلب کرتا۔ حتیٰ کہ جو بدترین آمر بھی اس تخیئہ زمین پر گزرے وہ بھی کسی نہ کسی حقیقت پر یقین رکھتے تھے مگر اب نہیں۔ آج کا آمر صرف سیٹلائیٹ پر یقین رکھتا ہے۔ آج کا آمر صبح و شام اگر آپ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں تو Precise laser-guided missiles پر اعتبار رکھتا ہے۔ آج کا آمر ان تمام اشیاء پر جو خود اس نے بنائی ہیں اور جو اس کے اسباب ہیں' اس کی اشیاء ہیں ان پر اعتبار رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی ایجادات پر نازاں ہے۔ ظاہر ہے خواتین و حضرات! اب تھوڑا سا آپ غور کریں تو اگر اس کا غرور اس کے اپنی ہی تخلیق کردہ اسباب قتل

وغارت پر ہے تو وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ اگر میں نے ہی اس دنیا کو بنانا اور تباہ کرنا ہے اور میں صبح وشام بجائے کسی اور چیز کی تعریف کرنے کے اپنے ہی ہنر کی تعریف کر رہا ہوں، اپنے ہی بنائے ہوئے اسباب کی تعریف کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں کسی اور کو خدا نہیں مانتا۔ میں اپنے آپ کو خدا مانتا ہوں۔ بے شک آج کا انسان خدا ہونے کا دعویٰ نہ کرے، لیکن اگر آپ حقیقت کو پڑھنے والے ہوں تو آج کا انسان دعویٰ کرے نہ کرے اپنے آپ کو خدا سمجھتا ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی فرق ہے جو پہلے زمانوں میں نہ تھا، پہلے زمانوں میں شرک تھا۔ آج تک میں نے ایسا کوئی شخص دنیا میں دیکھا نہیں جس نے خدا کو سرے سے مانا نہ ہو۔

There were no agnostics. There were no disbelivers in God.

خدا کے خلاف یہ جتنا فلسفہ آیا، خدا کے خلاف نہیں تھا، سادہ سی بات ہے بڑے سے بڑے فلاسفر نے خدا کا انکار نہیں کیا صرف یہ کہا کہ چونکہ حقائق اور اسباب میں خدا نہیں آتا اس لیے:

We refrain to believe, It was not disbelief.

یہ خدا کا انکار نہیں تھا بلکہ اگر روشن خیالی کا دور آیا۔ اگر تشکیک کا زمانہ آیا۔ اگر انسان بڑھتا ہوا عقلی دور سے گزرا۔ اگر اس نے خدا کا انکار کیا تو یہ نہیں کہا کہ خدا نہیں ہے۔ آج تک کوئی فلسفہ ایسا نہیں گزرا جس نے کہا ہو کہ خدا نہیں ہے۔ سائنسی تجسس، روشن دماغی، ان کا تدبر، ان کا تفکر، ان کی عقل نے صرف ایک بات کہی کہ خدا ہمارے بنائے ہوئے قوانین کی زد میں نہیں آتا، چونکہ یہ تلاش وتحقیق میں پورا نہیں اترتا۔ چونکہ وہ ہمارے سائنسی معیارات اور پیمانے میں نہیں آتا اس لیے ہم خدا کو ماننے سے گریز کرتے ہیں۔

That was the way which is wrongly understood to be the denial of God. It is not the denial of God. In fact the inquiry says:

کہ اب وہ موضوع جس کی شہادت عقل ومعرفت نہ دے سکے، اس کی ہم تصدیق نہیں کرتے۔ ہوگا کوئی خدا، مگر ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ خواتین وحضرات!

ایسی ہی صورتِ احوال تھی، جو چالیس سے آگے ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں مجھ پر بھی گزری، آپ پر بھی گزری ہوگی اور بہت سارے وقت کے ساتھ ساتھ انسانی ترقی اسی توازن اور اسی تواتر سے گزرتی ہے، آپ پر بھی گزری۔ لیکن میرے ساتھ ایک استثنیٰ ہے کہ تعلیم کے ادوار میں خواتین وحضرات! میں نے صرف ایک استثناء صورت اختیار کی کہ جب میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا، ماں باپ کو، رشتے داروں، عزیزوں کو، سارے ماحول کو تو مجھے لگتا تھا کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں یہ بات کہنے سے مگر جب بھی میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا تو لگتا تھا خدا کوئی نہیں ہے۔ قول وفعل کے تضاد کی وجہ سے نہیں، خالی نمازیں اس وقت بھی بہت پڑھنے والے تھے، خدا خدا کہنے والے بہت تھے، اخبارات اس وقت بھی بھرے ہوئے ہوتے تھے اللہ کے ذکر سے۔ سنڈے ایڈیشن میں رنگین صفحات نکلتے تھے۔ جنابِ رسالت مآب ﷺ پر۔

But I felt it that nobody in this society sounded to me to be accountable to God, nobody.

اصل میں خدا جوابدہی ہے۔ اللہ جوابدہی ہے۔ جوابدہی کا ایک مرکز ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز نماز نہیں ہے' روزہ نہیں ہے' قبر نہیں ہے' موت نہیں ہے' قتل و غارت نہیں ہے۔ میری جوابدہی کا مرکز دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ میں یا جبر کو جوابدہی دیتا ہوں یا میں اپنے ذہن سے' اخلاص سے' عقل سے' معرفت سے' اپنی ذات سے' بالا کسی کائناتی قوت کو جوابدہ ہوں جسے آپ اللہ کہتے ہیں مگر میں نے اپنے دور میں یہ دیکھا تھا:

When people don't believe in, how can be accountable to him.

جب آپ ایک چیز پر یقین نہیں رکھتے۔ جب ایک چیز پر آپ کا اعتبار نہیں ہے تو آپ اس کو کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ جب اللہ کا سراغ نہیں رکھتے۔ اللہ کا سراغ دینے والا کوئی موجود نہیں ہے تو پھر اس کو جوابدہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ کس سے راستہ پوچھیں گے؟ کوئی تو معاشرے میں ایسا ہوتا' جس کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ یہی وہ شخص ہے جو اللہ پر دلیل ہے۔ بدقسمتی سے جب عقلی بحران نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس سوال نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں کے پاس شک نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب لوگ اوہام باطلہ کا شکار نہیں ہوا کرتے تھے تو لوگ ان بندوں کو ڈھونڈتے تھے جو خدا کی دلیل رکھتے تھے' لیکن اب نہیں۔ اب عقل اتنی بالغ ہو چکی تھی کہ وہ اپنی تشفی چاہتی تھی۔ اپنے سوالوں کے جواب مانگتی تھی اور جواب دینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اکیڈمک حضرات جواب نہیں دے سکتے تھے۔ آپ کو ان سے بہتر لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی بھی حکم نہیں ہے جس کے ادھر اور ادھر سوال و جواب نہ ہوں۔ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اوپر شک نہ گزرے۔ خواتین و حضرات! میں آپ سے عرض کر رہا تھا۔ ایسے میں مجھے خیال آیا کہ کیا لوگوں کے یا اپنے حالات پر مطمئن ہو جاؤں۔ خدا کا انکار صرف اس لیے کر دوں کہ مجھے ارد گرد یا آس پاس یا اپنے ماحول میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو قلباً' ذہناً' عملاً' قولاً خدا کے روبرو جوابدہ ہو۔

I thought, I thought on my part اس اللہ نے جس نے مجھے عقل دی ہے۔

This will be an act of great injustice to reject the concept of God without looking for it, without putting some effort.

جیسے آپ نے باقی علمی تحقیق کی' جیسے سائنسدان پچیس پچیس برس ایک نقطہ خیال پر مرتکز ہوتا ہے' جیسے ایک سماجی مصلح' جیسے ایک معمولی سا پوسٹ گریجویٹ سوشل سائنسز کا۔ جب تک ہزاروں انسانوں کی زندگی کا مطالعہ نہ کرے جیسے ایک نفسیات دان بہت سارے کیسز کا مطالعہ نہ کرے تو اپنے خیال کی اور اپنے تھیسز کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ خدا پر غور کیے بغیر اس کے معاملات پر توجہ کیے بغیر اس کو وہ فوائد دیے جو عام طور پر ہم ایم۔اے کے تھیسز کو بھی نہیں دیتے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہے یا نہیں۔

کون ایسا سائنسدان ہے کہ جو ایک معمولی سے پانی کی کثافت پر اپنے پچاس سال لگا دیتا ہے مگر کائنات کے سب سے بڑے تجسس کو ایک سال بھی نہیں دیتا۔ وہ دو کلاڑوہ دانشور زدہ فلسفی جو ایک نقطہ خیال تک پہنچنے کے لیے عمر تج دیتے ہیں:

کہ حاصل عمر نثار رہ یار کردم
شادماں زندگی خویش کار کردم

پوری پوری زندگی مشرق اور مغرب میں دیکھ لیجیے۔ پوری پوری زندگی لوگوں نے علم کے ایک نقطے کی تحصیل میں صرف کر دی مگر آج تک آپ کی یادداشت میں کوئی بھی ایسا مغربی فلسفی ہے جس نے یہ قدر رہنائی ہے۔

I am looking for God and I looked for God, I studied for God, I try everywhere to find God, but I could not find him. Nobody, Nobody is there.

ایک بھی سائنسدان ایسا نہیں ہے۔ ایک بھی فلسفی ایسا نہیں ہے' ایک بھی دانشور ایسا نہیں ہے جس نے اپنی زندگی کا ایک مخصوص وقت' زندگی کا ایک مختصر سا حصہ خدا کی تلاش میں صرف کیا ہو اور یہ کہا ہو کہ دیکھو میں نے پچیس برس اللہ کو تلاش کیا تھا مگر مجھے اللہ نہیں ملا۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں خدا کا کوئی وجود نہیں۔

ایسا ایک شخص بھی نہیں ہے خواتین و حضرات! یہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے جو تجسس' جو کاوش ذہن' جو اللہ کے وجود کی ترجیح اور جس نے علم کے لحاظ سے اس کو ترجیح کہا ہو۔ جب ایسا انسانوں میں نہ ہو سکا تو خدا کا وجود تصور انسان سے بحیثیت حقیقت معدوم ہو گیا۔

There was no practical God.

ایک تصور ہے۔ جیسے ہمارے ذہن میں اور بڑے تصور ہیں۔ آباؤ اجداد کے تصور۔

بُت خانوں میں ایک بڑا بُت سج گیا۔ ہمارے ذہن کے بہت ساری الجھنوں میں ایک بڑی پیچیدگی جو ہے' وہ پیدا ہو گئی اور یہ پیچیدگی خدا کی ذات تھی۔ اللہ ایک ایسا تصور بن گیا' جو ناکامی میں صلہ کے طور پر یاد آتا ہے۔ پوری پوری کوشش کی۔ ہار گئے' تھک گئے۔ اب الزام کسی کو تو دینا ہی تھا۔ اب یہ ہم بالکل اس لیے نہیں کہتے کہ اللہ کی یہ مرضی تھی بلکہ ہم اللہ پر یہ الزام دے رہے ہوتے ہیں۔ No we did our best.

ہم نے خدائے حاضر کو پورا آزمایا۔ پورے پورے اسباب جمع کیے۔ ایک ایک سبب کو پرکھا' ایک ایک چوکھٹ پر سجدہ کیا' ایک ایک دروازہ کھٹکھٹایا' بڑی ٹیلی فون کالز کیں' کام نہیں بنا۔ جب نہیں بنا تو ہم نے کہا اللہ کی مرضی۔ .We blamed God for this اللہ کی مرضی کہ وہ ظالم اگر چاہتا تو ہو جاتا۔ وہ ظالم نے نہیں چاہا' نہیں ہوا۔

Obviously we always use God as a compensatory attitude.

ہم نے کبھی اسے حقیقی خدا نہیں سمجھا۔ اسباب کو خدا سمجھا۔ مسبب الاسباب کو خدا نہیں سمجھا۔ یہ وہ المیہ تھا ہمارے ایمان میں' ہمارے فلسفیوں میں' دانشوروں میں اور سائنسدانوں میں۔ اب دیکھیں سائنسدانوں کو کیا فکر آن پڑی۔ ایک بہت بڑے محترم سائنسدان نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب سائنس کی بات قرآن سے کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ بندے سے قصور ہوا ہو گا تو آپ وضاحت کریں تو اس نے کہا' یہ تو سائنس کی کتاب نہیں۔ میں نے کہا' میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں' لیکن یہ کتاب تخلیق تو ہے۔ اس میں خالق کلام کرتا ہے۔ اس نے کہا' کیسے۔ میں نے کہا کہ آپ کو خوف کیا ہے۔ آپ کو خوف یہ ہے کہ جب ہم ہارورڈ سے آسٹن سے' لندن سکول آف اکنامکس سے' آکسفورڈ اور کیمبرج سے جدید ترین سائنسی تعلیم لے کے آئیں گے' بھلا اتنا تضیع۔ اگر قرآن پڑھتے ہوئے کوئی غلطی نکل آئی' تو بڑی مصیبت پڑے گی۔ تو اس ڈر سے انہوں نے کبھی قرآن پڑھا ہی نہیں۔ ان کو سرے سے یقین ہی نہیں ہے۔ ہماری سائنسی جستجو اتنی ترقی کر گئی ہے' ہم

اتنے آگے بڑھ گئے ہیں' بھلا قرآن کو کیا مطلب ہے سائنس سے۔ یہ نہ ہو کہ قرآن کوئی بات غلط لکھ دے۔ اس خوف کے مارے قرآن نہیں پڑھتے کہ قرآن نے زمین کی بات کی ہے اور کہیں آسمان کی بات کی ہے۔ کہیں پہاڑوں کی بات کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک سادہ سا احمقانہ ایمان جو ہمارے دل میں موجود ہے' یہ جو ہم یقین رکھتے ہیں' اب چلو خیر غنیمت ہے کہ اسباب کی ذلت سے بچ کر کوئی تو ہے جسے ہم الزام دے دیتے ہیں۔

ہر ظلم خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ اگر رام کا خدا بھی نہ رہا تو پھر ہم کیا کریں گے۔

Their scientists have always saved God of as the only refuge of their failures.

انہوں نے کبھی ڈر کے مارے قرآن نہیں پڑھا۔ پچھلے زمانے میں کمیونسٹ بہت اعتراض کیا کرتے تھے۔ مذہب افیون ہے۔ مذہب نشہ ہے۔ مذہب تو ایسے ہی خمار ہے جو ایسے ہی لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہتا ہے۔ اس کی جگہ عقلیت پسند رواج آ گئیں۔ اس کی جگہ قوموں کو جگانے کے لیے بڑے بڑے نئے تھیسز آئے۔ ان کی برتری کے لیے نئے نئے نظام آئے اور سارے کے سارے آئی۔ ایم۔ ایف میں ڈھل گئے۔ عالمی بینک میں سما گئے اور وہ قومیں جو آزادی کے بعد غلام ہوئیں' وہ بیچاری ان تنقیوں کی وجہ سے غلام ہوئیں اور اس خدائی کے تصور سے ہٹنے کے بعد ہر وہ دوسرا جو ادارہ تھا' غلام بنا لیا۔ نادانستہ طور پر بھی اس میٹرکس کے آپ غلام ہو گئے۔ اعداد و شمار کے غلام ہو گئے۔ اعداد و شمار میں آپ خود سوچیے کہ اعداد و شمار دورِ حاضر کا کتنا بڑا افراد بن گیا ہے۔ اعداد و شمار اتنا بڑا خوف کا سایہ بن گیا ہے کہ آپ کو ہزار اللہ کی بات کوئی بتائے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات بتائے۔ اعداد و شمار کی جڑ جو ہے' آکٹوپس کی طرح آپ کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ آپ کو ہلنے نہیں دیتی کیونکہ ذہن آسیب زدہ ہے۔ مگر آپ کا آسیب اللہ نہیں ہے۔ آپ کا آسیب اعداد و شمار ہیں۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ان میں تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی' اس لیے وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ اب آپ بتائیے کیسے غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک طرف چار سپاہی اور چار ٹینک ہیں اور دوسری طرف چالیس سپاہی اور چالیس ٹینک ہیں اور آپ نے نتیجہ نکالنا ہے' تو آپ سے یقیناً غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ چالیس ٹینک اور چالیس سپاہی ہی جیتیں گے۔ یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عراق کس طرح جیت سکے یا عراق اس جنگ کو پلٹا سکے' اس کے کنارے تین آرمرڈ ڈویژن فوجی کھڑے ہیں۔ Precise Guided Bomb کھڑے ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتا اور عراق کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

میں کوئی رائے نہیں دے رہا' مگر بعض اوقات ایک سرخ ریت کی آندھی اعداد و شمار غارت کر جاتی ہے۔ بعض اوقات اتنی بڑی قوت اسٹریٹجی کی' یعنی انسانی ذہن کی ایک حرکت سے ساری غارت ہو جاتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اللہ بخشے اس وقت جیتے تھے۔ وادی حطین کی جنگ ہو رہی تھی اور پورے کا پورا یورپ مدِمقابل تھا۔ 136 پرنسز آف یورپ' ان میں Regenald of Kirk بھی تھا' Baldwin بھی تھا' ان میں Spanish Monarchs بھی تھے ان میں اطالوی ایمپائر کے شہزادے بھی تھے' نائٹس آف ہاسپٹلر بھی تھے اور نائٹس آف ٹمپلر بھی تھے' یہ وہ اسلحہ بند سپاہی ہوتے تھے جنہوں نے Knighthood حاصل کی ہوئی تھیں۔ جو ناقابلِ شکست سپاہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ سب یروشلم کو آزاد کرنے کی

قسمیں کھا کر اترے ہوئے تھے اور عکر (1) میں انہوں نے ایک مسلمان زندہ نہیں چھوڑا تھا۔

ظاہر ہے صلاح الدین ایوبی کا یہی حال تھا جو آج عراق کا ہے۔ مصر اس کے خلاف' دمشق اس کے خلاف' سلطنتِ بغداد اس کے خلاف۔ وہ بیچارہ بھکاریوں کی طرح ان سے محبت اور مدد کی بھیک مانگنے کبھی اس کے پاس جاتا تھا' کبھی اُس کے پاس جاتا تھا۔ بالآخر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔ انہی دنوں اُسے ایک چھوٹے سے غلام کی مدد مل گئی' اس کو اس کے استاد نے کہا کہ تو نے لڑنا ہے تو لڑ۔ اسباب کو چھوڑ' مسبب الاسباب پر نظر رکھ۔ صلاح الدین کو یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ وادی حطین میں کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔ وادی حطین کی جنگ اتنی خوفناک ہے۔ یہی صلیبی جنگ کہلائی۔ دو صلیبی جنگیں ہیں جو کبھی یورپ کو نہیں بھولتیں۔ ایک جنگِ حطین' دوسری جنگِ منصورہ۔

جب میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ آج لڑی جا رہی ہے۔ تو جنگِ حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صرف ایک کام کیا کہ اسی طرح بڑھتے ہوئے آرمرڈ ڈویژنوں کے دستوں کو صحرا میں آنے دیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ آگے سے بھاگ جاتا تھا۔ یورپی جرأت آزما صحرا میں صلاح الدین ایوبی کا تعاقب شروع کر دیتے۔ دو چار تلواریں چمکائیں اور بھاگ نکلے۔ جب وہ دور صحرا میں آ گئے تو جنگِ حطین کے مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ اوپر سے جب دھوپ پڑی تو وہ سورما زمین پر قتل ہونے سے پہلے ایک بار پانی ضرور مانگتے تھے اور ایک درخواست ضرور کرتے تھے کہ سر اتارنے سے پہلے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔

صلیبی جنگیں' جنگ منصورہ پر ختم ہوئیں۔ مگر منصورہ کی جنگ میں اللہ نے مسلمانوں کو ایک ایسا جرنیل عطا کیا تھا' جس کے نصیب میں ایک عجیب سی عزت لکھی تھی۔ اسی طرح مشرق وسطیٰ میں دو فیصلہ کن جنگیں لڑی گئیں۔ ایک طرف منگول تھے جنہوں نے بغداد کو تباہ کر کے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور اس کو معرکہ عین جالوت کہتے ہیں۔ اسی میدان میں حضرت داؤدؑ نے جالوت کو شکست دی تھی۔ اسی میدان میں جب منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر چلا آ رہا تھا تو اس وقت سلطنتِ اسلامیہ میں ایک جرنیل تھا جسے آج بھی یورپی زرد چیتا کہتے ہیں یعنی سلطان رکن الدین بیبرس اور اس فیصلہ کن جنگ میں تمام منگول تہ و بالا ہوئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منگولوں کی اسلامی ممالک پر چڑھائی ختم ہو گئی اور اسی جنگ کے نتیجے میں اقبالؒ کا وہ شعر ہے

ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اسی جنگ کے بعد منگولوں نے اسلام کا احترام سیکھا اور مسلمان ہونا شروع ہوئے اور اسی جنگ کے بعد پورے کا پورا منگول قبیلہ مسلمان ہونا شروع ہوا۔ یہی سلطان رکن الدین بیبرس آخری صلیبی جنگ میں آ کر لڑا۔ خواتین و حضرات! میں وہ مماثلت آج اور کل میں بتانا چاہتا ہوں' جو ہے۔

Again the entire Europe was united and this was known to be the biggest army of the crusade ever cross the Muslims of the Middle East.

---

(1)شہر کا نام

تو سلطان نے پیچھے ہٹتے ہوئے ان کو کُھلا آنے دیا اور منصورہ کے شہر میں آکر اس نے خندقیں کھود کے دیواریں کھود کے اور تہہ خانے کھود کے اپنے آپ کو غائب کر لیا۔ منصورہ میں وہ لشکر رات کو پہنچا۔ تھوڑے تھوڑے دستے اس نے آگے کر دیے جن کو انہوں نے مارا، قتل کیا، بھگایا۔ وہ سمجھے کہ انہوں نے مکمل طور پہ جنگ جیت لی ہے۔ منصورہ شہر خالی تھا۔ جو کوئی ان کو نظر آیا، انہوں نے قتل کیا اور اس کے بعد انہوں نے خوشی سے جشن منایا۔ اس جشن میں جو کچھ انہوں نے کرنا تھا، کیا۔ ساری رات جشن منایا۔ ساری رات شرابیں پیں۔ ساری رات نشے میں بدمست ہوئے۔ جب آدھی رات کے بعد سرور میں ان کی آنکھیں بند ہوئیں تو یہ سارے باہر نکلے اور انہوں نے یورپ کے 136 شہزادوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ اس کو منصورہ کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں یورپ کے سارے امراء اور بادشاہ گرفتار ہوئے اور تمام لشکر قتل ہوا اور آج تک رُکن الدین بیبرس اور منصورہ کا نام صلیبی جنگوں میں آج بھی خوف اور دہشت کی علامت ہے۔ خواتین و حضرات! ان لوگوں کی وجہ سے یورپ میں مائیں بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں، جب بچوں کو سلانا ہوتا تھا تو یہ نہیں کہتی تھیں، بلی چوہا آیا بلکہ Hush!!! The Turks are comming یہ آج اور کل کی مماثلت ہے، لیکن میں آبا پرست نہیں ہوں۔

میں آپ کو واضح طور پہ ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں آبا و اجداد کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں مسلمانوں میں اگر کچھ نہیں تو کچھ نہ کچھ اعتقاد کی صورت ضرور سلامت تھی۔

اسلام میں دو بنیادی عقائد پر زور دیا جاتا ہے، ایک اللہ پہ یقین اور ایک محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت۔

خواتین و حضرات! اللہ کا نام تو اب بھی سنائی دیتا ہے۔ کوئی مسلمان ہو تو وہ اللہ کے نام سے گریز نہیں کرتا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت بہت کم ہو گئی ہے۔ اب تو ایسے دین کے علماء پیدا ہو گئے ہیں کہ جو آپ کو سکھاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ آپ جیسے ایک عام سے انسان تھے۔ اس کو کیوں اتنی قدر و قیمت دیتے ہو۔ اب ہم جو معزز ہیں، اب ہماری ضرورت محسوس کرو۔ وہ تو بس اپنی قبر میں پہنچ گئے۔ وہ کہیں موجود نہیں۔ وہ ختم ہو گئے (نعوذ باللہ)

تو صلاح الدین نے قسم کھائی کہ اس شخص کا سر میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں گا۔ جب یورپ کے سارے شہزادے گرفتار ہوئے تو ان کو پانی پیش کیا جانے لگا۔ گرمی بہت تھی، صلاح الدین ایوبی نے کہا رُکو ابھی ان کو پانی نہ پیش کرو۔ تلوار اٹھائی اور رجنارڈ کا سر اپنے ہاتھ سے اتارا کہ یہ اس بات کا جواب ہے جو تو نے اس عورت[1] کو کہا تھا کہ بلاؤ اب اپنے محمد ﷺ کو مدینے سے۔ خواتین و حضرات! اب یہ روح نہیں رہی ہے۔ یہ محبت نہیں رہی ہے۔ اب تو جو آج کے علماء جو اسبابِ ظاہر کو دیکھتے ہیں، وہ تو یہ تلقین کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں ہم خدا کا نام تو سنتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ سے وہ محبت نہیں دیکھتے۔ شاید اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہو کہ:

"مجھے ہند سے خوشبو آتی ہے۔"

شاید اسی لیے ابھی ہند میں یہ دو بنیادی عقائد سلامت ہیں۔ یہاں کے لوگ اللہ سے بہت اُنس رکھتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ سے بے حد عشق رکھتے ہیں اور اب یہ غور کیجیے کہ جب یہ حدیث پڑھی جائے گی تو ایک صاحب اٹھیں گے، فرمائیں گے اس حدیث میں نقص ہے۔ دوسرے صاحب اٹھیں گے اس کی روایت خراب ہے، تیسرے صاحب اٹھیں گے

(1) رجنارڈ نے ایک عورت کو قتل کرتے وقت کہا تھا کہ اب اپنے محمد ﷺ کو کہو کہ تمہیں قتل ہونے سے بچا لیں اور یہ بات صلاح الدین ایوبی جانتا تھا۔

یہ کہاں سے نقل کر رہے ہو؟ مگر ایک حدیث تو میں ابھی آپ کو سنا دیتا ہوں' حوالے کے ساتھ کہ ابو نعیم بن حماد نے بخاری میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب ہند کے مسلمان اہل کفر ہند سے جنگ کر کے فارغ ہوں گے اور ان کے امراء کو پابند طوق و سلاسل کریں گے تو پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ بظاہر اس وقت پاکستان تو تھا نہیں۔ خواتین و حضرات! پاکستانیوں کا مقدر دیکھا آپ نے۔ یہ ہے پاکستان کا مقدر۔ خواتین و حضرات! آپ کا کردار جو قرآن و حدیث میں نظر آ رہا ہے' نہ صرف بھارت میں بلکہ اسرائیل کی بربادی میں۔ آپ اپنے حکمرانوں سے دھوکا نہ کھایئے گا۔ آپ کے حکمرانوں کے بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے حکمران اُن کے بدترین لوگ ہوں گے۔ آپ نہ گھبرایئے گا۔ حکمران جیسے بھی ہوں' ایک ملت اسلامیہ' ایک پاکستان کا یہ مقدر ہے کہ

We have to fight against the local enemy and they have to fight against the enemy of Islam.

اور یہ دُور بھی نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال خراسان سے خروج کرے گا۔ وہ ایک ملک میں آئے گا تو اُس کو اس طرح سے تباہ و برباد کر دے گا کہ ایک ہاتھ سے اس پر روٹیاں پھینکے گا' اور دوسرے ہاتھ سے آگ پھینکے گا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دجال عراق اور شام سے گزرے گا۔ ان کے بیچ سے گزرے گا اور ہر جگہ آگ پھیلاتا جائے گا۔ خواتین و حضرات! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ فرات کی تہوں سے سونے کا ایک پہاڑ نکلے گا جس کے لیے تمام قومیں لڑتے لڑتے مر جائیں گی۔ کمال کی بات ہے۔ اگر تیل کا نام سیاہ سونا رکھا جائے یا بہتا ہوا سونا رکھا جائے' اور دیکھا جائے تو سونے کی قیمت کا تعین ہی تیل کر رہا ہے۔ یہ پندرہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ ہمیں اس بات پر سوچنا چاہیے کہ ہمارا اعتبار کس شے پر ہے۔ ہمارا اعتبار تو اللہ پر ہے' وہ کتاب تو ختم ہو چکی۔ وہ کتاب تو اوّل و آخر کو بیان کر کے ختم ہو چکی۔ وہ بسم اللہ سے شروع ہوئی' اس رحمٰن و رحیم سے جس نے آغاز حیات کیا اور انجام حیات کیا کل من علیہا فان (سورۃ الرحمٰن آیت ۲۶) کیا خیال ہے آپ کا کہ جو اللہ ابتدائے حیات بتا رہا ہے' جو اللہ انتہائے حیات بتا رہا ہے' اس کو صرف امریکی ترقی کا علم نہیں ہوگا۔ برطانوی کا پتہ نہیں ہوگا۔ اس کو نئے نئے فلسفہ ہائے خیال کا علم نہیں ہوگا۔ خواتین و حضرات! اس خوش فہمی کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔

ہمیں اپنے ایمان کی جانب رخ موڑنا ہے اور ہمیں اپنے ایمان کو کچھ وقت دینا پڑے گا۔

یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ فرمایا پروردگار نے کہ دجال کے نکل آنے کے بعد ایمان کسی کو ایمان نہیں دے گا۔ کیوں نہ دے گا' کہ جس کے دل میں نقص ہے جس کے دل میں فریب ہے' وہ دجال کی سمت ضرور جائے گا' چاہے مسلمان ہے چاہے غیر مسلم ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بلکہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ نفاق ہمارے زمانے تک تھا۔ اب نفاق نہیں رہے گا۔ اب یا کفر ہے یا ایمان ہے۔

Either you believe in God and his Prophet(Muhammed) or you believe in America and its things.

اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ہتھیار کند کر دیں۔ ایمان کا مطلب یہ نہیں

ہے۔ دیکھیے لوگ جہاد کی غلط تعریف کرتے چلے آئے ہیں۔ جہاد کی صرف ایک تعریف ہے کہ کم اسباب کے ساتھ بہتر اسباب سے جنگ کرنا اور تمہاری کمی اسباب کو اللہ کی اعانت پورا کرے گی۔ جہاد کبھی برابر کی طاقتوں میں نہیں ہوتا۔ جہاد تو ہوتا ہی ان کم اسباب والے لوگوں میں جو دو تلواریں، دو گھوڑے رکھتے تھے۔ جن کے پاس اٹھارہ تلواریں تھیں۔ جن میں بیشتر مجاہد ایسے تھے جنہوں نے لکڑیوں کو آگے سے گول کر رکھا تھا۔ اس جنگ کے لیے ان کی نوکیں بنا رکھی تھیں۔ جہاد کبھی بھی کثرت اسباب سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کمی اسباب سے ہوتا ہے مگر جہاد کی اصرت لوگ نہیں ہے۔ جہاد وہ ہے جس میں اللہ ایک آدمی کو بھیجتا ہے اور مصر کی تین سو برس کی سلطنت کو غارت کروا دیتا ہے۔ کیا وہ آدمی اتنا دلیر تھا کہ ان ہزاروں، لاکھوں لوگوں سے لڑ گیا۔ نہیں۔ چلنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار عالم! میں تو ڈرتا ہوں۔ قال رب انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون (سورۃ القصص، آیت ۳۳) میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ تو مجھے کن ظالموں میں بھیج رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا! قال لا تخافا اننی معکما (سورۃ طٰہٰ آیت ۴۶) مت کر خوف۔ میں جو ہوں تیرے ساتھ۔

جہاد کی خصوصیت صرف ایک ہے کہ آپ نہیں لڑ رہے ہوتے' آپ کی قوت نہیں لڑ رہی ہوتی مگر آپ کے خسارے کو خدا پورا کر رہا ہوتا ہے۔ خدا وہاں بذاتِ خود موجود ہے۔

فرمایا پروردگار عالم نے ہم نے تمہیں غزوہ بدر میں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ ہم چاہتے تو اس کے بغیر بھی تمہیں جنگ جتوا دیتے مگر کیوں دی مدد؟ کیا وجہ تھی؟ خواتین و حضرات! خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کو بیچ میں کچھ نظر آنے والے سہارے چاہئیں۔ کچھ چیزیں جو وہ دیکھ سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کر رہا ہے۔ جانتے تو ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ و اذقال ابرٰھم رب ارنی کیف تحی الموتی ابراہیم نے کہا! اے رب تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ قال اولم تومن تو اللہ نے پوچھا کیا تجھے یقین نہیں؟ قال بلی و لکن لیطمئن قلبی ابراہیم نے جواب دیا کیوں نہیں! لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ دل عملی شہادت مانگتا ہے۔ ذہن دلائل پر اعتبار رکھتا ہے۔ دل شہادتِ نظر مانگتا ہے۔ اطمینان مانگتا ہے۔ یقین کے باوجود ایک شہادتِ نظر مانگتا ہے۔ اللہ نے کہا قال فخذ اربعة من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ثم ادعھن یاتینک سعیا ط واعلم ان اللّٰہ عزیز حکیم (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۰) اچھا چلو ایسے کرو کہ چار پرندے لو۔ ان کو اچھی طرح مانوس کرلو۔ اس کے بعد ان کی گردنیں کاٹ کے پہاڑ کی مختلف چوٹیوں پر رکھ دینا۔ پھر انہیں پکار وہ تیری طرف آ جائیں گے۔ خواتین و حضرات! یہاں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اللہ نے کہا کہ پہلے ہلا لو ان کو اپنے ساتھ۔ عادی کرلو اپنا۔ یہ کیوں کہا بھلا۔ دیکھیے کمال کی بات ہے جیسے جیسے انسان کے شکوک و اوہام ہیں' ویسے ویسے خدا اس نفسیات کو استعمال کر رہا ہے۔ خدا کے علم میں تھا کہ اگر دل اتنے بڑے اعتبار کے باوجود یقین کی شہادت مانگتا ہے تو کل کو اگر چار پرندے اس کے پاس آ بھی گئے تو ابراہیم کہے گا۔ شک کرے گا کہ کیا پتہ یہ وہی ہیں کہ کوئی اور۔ تو ابراہیم پھر شک میں چلے جائیں تو پہلے اس شک کا مداوا کردوں جس میں ابراہیم جا سکتے ہیں۔ تو کہا کہ پہلے ہلا لو، مانوس کرلو تب۔ جب وہ تیری طرف واپس آئیں گے تو تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا کہ یہ وہی پرندے ہیں جو میرے ساتھ مانوس تھے۔ خواتین و حضرات! اسی طرح مالک اور کریم جو ہے' وہ شہادت عطا کرنے کے

لیے۔ ورنہ اصحاب رسول ﷺ سے بڑھ کر کون صاحب یقین تھا۔ یہاں ایک بڑی خوبصورت بات ان اصحاب یقین کی کہتا چلوں کہ جب یہ آیت اتری واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ الحجر، آیت ۹۹) کہ عبادت کیے جاؤ تاکہ تو یقین تک پہنچے تو خواتین و حضرات! اصحاب رسول ﷺ نے اس کا ترجمہ موت کیا۔ عبادت کیے جاؤ کہ تو موت تک پہنچے یعنی جب تک موت نہیں آتی یقین پر لمحات تشکک آتے رہتے ہیں۔ مرتے ہوئے اگر آپ سلامت گزر گئے خدا پر یقین کے ساتھ تو پھر بات بنے گی۔

There are thousand sips between the cup and the lips.

کیا معلوم کب کوئی بے اعتباری کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی لیے حدیث رسول ﷺ ہے کہ مقدرات ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عبادت گزار شاید مرحلہ یقین اور بے یقینی سے گزرتے ہوئے اپنی عمر آخر میں ایسی خطا کر بیٹھیں کہ ٹھکانا جہنم ہو اور بڑے بڑے فاسق شاید اس دنیائے بے اعتبار سے گزرتے ہوئے لمحہ آخر میں کوئی ایسا کار خیر کر بیٹھیں اور ایسا اعتبار دکھا جائیں کہ جس سے ان کا یقین ان کی منزل آخر جنت ہو۔ تو یقین و اعتبار کی منزل موت سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔ وہ بہ راہ راست سب کچھ کر سکتا ہے مگر انسان کے اس نفسیاتی اعتبار کو قائم کرنے کے لیے انہوں نے ملائکہ کی مدد بھیجی۔ حتیٰ کہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میں نے آواز سنی کہ حیزوم آگے بڑھ۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے۔ پھر میں نے آواز سنی کہ ان کے ٹخنوں پہ مارو۔ ایک اور صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار اٹھائی کہ اس کو قتل کروں مگر مجھ سے پہلے اس کی گردن کٹ کے زمین پر آن پڑی۔ حضور ﷺ نے فرمایا 'یہ ملائکہ تھے' جو ہماری مدد کے لیے آئے تھے۔ مگر مدد کے لیے ملائکہ تو آئیں گے۔ ملائکہ تو اصحاب بدر کی مدد کے لیے ہر صورت تیار ہیں اللہ کے حکم کے ساتھ۔ مگر مسئلہ وہی ہے خواتین و حضرات! کہ آپ کا خدا پر کتنا اعتبار ہے۔ آپ اپنے ٹی وی دیکھیے۔ میں تو ہر آدمی کی زبان سے ایک ہی بات سن رہا تھا۔

Iraqis cannot fight, cannot fight, cannot fight, might, might, might.

یہ وہ قوت دجال 'یہ قہر سامانیاں' یہ قتل و غارت کے اسباب آج کی بات ہے۔ کل کی بات ہے۔ تو نتیجے کی بات ہے۔ دیر کا ہے کی ہوگی۔ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور دیکھو اس بدبخت کو بھی بھلے وقتوں میں خدا یاد آیا۔

دی مؤذن نے اذاں وصل کی شب پچھلے پہر
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

تو وہ دیکھو صدام کو کیا وقت پر خدا یاد آیا کہ وہ صدام جو کبھی خدا کا نام نہیں لیتا تھا۔ وہ شروع کر رہا ہے۔ نصر من اللہ و فتح قریب (۶۱ الصف: ۱۳) اور انشاء اللہ اور اللہ اکبر۔ پورے عرب میں لوگوں کو اسلام سے دور کرنے کا بہت بڑا ہاتھ قوم پرستی کی تحریک کا ہے اور عراق بہت بڑا قوم پرست ہے۔ آج عراق پاکستان کا شکر یہ ادا کر رہا ہے کل اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا کر رہا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ پاکستان تو شروع ہی سے بڑا بھائی ہے۔ اس نے تو ہر صورت یہ جبر و ستم سہا ہے۔ ہمیں تو بہر حال ایک بگڑے ہوئے چھوٹے بھائی کا دکھ ہوتا ہے۔ اگر آج اللہ نے انہیں توفیق دے دی ہے خدا کو یاد کرنے کی۔ We do pray to God for everything، مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں اور اس بات میں قطعاً کوئی

شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ جو میں آپ کو احادیث بتا رہا ہوں کہ خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا اور ان سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت پر بڑے فتنے آئیں گے۔ میری اُمت کسریٰ سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری اُمت قیصر سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ میری اُمت ڈھال والے چہروں کے لوگوں سے جنگ کرے گی اور چہرے کے تھے والوں سے جنگ کرے گی اور اُن پر غالب آئے گی اور زمانہ آخر میں میری اُمت دجال سے جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہ آخر میں میری اُمت کا ایک گروہ دجال کا ساتھ دے گا۔ میری اُمت کا ایک گروہ لڑے گا' شکست کھائے گا اور یہ روئے زمین پر بدترین لوگ ہوں گے۔ میری اُمت کا ایک گروہ حق پر ہوگا وہ دجال سے جنگ کرے گا اور اس پر فتح پائے گا۔ ایک بڑی عجیب سی بات بتاؤں کہ اوقات مقررہ لکھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو ڈرانے نہیں آیا اور مقرر کردہ وقت کے لحاظ سے بتایا کہ دجال کے خروج سے لے کر فتح قسطنطنیہ تک سات سال۔ میرا خیال یہ ہے کہ افغانستان کا سال گزر گیا۔ عراق کا شروع ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بصرہ تباہ کاری کی نذر ہوگا اور وہ بصرہ تباہ ہو رہا ہے۔ اگلی صورت یہ ہے کہ امریکہ اور انگلینڈ اس جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔

They will have no options at least to my mind, there are no other options.

کہ وہ اسرائیل سے درخواست کریں کہ تو اپنی افواج ہماری حمایت میں باقی کا تیل حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب میں داخل کر دے اور اس میں پورا وقفہ جو ہے ڈیڑھ برس کا ہے۔ ایک بات شاہ نعمت اللہ ولی کہہ گئے کہ انگلینڈ چونکہ شروع سے ہی ہر دین کا مخالف ہے اور فتنے کی جڑ ہے اور فساد کی جگہ ہے اللہ اس جنگ میں اسے سرے سے نیست و نابود کر دے گا اور اس میں کچھ بھی نہیں بچے گا۔ میں درخواست تو کر رہا ہوں اپنے ان بھائیوں سے کہ بھائی ایک ایک گھر پیچھے بنوا لو۔ تاکہ سال، ڈیڑھ سال میں اگر تمہیں اچانک واپس آنا پڑے تو کم از کم اپنی حفاظت کا بندوبست تو پیچھے کروا لو تاکہ تم ان کے ساتھ ہی فنا نہ ہو جاؤ اور خواتین و حضرات! ان کے ساتھ فنا ہونے میں ایک بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایک حدیث اس پر بھی وارد ہے کہ لوگ انہی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن کے ساتھ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو خطرہ یہ ہے کہ وہ انگلینڈ والے مسلمان گوروں کے قبرستان سے ان کے ساتھ نہ اٹھائے جائیں اور ہمارے یہ بہت سارے لوگ جو بڑی تیزی سے اُدھر بھاگنے کا سوچ رہے ہیں اور امریکہ کو محفوظ سمجھ کر امریکہ جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! اس کے بارے میں بھی یہ اطلاعات موجود ہیں۔ ایک بڑی عجیب و غریب اطلاع یہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد میں اس کا وقت متعین نہیں کر سکتا' امریکہ ان صحراؤں کی طرح ہوگا جس میں شاید صرف بیریوں کے جھنڈ ہوں گے اور ویران۔ امریکی عورتیں پتھر کے چولہے پر روٹیاں پکا رہی ہوں گی اور خواتین و حضرات! یہ باتیں ذرا دور کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تہذیب کو تباہ ہوتے بھی وقت لگتا ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اب ہم ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

ایسے لگتا ہے کہ اس تباہی پر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ منٹ لگیں گے اور یہ ساری دنیا قتل و غارت کی اس انتہا کو بڑی جلد پہنچ رہی ہے۔ شاید ایک ڈیڑھ برس میں اور زیادہ سے زیادہ سات سالوں میں یہ عمل اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

خواتین وحضرات! اس پورے سلسلے میں باعث نجات صرف وہی دو چیزیں ہیں جو میں نے پہلے آپ کو بتا دی تھیں کہ جب قوم عاد وثمود پر عذاب تو ڑا تھا تو حضرت نوحؑ سے کہا! نکل اپنے بچوں کو لے کر اور رات ہی رات میں یہ جگہ چھوڑ دے۔ جب بھی کہیں سے خواہ وہ انگلینڈ ہو خواہ امریکہ یا کوئی اور جگہ اللہ نے اپنے بندوں کو نکالنا ہوتا ہے تو ان لوگوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔ جس کو اس نے بچانا ہے صرف اسی نے بچانا ہے۔ تباہی ایک مقدر ہو چکی ہے۔ ہلاکت لکھی جا چکی ہے۔ یہ انسانی تہذیب جس نے اسباب کو خدا سمجھ رکھا ہے اور جس نے اپنے آپ کو ان اسباب کا خدا سمجھ رکھا ہے اس کا انجام بہت قریب ہے۔ چاہے اس پر یقین رکھیں یا نہ رکھیں۔

کوشش کیوں؟

سوال: اگر سب کچھ پہلے سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے تو پھر کوشش کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: دو چیزیں ایسی ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔ حالات و واقعات کے ساتھ اس تقدیرِ عالم میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ دعا کے ساتھ تغیر و تبدل ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جس کے لیے دعا مانگتے ہیں اللہ اس کی زندگی طویل کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عمر آدھا دن اور بڑھ جائے۔ پوچھا گیا کہ حضور ﷺ آدھا دن کتنی؟ فرمایا پانچ سو برس۔ تقدیر لکھے جانے کے باوجود کمی اور بیشی ہو سکتی ہے۔ فرمایا ایک بلا آ رہی ہے۔ آپؐ نے دعا مانگی ہے اور وہ بلا ٹل جائے گی۔ وہ آپ تک نہیں پہنچے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بلا کو ایک مثال سے نکال دیتا ہے۔ بلا تو لکھی گئی مگر بجائے اس کو آپ کے عملی وجود سے گزارنے کے آپ کے حسی وجود سے گزار دے گا۔ خواب سے گزار دے گا۔ کوئی اور تصور کی شکل میں گزار دے گا اور وہ آپ سے ٹل جائے گی اس لیے انسان کا عمل خیر جو ہے۔ وہ اس کے وجود کے حادثات کا تحفظ بن جاتا ہے۔ یہ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ تمام اعمال لا اخلاقی ہیں یعنی نماز پڑھنا یا گناہ کرنا اور اسی طرح کے تمام دوسرے اعمال نہ تو اخلاقی ہیں نہ غیر اخلاقی بلکہ لا اخلاقی ہیں۔ ان کو رنگ اس وقت ملتا ہے جب ان کے پیچھے آپ کی نیت متحرک ہوتی ہے۔ یعنی اگر نماز دکھاوے کے لیے پڑھی جا رہی ہے تو یہ آپ کا گناہ ہو گیا حالانکہ کارِ خیر ہے اور اگر آپ نے غلط کام کیا بعد میں ندامت اور توبہ کی تو یہ آپ کا کارِ خیر ہو گیا۔ اس لیے اقبالؒ نے کہا کہ

ع گفتم کہ خیر او نا شناسی ہمی شراست

اللہ نے قرآن حکیم میں خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا۔ خالی شر کو فتنہ نہیں کہا۔ خیر کو بھی فتنہ کہا۔ یعنی دونوں طرف انسان کی آزمائش ہے۔ خیر میں بڑے فتنے ہیں۔ میں آپ کو امام مسلم بن حجاج کی بات بتانا چاہوں گا جو انہوں نے "مسلم" کو ترتیب دیتے ہوئے کہی۔ فرمایا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ اہلِ خیر بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک آدمی کی اصلاح کرنا ہے۔ اس کو کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حالانکہ وہ حدیث نہیں ہوتی۔ ایک آدمی کو غلط روایت سنا دیں گے۔ ایک غیر معقول بات کر کے اسے خدا اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے منسوب کر دیں گے۔ یہ گناہِ کبیرہ ہیں جو بظاہر کارِ خیر کے لیے کیے جاتے ہیں۔ روایت خرافات میں کھو گئی یعنی آج کے مذہب میں اور آج کے علماء میں سب سے بڑا نقص یہ ہے۔ ایک عالم

سے میں نے پوچھا کہ آپ جو بات کہہ رہے ہیں وہ تو اتنی ناقص اور غلط ہے کہ یہ تو کبھی بھی حدیث نہیں ہو سکتی۔ کہنے لگے تمہیں نہیں معلوم۔ ہمیں پتہ ہے کہ لوگوں کے کارِ خیر کے لیے اس قسم کا تھوڑا سا جھوٹ بھی بول دو تو ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ کل جب وہ اس کی تصدیق کرے گا اور یہ غلط نکلے گی تو وہ آپ کو جھوٹا سمجھے گا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی جھوٹا سمجھے گا اور خدا کو بھی جھوٹا سمجھے گا۔ غلط روایت نقل کرنے سے اتنی بڑی غلطی کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ایک وظیفہ آپ کو دیا جاتا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ۔ آپ کی مراد پوری ہو جائے گی۔ آپ چالیس دن ایک سو چھبیس مرتبہ پڑھ کے اب مراد پوری ہونے کے انتظار میں ہیں۔ وہ مراد تو پوری نہیں ہوئی۔ مزید نامرادی پڑ گئی۔ آپ کا اعتبار کس چیز سے اٹھے گا۔ آپ کا اعتبار اس وظیفے سے اٹھے گا جو بہر حال کسی نہ کسی قرآنی آیت پر مشتمل ہوگا۔ چالیس دن سے اٹھے گا۔ اس عالم سے اٹھے گا۔ اس دین سے اٹھے گا۔ پوری خدائی سے اٹھ جائے گا۔ اکثر میں نے لوگوں کو سنا بڑے وظیفے کیے جی۔ اللہ سی دا ہوندا۔ تے میری گل نہ سن دا۔ بڑے وظیفے کیے۔ یہ ایک مسئلہ ہے کہ جب آپ عبادات کا رخ ہی صحیح نہیں رکھتے تو بے اعتباری کے رخ کھل جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خدا کی بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔ پورے زمانے میں کوئی جادو کا ماہر ڈھونڈو گے، کوئی آسیب کا ماہر ڈھونڈو گے، کوئی تعویذوں کا ماہر ڈھونڈو گے اور ان سے یہ کام کرتے کراتے دین سے اتنی دور چلے جاؤ گے کہ خدا اور آپ کے درمیان سوائے حجاب کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔

جنت یا دوزخ

سوال: اگر خدا نے اچھوں کو جنت میں اور بُروں کو دوزخ میں ڈالنا ہے اور اللہ کو اس بات کا پہلے سے علم ہے تو پھر زندگی کا آخر مقصد کیا ہے؟

جواب: ایک بات جان لیجیے کہ کسی انسان کو خدا جہنم میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ایک بہت ہی غلط تصور ہے جو انسانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ اگر میں خود خدا سے اصرار کروں کہ بھئی جنت تو بڑی بے لطف سی جگہ ہے، میں نہیں جانا چاہتا، آپ مجھے دوزخ میں بھیجو تو پھر خدا آپ کو چننے کا اختیار دے گا۔ قرآن کی آیت کی رو سے اس پر غور کیجیے کہ جو خدا قرآن اور پورے دین کی عبارت کو اس سے شروع کرتا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین O الرحمٰن الرحیم O ملک یوم الدین O (۱(فاتحہ):۲ تا ۴) خدا کے تین بڑے اوصاف یہ ہیں کہ تم اسے مانو یا نہ مانو، وہ آپ کو رزق دے گا۔ چاہے آپ عیسائی ہو، یہودی ہو، کافر ہو، چاہے آپ پرندے ہو، انسان ہو، پہاڑ ہو، اللہ آپ کو رزق دے گا۔ خدا کہتا ہے کسی قسم کا احتمال نہیں ہونا چاہیے کہ میں تم سے ناراض ہوا تو تمہارا رزق بند کر دیا جائے۔ ایسے نہیں بلکہ اس کے برعکس کہا کہ جو مجھے نہیں مانیں گے، میں ان کا طعنہ نہیں سہہ سکتا۔

دوستوفسکی کی بات کہ انسان ہے ہی بد قسمت۔ اس لیے وہ بھوک افلاس کے لیے پیدا ہوئے۔ نہیں ایسا نہیں، بلکہ جو مجھ پر یقین نہیں رکھیں گے ان پر دولت دنیا کشادہ کروں گا۔ پوچھا گیا، بھئی اللہ! یہ کیسی دوستی ہے کہ اعتبار والوں کو بھوکا مار دیا، جو تجھ پر یقین نہیں رکھتے ان کو اس قدر رزق دے دیا۔ فرمایا، دیکھو! یہ کل مجھ سے گلہ کریں گے کہ اللہ تجھ کو ہم نے نہیں مانا تو تُو نے ہماری دنیا تنگ کر دی۔ یہ میں نہیں سن سکتا۔ اس کو یہ گوارا نہیں کہ اسے یہ کہا جائے۔ دیکھو، کیا غیرت

خداوند ہے کہ اس کو کافر کا یہ طعنہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ! اگر ہم نے تجھ پر اعتبار نہیں کیا تو تُو نے سزا کے طور پر رزق بند کر دیا۔ کہتا ہے نہیں تم سے زیادہ ان کافروں کو رزق دوں گا۔ اے پیغمبر! اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتو میں ان کے دروازے سونے اور چاندی کے کر دوں۔ وہ مصلحت کیا ہے کہ سارے مسلمان کافر ہو جائیں گے۔ اگر یہ مصلحت مانع نہ ہوتو میں ان کے در و دیوار اور ان کی سیڑھیاں سونے اور چاندی کی کر دوں تا کہ یہ کل کو مجھ سے گلہ نہ کر سکیں۔ قرآن میں اللہ نے کہا کتب ربکم علی نفسه الرحمة (۶ (الانعام): ۵۴) تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ کیا اس رحمت میں جہنم شامل ہو سکتی ہے۔ خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ قطعاً نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس پیغمبر ﷺ کو بے قدر کیا جا رہا ہے، جس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ تو فوت ہو گئے ہیں۔ یہ تو مدینے میں پڑے ہیں، اس کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے کہ پہلے میں جزوی طور پر معاشروں کو عذاب دیتا تھا۔ جس قوم سے ناراض ہوا اس کو زمین سے اکھاڑ دیا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے کھنڈر اُلٹے پڑے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کتنے کنویں سوکھے پڑے ہیں اور کتنی آبادیاں اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں۔ میں تو جب دیکھتا تھا کہ کوئی قوم ناشکری میں مبتلا ہے اور وہ معیشت پر اترا رہی تھی، میں نے اس کو تہ و بالا کر دیا، مگر اے پیغمبر ﷺ! اب میں کوئی بڑا عذاب نہیں دوں گا، کیونکہ اے پیغمبر ﷺ تُو جو ان میں ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اے پیغمبر! یہ مجھ سے عذاب مانگتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب کیوں نہیں عذاب آتا قوم ثمود کی طرح اور عاد و ثانی کی طرح۔ تو فرمایا پروردگار نے اے پیغمبر! یہ اب کیسے ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب آئے تُو جو ان میں ہے۔ اس شخص کی کیا قدر و قیمت ہے اللہ کے نزدیک اور کیا قدر و قیمت ہے ہمارے علمائے جدید کے پاس۔ یہ ذرا فرق محسوس کر لیں۔ اللہ نے رحمت لکھ کر دے دی فرمایا وما ارسلنک الا رحمة للعلمین (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷) اور رحمت اللعالمین زمین پر موجود ہو تو پھر انسان کو جہنم کیسے مل سکتی ہے مگر یہ کہ ہم اصرار کرتے ہیں۔ آج کا المیہ گناہ و ثواب نہیں ہے۔ آج کا المیہ ایمان ہے۔ کیا ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟

گناہ کا کیا ہے۔ یہ تو سارے خسارے ہیں جو توبہ سے پورے ہو جاتے ہیں۔ گناہ کیا ہے۔ انسان کا آغاز توبہ ہی تو ہے۔ اللہ کی طرف سے پہلا قدم جو انسان پر ہے۔ انسان کاروانِ حیات میں، انسان کے اس قافلے میں ہی آدم نے اپنا سفر ہی اسی سے کیا ہے۔ پہلے خطا کی پھر توبہ ہوئی اور پھر معاف کیا گیا۔ یہی تو پہلے اعمال ہیں جو انسان اور خدا کے بیچ میں گزرے ہیں۔ نہ نماز گزری، نہ روزہ گزرا، نہ عبادات کا شغف گزریں، نہ چلّہ معکوس گزرا۔ پہلے انسان نے خطا کی۔ اللہ نے اسے معاف کیا۔ خواتین و حضرات! جب اللہ کو معاف کرنے والا نہ سمجھا جائے گا، جب انسان کے پاس توبہ کا دروازہ نہیں رہے گا۔ تو پھر اس کے لیے عذاب ہے اور آپ کے لیے جنت ہے۔ آپ کو تو دل سے یہ مان لینا چاہیے کہ ایک ایسی ذات بھی ہے جو گناہ معاف کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت کا اظہار

سوال: اللہ سے محبت کا اظہار تو بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ رسول اللہؐ سے محبت کا اظہار کیسے ہو اور اس کا

یقین کیسے آئے گا؟

جواب: آپ نے بڑی خوبصورت بات پوچھی ہے۔ یہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل کی مسند حدیث ہے۔ یہ اقوال رسول ﷺ ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وہ نقوش ہیں جو ہم دل میں سمیٹ لیں، ہم اپنی آنکھوں میں بسا لیں تو ایک شناخت پیدا ہوتی ہے۔ شناخت کی غلط توجیہ نہیں کرنا چاہیے۔

پہلی حدیث باب الایمان میں بخاری کہتا ہے کہ دیکھو کہ ابھی آگے مت جانا۔ پہلے اس بات کا فیصلہ کر لیں۔ حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے اس بات کا فیصلہ کر لو پھر آگے جانا کہ حضور ﷺ کا قول مبارک ہے کہ اعمال کے پیچھے تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ اعمال نہیں دیکھے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ عمل غلط رخ پر جا رہا ہو مگر اس کی نیت درست ہو تو تمہاری نیتیں دیکھی جائیں گی۔ تمہارے اعمال بعد میں آئیں گے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم اپنی شناخت رکھنا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اعمال کی نیتیں دیکھنی پڑیں گی جو ہم بغیر سوچے سمجھے کرتے ہیں۔ جب حضور ﷺ نصف شب کو اٹھتے تھے تو اندھیرا ہوتا تھا۔ وہ پھر ہاتھ سے ٹٹولتے تھے اور ایک چھوٹی سی پانی کی مشک ان کے پاس ہوتی تھی۔ پھر ہاتھ اس مشک تک جاتا تھا۔ پھر آپ اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر کلی کرتے یا آنکھوں پر ملتے۔ جب نیند کا غبار ٹوٹتا۔ یہی فطری بات ہے کہ اگر آپ آدھی رات کو اٹھیں گے اور نیند چڑھی ہوئی ہوگی تو سب سے پہلا کام آپ یہی کریں گے کہ پانی تھوڑا سا لگاؤ تاکہ یہ نیند کا غبار اترے۔ پھر آپؐ دانت صاف کرتے۔ خواتین و حضرات! مسواک کی بڑی اہمیت ہے۔ اب علمائے اسلام اگر مسواک کی اہمیت زیادہ کریں گے اور دانتوں کی صفائی کم کریں گے تو کیا بات بنے گی۔ اگر نیات کو پرکھا جائے تو پتہ چلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے دانتوں کی صفائی اشد ضروری قرار دی اور اگر فیصل آباد کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی شناخت کو برقرار رکھنا چاہیں اور اگر لوگ صبح سویرے مسواک ڈھونڈنے نکل پڑیں تو تمام درخت اور تمام پودے شام تک میرا خیال ہے بے برگ و بار ہو جائیں گے۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسواک سے مراد دانت صاف کرنا ہے تو آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور اگر آپ کا مسئلہ خالی مسواک ہے تو پھر بیچارے درختوں کی شامت تو آ ہی جائے گی۔

مثال کے طور پر میں اب اس قسم کی شناخت کے لیے عمدہ سا ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ یہ مستند حدیث ہے کہ ایک دفعہ حج کا موقع تھا۔ حضرت فضل بن عباسؓ رسولؐ اللہ کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے تھے۔ ایک خاتون بڑا اچھا چہرہ زیبا لے کر آئی۔ وہ لباس احرام میں تھی۔ فضل بن عباسؓ نے ٹکٹکی باندھ کے دیکھنا شروع ہو گئے۔ اب بڑی پریشان کن صورت حال پیدا ہو گئی۔ جب دیکھا کہ یہ تو اس بدتمیزی سے باز ہی نہیں آ رہے تو حضور ﷺ نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ادھر کر دیا کہ بس بہت ہو گیا۔ یہ وہ اطوار کی شائستگی ہے۔ اگر آپ رسالت مآب ﷺ کی نیت دیکھیں تو وہ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم حج پر میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو۔ ایک خاتون مذہبی مسئلہ پوچھنے آئی ہے اور آپ اس طرح ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہو کہ آپ مجھے بھی شرمندہ کر رہے ہو تو آپ ﷺ نے انتہائی شائستگی سے چہرے کو ادھر کر دیا۔ دراصل سکھانے کا یہ مستحسن طریقہ ہے۔ کوئی لفظ نہیں بولا۔ لفظ بولتے تو دونوں کو شرمندگی ہوتی۔ صرف آرام سے چہرے کو ادھر پھیر دیا۔ بس یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارے دل کو لگ جائیں۔

اسلام میں اور باقی نظاموں میں بہت بڑا فرق ہے کہ اسلام کو دل تسلیم کرتا ہے۔ باقی نظام جبر ہیں۔ اسلام واحد ایسا نظام ہے جس کو لوگ دل سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی خوبی دیکھیے کہ آج کے اس دور میں جبکہ یہ نظام پچھلے سینکڑوں برسوں سے کہیں بھی رائج نہیں ہوا ہے' پھر بھی لوگ دل سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ آج بھی کر رہے ہیں۔ آج بھی لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ آج بھی لوگ زکوٰۃ دے رہے ہیں، صدقات دے رہے ہیں۔ آج بھی اسی طریقے سے وضو کر رہے ہیں۔ آج بھی خدا کو مان رہے ہیں۔ احکام رسول اللہ ﷺ کو مان رہے ہیں۔ یہ خوبی ہے اس نظام کی کہ لوگ پہلے اسے تسلیم کرتے ہیں' پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگ پہلے اس پر ایمان لاتے ہیں' پھر اس کے مطابق عملی زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایمان تو آپ بڑی دیر سے لائے ہوئے ہیں' لیکن ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا اور نہ اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش ہی کی جا رہی ہے۔

حضور ﷺ سے محبت صرف آپ کے چہرے سے ہی نہیں

سوال: آپ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حضور ﷺ سے محبت آپ کے دل میں ہی ہے چہرے پر نہیں؟

جواب: آپ نے بڑی معقول بات فرمائی' مگر میں ایک چھوٹی سی بات آپ سے عرض کردوں۔ بعض اوقات جو ایک کوتاہی میری ذات میں ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی کوتاہی نہ بنے' مگر اس کے پیچھے ایک خصوصی حکمت کارفرما ہے۔ جو شاید میں کہوں تو وہ عذر سمجھا جائے گا اور جھوٹ سمجھا جائے گا۔

مجھے جس اُمت سے واسطہ پڑا' جن لوگوں سے واسطہ پڑا' جن لوگوں کو میں نے داڑھیوں میں دیکھا' میں ان کی مذمت نہیں کرتا' لیکن بدقسمتی سے وہ داڑھی کے معیار پر پورے نہیں اترے۔ ایک جملہ آپ نے بھی سنا ہوگا میں نے بھی سنا ہے' یہ کوئی داڑھی کی قدر و قیمت تو نہیں۔ میں آپ کو قسم اٹھا کے کہتا ہوں کہ میں ابھی اپنے آپ کو داڑھی کا اہل نہیں سمجھتا میری ذات میں بڑی خامیاں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے یہ سنتِ رسولؐ مجھے زیبا نہیں۔ کم از کم اس کے نہ ہونے سے میں ان کمتر اور کمزور درجے کے مسلمانوں میں ہوں جن پر اعتراض نہیں ہوتا اور پھر جب میں اس کو رکھ لوں گا تو پھر مجھے کچھ نہ کچھ اس کا معیار پورا کرنا پڑے گا۔ روزانہ جو میں جھوٹ بولتا ہوں' اسے ترک کرنا پڑے گا۔ سب سے بڑھ کر مجھے نفاقِ قلب کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ علی بن عثمانؒ نے فرمایا! یہ قول ایک حجت ہے کہ جس سنت پر فسق و فجور کا گمان ہونا شروع ہو جائے' اس کا ترک اس کے اختیار سے بہتر ہے۔

سائنس کی رُو سے مسلمان کا زوال

سوال: کیا مسلمانوں کا سائنس اور ٹیکنالوجی سے دور ہونا ان کے زوال کی بہت بڑی وجہ نہیں ہے؟

جواب: نہیں' ایسا نہیں ہے۔ بلکہ علم کا تقسیم ہو جانا۔ مجموعی طور پر آپ دیکھیں کہ تین' چار سو سال سے ایک حماقت عالمِ اسلام میں جاری ہے' اور اس کا سبب علمائے اسلام ہیں اور وہ یہ کہ یہ دین کا علم ہے' وہ دنیا کا۔ جس کو بھی آپ

دیکھیں گے وہ علم کو تقسیم کر رہا ہے۔ فرض کیجیے ایک شخص جو ایم۔ایس۔سی میں داخلہ لے رہا ہے' ایک بزرگ اسے فرمائیں کہ آؤ ہمارے مکتب میں پڑھ لو۔ یہ علم تو دنیا کا ہے' یہ دین کا ہے۔ یہ تقسیم جب سے شروع ہوئی ہے' دین و دنیا کے علوم علیحدہ ہوئے ہیں۔ جب سے یہ تقسیم شروع ہوئی ہے کہ آپ بچے کو قرآن حفظ کروانا چاہتے ہیں اور اسے سکول سے اٹھا لیتے ہیں کہ یہ قرآن حفظ کرے گا۔ سکول نہیں پڑھے گا۔

قرآن حکیم جب علم کی تقسیم کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے بہترین وہ لوگ ہیں جو الذین یذکرون اللہ قیما وقعودا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض (۳(آل عمران):۱۹۱)

اب آپ انصاف سے کہیے کہ ایک طرف خدا یہ کہتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں جو صبح و شام چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مجھے یاد کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ بندے ہیں جو زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ماہرین نباتیات ہیں' وہ لوگ جو ماہرین فلکیات ہیں' وہ لوگ جو مختلف سائنسی علوم سے وابستہ ہیں' جو تحقیق و جستجو کے میدان میں ایک چھوٹی چیز سے خدا کا اثبات ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں' وہ لوگ جو سمندر پر غور کر رہے تھے' جب وہ سمندر کی تہہ میں اترے تو انہوں نے ایسی عجیب و غریب مچھلیاں دیکھیں تو وہ شخص جو مسلمان نہیں' یہ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس مچھلی کو کس لیے بنایا گیا ہے' اس کا مدافعاتی نظام مخصوص ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مدافعاتی نظام اس کو کس نے دیا ہے۔ سوائے اس کے میں یہ کہوں کہ اسے اللہ نے دیا ہے۔

خواتین و حضرات! تحقیق و جستجو کی یہ تقسیم کہ یہ قرآن ہے' یہ حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قرآن ہے تو اس کی ایک ایک آیت کو سمجھنے کے لیے آپ کو مختلف علوم کی اعلیٰ اسناد چاہئیں۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب لعلکم تتقون (۲(البقرہ):۱۷۹) اور اگر اہلِ عقل غور کرو تو قصاص میں زندگی ہے' اس کے لیے آپ کو علم تاریخ چاہیے' اس کے لیے آپ کو پتھرائے ہوئے ڈھانچوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے آپ کو عمرانیات کا پورا علم چاہیے۔ پھر جا کر آپ اس آیت کے معانی کو سمجھ سکیں گے۔ ایک چھوٹی سی آیت ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیاء مذکوراً (۷۶(الانسان):۱) میں آپ سے بطور دعویٰ کہتا ہوں کہ لم یکن شیاء مذکورہ کی تفسیر جو ہے آپ میں کوئی بڑے سے بڑا عالم اس وقت تک نہیں کر سکتا' جب تک اسے حیاتیات کا مکمل علم نہ ہو۔ انسان کے آغاز کا علم نہ ہو' حیات کی ابتداء کا علم نہ ہو۔ اللہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ مدتوں برس ہا برس قرن ہا قرن تم زمانے میں ایسے رہے کہ تم کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھے تو اس کی کون وضاحت کرے گا کہ انسان زمانے میں کیسا رہا؟ کون اس حقیقت سے پردہ اٹھائے گا کہ حیاتِ انسانی تو دو ارب سال پہلے شروع ہوئی۔ ول ڈیورانٹ اپنی ''ہسٹری آف فلاسفی'' میں کہتا ہے کہ انسان ایک جامد حیات کی صورت میں کہیں موجود تھا اور پھر اس نے سودا کیا' موت کے بدلے زندگی قبول کی اور یہ بٹتا چلا گیا۔ ایسا سے Paramecia ہوا' اس سے آگے بڑھتا ہوا دوہرے خلیے (Double celluler) کی حیات تخلیق ہوئی۔ آپ ایک' دو ارب سالوں میں اس درجہ انسانیت پر پہنچے۔ علم کی تقسیم کی وجہ سے یہ سب حادثات پیش آئے۔

آج بھی آپ ایک طرف وہ تمام لوگ دیکھیں جو صرف مذہبی علوم رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ دیکھیں جو تمام دنیاوی علوم رکھتے ہیں' ان دونوں کے درمیان کوئی مطابقت نہیں۔ یورپ کیوں ترقی یافتہ ہے کہ تمام سائنسی علوم

میں کمال حاصل کر گیا' مشرق کیوں پسماندہ ہے کہ ان کو ان سائنسی علوم کا کچھ پتا نہیں تھا' مگر مغرب والے یہ کہتے ہیں کہ مشرق اس لیے پسماندہ ہے کیونکہ وہ مذہبی ہے حالانکہ یہ دلیل غلط ہے۔ مشرق مذہبی علوم کی وجہ سے پسماندہ نہیں ہے۔ مشرق یا آپ اس وجہ سے پسماندہ ہو کہ آپ نے مذہب کے قانون کو صحیح طرح سمجھا نہیں۔ آپ موضوعی نقطہ ہائے نظر (Subjective Approaches) کے مالک ہوئے۔ آپ نے آدھے مذہب کے قانون پر عمل کیا۔ آدھے کو بالکل چھوڑ دیا۔ الذین یذکرون اللّٰہ قیما وقعودا و علیٰ جنوبھم تک تو عمل کر لیا اور دوسرا حصہ بالکل ترک کر دیا کہ ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (۳ (آل عمران):۱۹۱)

خلوص اور اخلاص

سوال: خلوص اور اخلاص کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ تو بجز وں کا تعلق ہوتا ہے جسے آپ اخلاص کہتے ہیں کہ اس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ مخلصی بعض اوقات نادانی سمجھی جاتی ہے۔ اخلاص ایک ایسا رویہ ہے جو تعقل کے درجے پر پہنچتا ہے تو الہام ہو جاتا ہے۔ اخلاص بغیر ترجیحات کے مرتب نہیں ہوتا۔ جب آپ دل و دماغ سے کسی چیز کا انس پیدا کرتے ہیں اور کسی شے کی محبت کو ترجیح اول قرار دیتے ہیں تو آپ کا اخلاص ترقی پذیر ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات میں تمام لوگوں میں یہ محبت کی جبلت موجود ہوتی ہے۔ یہ بنیادی جبلتوں میں سے ہے۔ محبت ایک بنیادی جبلت ہے جیسے جارحیت اور تحفظ ذات بھی بنیادی جبلتیں ہیں مگر جب اس جبلت کو سنوارا جاتا ہے اور کوئی رخ دیا جاتا ہے اور یہ وجود سے نکل کر قدر کی صورت اختیار کر جاتی ہے تو یہ اخلاص کا نام پاتی ہے۔

غیر مسلم بچے کا حساب

سوال: ایک بچہ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا' اس کا مسلمان ہونا تو سمجھ میں آتا ہے جو بچہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہی نہیں ہوا' اس سے اللہ کے پاس حساب لینے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اس معاملے میں معتزلہ اہل اسلام سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے بڑا مناسب دیا۔ پوچھا گیا کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ چھوٹی عمر میں مر گیا۔ بلوغت سے پہلے مر گیا۔ فرمایا' اللہ بہتر جانتا ہے جو اس نے بڑے ہو کر کرنا ہے' مگر میں آپ کو ایک عملی سا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں حالات و واقعات یا کوئی اچانک تبدیلی آ جائے۔ وہ یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے بنیادی اجزاء (جو آپ نے ایک چیز حاصل کرنی ہے اس کے بنیادی اجزاء) ایک جیسے ہوں۔ مثلاً آپ نے مشین میں دودھ اور آئس کریم پاؤڈر ڈالا۔ باقی اجزاء ڈال دیے تو ہو سکتا ہے کہ پتلی آئس کریم تیار ہو' اچھی تیار ہو' بے مزہ آئس کریم تیار ہو' مگر یہ نہیں ہوگا کہ آئس کریم کی جگہ تربوز نکل آئے۔ اب اگر ایک کافر ماں ایک کافر باپ' کافر جینز (Genes) بچے میں ڈال رہے ہیں تو جب تک وہ بلوغت اور شعور کو نہیں پہنچتا اس جینز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئے گی اس لیے:

The product will stand wasted just as the parents stands wasted.

بڑی سادہ سی بات ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ ہاں اگر وہ بچہ بڑا ہوتا ہے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے۔ اپنے تصورات کی تبدیلی کا اختیار رکھتا ہے' عقل و شعور رکھتا ہے' خدا کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اللہ اس کے راستے متعین کرتا ہے اور وہ کے۔ ایل۔ گابا ہو جاتا ہے۔ کافر تھا' ہندوؤں کے گھر پیدا ہوا' مسلمان ہو گیا اور دوسرے کوئی مسلمان ایسا نکلتا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے تو جب بلوغت آئی تو انسانوں کے کردار و افعال ان پر مسلط ہوئے تو ان کی سوچیں فیصلہ کرتی ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ کروڑہا مسلمان صاحبِ نجات ہیں یا نہیں۔ اب آپ غور کیجیے کہ ایک نظریہ آتا ہے کمیونزم' سوشلزم اور وہ نظریہ دیکھتے دیکھتے دو یا تین کروڑ پاکستانیوں کو متاثر کر دیتا ہے۔ ہمارے زمانے میں ایک طالب علم نے مجھ سے پوچھا کہ ہمارے لیکچرر فرماتے ہیں کہ:

Muhammad (PBUH) was a Capitalistic Exploiter.

جب ایک مسلمان کا بچہ محمد رسول اللہ ﷺ کو Capitalistic Exploiter کہے گا تو کیا اس کا ٹھکانا پھر جنت میں ہونا چاہیے؟ یہ وہ تھیسز ہے جو مکمل طور پر اس بات پر قائم ہے کہ مذہب افیون ہے اور خدا سراب ہے' خیالِ خام ہے' حماقتِ انسان ہے۔ وہ دو کروڑ مسلمان' مسلمانوں کے سے نام رکھیں گے' مسلمانوں کے گھر پیدا ہوں گے' مسلمانوں کی اولاد ہوں گے اور اپنے مقامات جو ہیں۔ ؎

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

علم کے واسطے چین تک

سوال: ایک حدیث ہے کہ علم حاصل کرو چاہے' تمہیں چین تک جانا پڑے تو جناب ٹیکنالوجی تو ساری امریکہ اور یورپ کے پاس ہے تو چین تک کا ذکر رسول پاک ﷺ نے کیوں فرمایا؟

جواب: اگر آپ کو شاہراہ ریشم کے رُوٹ کا پتہ ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ جس زمانے میں یہ بات کہی گئی اُن دنوں سب سے مہذب علاقہ چین سمجھا جاتا تھا' جیسے آج آپ کے ہاں نیویارک اور واشنگٹن ڈی۔ سی کے نام صحائفِ مقدس سمجھے جاتے ہیں' اس زمانے میں مسلمانوں کے سمرقند' خیوہ اور چین کے علاقے بہت معتبر اور خوبصورت ترین علاقے سمجھے جاتے تھے۔ مراکش میں تمام اطالوی لوگوں کا خیال تھا کہ یہ یہاں جنتی ہیں اور وہاں حور اور ملائکہ کے قصے مشہور تھے اور یہ اس وجہ سے تھے کہ تکنیکی اور ثقافتی اعتبار سے مسلمان اس زمانے میں یورپ سے بہت آگے تھے۔ یورپ اس وقت سیاہ ادوار میں تھا اور یہ علاقے اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند تھے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہم اس سے بھی پیچھے جا سکتے ہیں تو تین ہزار سال پہلے جیسے قبلائی خان اور کنفیوشس کے دور میں چین سب سے قدیم' سب سے مہذب اور سب سے ترقی یافتہ تہذیب سمجھی جاتی تھی اور وہ اثرات رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک قائم تھے۔ اب آیئے رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک۔ دیکھیے کہ یورپ کا کیا حال تھا۔ ظاہر ہے کہ یورپ اُن دنوں دورِ سیاہ کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا' اس لیے اس کی نہ کوئی علمی شناخت تھی' نہ کوئی تکنیکی شناخت تھی

بلکہ پندرھویں اور سولھویں صدی کے درمیان انگلینڈ' اٹلی اور فرانس میں جب کسی کو آدھے سر کا مستقل درد ہوتا تھا تو لوگ کہتے تھے اس پر جن غالب ہے اور جن لوگوں سے وہ درد کا علاج کرانے جاتے تھے وہ ایک صلیب نما کیل ان کے سر میں ٹھونک کر ان کا درد دور کرتے تھے۔ وہ بندہ بھی فارغ ہو جاتا تھا اور درد بھی۔ اس زمانے میں چونکہ مہذب ترین اور اعلیٰ ترین علمی فضیلت والی قوم چین تھی' اس لیے فرمایا' اطلبوا العلم ولو کان بصین اور پھر چین سب سے دور بھی تھا۔ یہاں دوری بھی استعارہ ہے۔ اس کے درمیان تین ہزار میل کا صحرائے گوبی پڑتا تھا' جس کو عبور کرنے کے بعد آپ قبلائی خان کے دارالحکومت تک پہنچتے تھے' جیسے مارکو پولو پہنچا تھا۔ تو یہ ایک دوری کا نشان ہے جسے حضورؐ نے فرمایا' علم اگر اوجِ ثریا پر بھی ہوگا تو ایک عجمی اسے اتار لے گا' یعنی عجم میں سے کوئی شخص اسے اتار لے گا۔ تو یہ دوری کا نشان بھی ہے مگر ایک بات اچھی طرح یاد رہے کہ علم تو مدینے میں تھا' علم تو قرآن تھا' علم تو رسالت تھی' علم تو ایمان تھا' تو اس سے مراد وہ علم نہیں ہے' اس سے مراد دنیاوی علوم ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی تعلیم کو کتنا لازم قرار دیا۔

Kat Stevens

سوال: ایک مغربی گویے نے جس کا نام Kat Stevens تھا' اسلام قبول کر کے اپنا نام یوسف رکھ لیا تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: خواتین و حضرات! میں نے بھی امریکہ ایک چکر غلطی سے لگا لیا تو ان دنوں وہاں Kat Stevens آئے ہوئے تھے اور وہ اللہ پر پروگرام پیش کر رہے تھے۔ انہی دنوں میں وہاں کے سلسلے کے ایک صوفی بھی آئے ہوئے تھے تو مجھے ان دونوں حضرات کو سننے کا اتفاق ہوا اور میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ یہ تصوف تو بڑا دلکش ہوتا ہے۔ آدھی رات کے بارہ' ایک بجے سلسلہ صوفیا شروع ہوا تو تمام لوگ سفید لباس پہنے ہوئے ایک حلقہ سا بنا کے کھڑے ہوئے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں دف تھی' کسی کے ہاتھ میں بانسری تھی اور وہ ناچ رہے تھے اور اللہ ھُو۔ اللہ ھُو۔ اللہ ھُو کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم اپنے ہی لوگوں کو ایسے فراڈ میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ یہاں اس سے بھی زیادہ فراڈ ہے۔ Kat Stevens ان دنوں گٹار پر اللہ کا پروگرام پیش کر رہے تھے اور ساتھ جھوم رہے تھے۔ By far, it was one of the most funniest sites I have every seen.

مگر میں ان کے اخلاص کی بات نہیں کرتا۔ بہرحال مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔

آپ گٹار پر اللہ ھُو کرتے پھرو اور پوپ موسیقی کے ذریعے ہی اللہ کو مقبول کرتے رہو۔ بہرحال۔

I don't know...... God is the better judge.

وسوسہ اور الہام

سوال: وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟

جواب: وسوسہ دستک' جھنکار کو کہتے ہیں کہ آپ کے سلسلۂ خیال میں اور جس طرح کوئی سکوت ہو' امن ہو' پھر اچانک کہیں سے پائل کی جھنکار آئے' کوئی دستک دے تو جو چونکاہٹ پیدا ہوتی ہے اُس کو وسوسہ کہتے ہیں۔ وسوسہ اور الہام قطعی دو علیحدہ چیزیں ہیں۔

ایک صوفی اپنے شاگرد کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی' پاؤں بھی ننگے تھے۔ شاگرد کے گلے میں گلوبند تھا تو اس نے چاہا کہ گلوبند اتار کے میں اپنے شیخ کے پاؤں میں پہنا دوں۔ پھر خیال آیا نہیں شیخ تو بہت ریاضت والا ہے۔ اس نے تو بڑے کشٹ کاٹے ہیں' یہ کہاں سردی گرمی کی پروا کرتا ہے۔ خیال ختم ہو گیا اور آگے بڑھ کے کچھ دیر کے بعد اسی شاگرد نے اپنے استاد سے پوچھا کہ حضرت یہ وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا! جو تجھے پہلے آیا تھا وہ الہام تھا' جو بعد میں آیا وہ وسوسہ تھا۔

فلاح پانے والا فرقہ

سوال: مسلمان اس وقت بہت سے فرقوں میں بٹ چکے ہیں' اس کی وجہ کیا ہے اور آپ کے خیال میں فلاح پانے والا فرقہ کون سا ہے؟

جواب: بہت سادہ سا فرق ہے مسلمان میں اور فرقوں میں۔ ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعًا لست منھم فی شیء (۶ (الانعام):۱۵۹) وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں فرق کیا اور گروہ بن گئے' اے پیغمبرا تُو ان میں سے نہیں۔

پیغمبر نہیں ہے تو ہم کہاں سے ہوں گے۔ وہ لوگ جنہوں نے تشخص جُدا کیا' عادات جُدا کیں' انداز جُدا کیے' اسٹائل جُدا کیے' داڑھیاں جُدا کیں' ٹوپیاں جُدا کیں' شلواریں جُدا کیں' رنگ جُدا کیے' ان میں پیغمبر نہیں اور وہ جن کا ایک سا انداز ہے جو گنہگار ہیں' کٹے ہیں' غلطی کے وقت توبہ کر لیتے ہیں' مڑ مڑ کے خدا کو یاد کرتے ہیں فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ (۵۳ (النجم):۳۲) جو شخص اپنے آپ کو پاکباز نہیں کہتا' مقدس نہیں سمجھتا' وہ آپ جیسا' جس کا ایک تشخص ہے کہ وہ مسلمان ہے' وہی صحیح ہے۔

کمپیوٹرائزڈ نسل

سوال: آج کے دور میں نوجوانوں کی تفریح کمپیوٹرائزڈ ہے۔ نہ تو انہیں دودھ سے دلچسپی ہے نہ شہد سے۔ جنت میں جا کر یہ لوگ کیا کریں گے؟

جواب: خداوند کریم نے فرمایا کہ جنت میں ہر سمت آپ کو خوشی ملے گی۔ اگر آپ کا یہی ٹیسٹ جنت میں قائم رہا تو اللہ وہاں بھی آپ کے لیے کوئی ڈسک پلیئر یا کمپیوٹر لا دے گا۔ اس سے کوئی مسئلہ نہیں' بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے کمپیوٹر' سپر کمپیوٹر کے سامنے اتنے حقیر لگیں کہ آپ کو ایم سی ایس دوبارہ کرنا پڑے۔ یہ خیال کر کے جائیے گا کہ وہاں اگر آپ امتحان دینے کی مصیبت میں پڑ گئے جو دنیا میں ہے' تو مزا نہیں رہے گا۔

شعور کی عمر کا تعین

سوال: احساس گناہ جو ہے وہ شعور کی عمر میں جا کر آئے گا۔ شعور کی عمر کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

جواب: ہم چودہ برس کی عمر تک اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ بہت ساری باتوں سے بچوں کو روکتے ہیں تو وہ اس کا پس منظر بن جاتی ہے۔ جھوٹ بولنے سے روکتے ہیں یا ان کو آگ کے قریب جانے سے روکتے ہیں تو یہ ساری کی ساری ابتدائی تربیت ہے جو ان کو بعد میں مدد دیتی ہے۔

جیسے احساس گناہ قبر تک جاتا ہے۔ ہم شعور کی عمر میں بھی گناہ کرتے رہتے ہیں، مگر ہمیں چھوٹا سا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تربیت کو اس لیے اہم قرار دیا جاتا ہے کہ ابتدائی تربیت جتنی بھی مستحکم اور واضح ہوگی اور جتنی بھی منافقت سے خالی ہوگی، وہ تربیت آخرت تک ہمارا ساتھ دے گی۔ جیسے اقبالؒ نے کہا:

بتو لے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

جیسے آج کل کی تربیت ہو رہی ہے۔ بچے اس لیے زیادہ بگڑ جاتے ہیں کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز ماں باپ کہہ رہے ہیں، خود اس کے خلاف کرتے ہیں تو ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ماں باپ بھی بے اصول ہیں اور ہم نے بھی ایک بے اصولی کا رویہ اپنانا ہے، مگر جیسے بھی کہتے ہیں کہ آغوش مادری سے بھلائی کے سراغ ملتے ہیں اور جھولے ہی میں پوت کے پاؤں سے پتا لگ جاتا ہے کہ بڑا انسان ہے کہ نہیں۔ اس کی وجہ وہ ابتدائی تربیت ہے جس میں ایک خالص نیکی، سعادت، شرافت، اخلاق اور صبر کے اصول ہیں۔ Adversity is the school of all great people. اور غربت میں جو مائیں اپنے بچوں کو اچھے اصولوں سے پالتی ہیں، خیر پر پرورش کرتی ہیں، نیکی پر پالتی ہیں پھر وہی بچے آگے جا کر انہی اصولوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

جذبات کی مخالفت

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کو اپنی ترجیح اولیں بنائیں اور آپ نے یہ بھی کہا کہ مسلمان اتنا الجھ چکا ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکتا۔ میں خدا کو اپنی ترجیح اول تو بنالوں اور بنانا بھی چاہتا ہوں مگر میں اپنے جذبات کی مخالفت کیسے کروں؟

جواب: اصل میں تو یہ جہاد ہے اور ایک جنگ ہے جو کلمہ پڑھنے سے شروع ہوتی ہے۔ کیا مدوجزر ہے جو انسانی طبیعت میں کلمے کے بعد شروع ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ میں جو ہزاروں خداؤں میں تقسیم ہوں۔ میرے باطن میں میری انا میرا خدا ہے۔ میرا انتخاب میرا خدا ہے۔ میری محبتیں میرا خدا ہے۔ میری چاہتیں، رغبتیں ہر چیز میرا خدا ہے۔ زین للناس حب الشھوٰت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ و الخیل المسومۃ والانعام و الحرث ط ذالک متاع الحیوٰۃ الدنیا (۳ (آل عمران): ۱۴) لوگوں کی خواہشات نفس سے محبت،

عورتوں سے محبت' بیٹوں سے محبت' سونے اور چاندی کے خزانوں سے محبت' عمدہ قسم کے گھوڑوں' مویشیوں سے محبت اور کھیتی سے محبت بڑی مزین کی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سارے کے سارے خدا ہیں۔ اگر ان ساری چیزوں ہی کی عبادت ہم نے کرنا ہے تو پھر لا الٰہ کیوں کہنا ہے۔ میں نے الا اللہ تک کب پہنچنا ہے۔ کیا بہتر نہ ہوگا کہ میں کلمے سے دستبردار ہو جاؤں۔ میں یہ نہ کہوں کہ میں الا اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ میری استعداد کوئی نہیں ہے۔ یہ تو بڑی ہمت کا کام ہے۔ بڑی سوچوں کا کام ہے۔ مگر خدا کہتا ہے۔ لن تنالو البر حتیٰ تنفقو مما تحبون (۱۳ (آل عمران):۹۲)

براتِ عاشقاں در دل

تم کبھی میری محبت نہیں پا سکتے جب تک کہ اس کے مقابلے میں اٹھتی ہوئی محبتوں کو خرچ نہ کرو۔ قربان نہ کرو۔ یہ ایک دن کا کام نہیں۔ بائیس برس قرآن اترتا رہا۔ بائیس برس عربوں کی جبلتیں ٹوٹتی رہیں۔ بائیس برس تک تربیت کے اس نظام میں بدترین لوگ بہترین نفوس میں بدلتے رہے۔ ایک دن میں نہیں بدلے۔ میں بہترین انسان بننے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' سب سے بہترین زمانہ میرا' پھر میرے اصحاب کا' پھر تابعین کا۔ حضرات گرامی! آج کے دن ہم زیرو مارجن سے تو شروع کر سکتے ہیں' میں اگر عمل نہیں کر سکتا تو میں ایک خواہش کا اظہار تو کر سکتا ہوں اور خواہش کے اظہار کے لیے ہی سورۂ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کیا چیز ہے۔ جدوجہد کے کھلنے کو کہتے ہیں میری اپروچ کا کھلنا کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا۔ دیکھیے جس چیز کو آپ کمتر سمجھتے ہیں' اس سورۃ کو آپ چھوٹا سمجھتے ہو' دن میں دس مرتبہ پڑھتے ہو' اس کی اہمیت کا آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔ یہ آپ سے عمل کا تقاضا نہیں کر رہی۔ آپ غور کیجیے۔ سورۃ فاتحہ اس سوال کا جواب ہے جو ابھی آپ نے کیا کہ خدا کو ماننے کی آرزو ہے۔

وصالِ یار بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

جس شخص کے دل میں آرزوئے خداوند پیدا ہوگئی' اس کا پہلا سوال یہی ہے کہ کیا کروں تو اللہ کہتا ہے کہ فاتحہ سے شروع کرو۔ دُعا سے شروع کرو۔ یہ سورۃ تمام امراض کی شفا ہے اور سب سے بڑھ کر امراضِ قلب کی شفا ہے جو آپ کے دل میں وساوس' جو اجرامِ فلکی کے گمان' جو زندگی کے گمان' جو غلطیوں کے گمان آتے ہیں' اُن میں یہ آپ کو راستہ دکھاتی ہے اور اگر اللہ توفیق دے تو آپ اپنے مشاغل میں نماز کو اور سورۂ فاتحہ کو جزوِ فکر بنائیں اور خدا سے دعا مانگتے رہیں تو انشاء اللہ تعالی العزیز آپ کے راستے کشادہ ہوں گے۔ آپ کو عملی' نظری اور فکری رستے ملیں گے اور آپ قرب و جوارِ خداوند میں جا کر رکیں گے۔

اسلام میں تفریح کا تصور

سوال: اسلام میں تفریح کا کیا تصور ہے؟

جواب: اسلام میں تفریح کے کتنے مقامات ہیں اور اسلام اتنا تفریح کا قائل ہے کہ حضور ﷺ نے تیر اندازی کے مقابلوں میں شرکت کی۔ حضور ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تماشا دکھلایا' جسے آپ بازی گروں کا تماشا کہتے

ہیں۔ حضور ﷺ نے گھڑ دوڑ میں حصہ لیا اور اسلام ان تمام تفریحات میں یقین رکھتا ہے جو شہوات خالصہ کو نہ لے کے جائیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے دور کے بہترین کھلاڑی تھے۔ وہ کھیلوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے کہ فرمایا' ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا' یا رسول اللہ ﷺ دوڑ ہو جائے تو فرمایا عائشہ ہو جائے اور پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور حضور ﷺ آگے نکل گئے اور میں پیچھے رہ گئی۔ میں نے کہا' حضور ﷺ پھر سہی۔ فرمایا! ہاں پھر کبھی سہی اور پھر کچھ عرصے کے بعد جب حضور ﷺ بوڑھے ہونے لگے تو میں نے کہا' حضور ﷺ آج پھر دوڑ ہو جائے فرمایا ہاں ہو جائے۔ پھر ہم نے صحن میں دوڑ لگائی اور میں آگے نکل گئی۔ فرمایا! عائشہؓ برابر ہوئے۔ شکر ہے تم نے دوڑ جیتی ورنہ تم نے بدلہ نہیں چھوڑنا تھا۔ دیکھیے کہ گھر میں اپنی محترم خاتون کے ساتھ دوڑیں لگ رہی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ تفریح کو پسند نہیں کرتے ہوں گے۔

بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ جن کی زیادتی غلط ہے اور وہ تفریح کی حد تک رہیں اور شہوات کی حدود میں نہ داخل ہوں۔ اب اگر آپ نے باقی چیزوں کی اصلیت دیکھنی ہے تو آپ کو یہ اصول برتنا پڑے گا کہ کیا وہ آپ کے عوامل میں داخل ہو رہی ہے۔ کیا وہ آپ کو نماز سے غافل کر رہی ہے۔ کیا آپ کو صدقات سے غافل کر رہی ہیں۔ کیا آپ کو خدا کے احکام سے غافل کر رہی ہیں۔ اگر یہ سب کچھ کر رہی ہیں تو گناہ ہے' اگر نہیں تو تفریح ہے۔

اللہ کے ولی جو عراق میں دفن ہیں

سوال: عراق میں ولی اللہ اور بزرگ ہستیاں دفن ہیں' ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: میں کل ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو ایک صاحب دوسرے صاحب کو کہہ رہے تھے کہ جس کو غوث اعظمؒ مانتے ہو' کہو بغداد کو بچا لے۔ اب کہو فلاں کو جنیدؒ بچا لے۔ یہ بڑے گستاخی کے کلمات ہیں جو اولیاء اللہ کے بارے میں بولے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے دوست ہیں۔ یہ اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے مخلوق خدا کو خدا کی طرف راغب کیا۔ خدا نے ان سے کام لیا کہ اپنی محبت کو ان لوگوں کے توسط سے پھیلایا۔

اگر آپ ان پہ طنز کرو گے تو یہ جواب میں ضرور کہیں گے کہ تم جیسے لوگوں کے ہوتے ہوئے کیسے ترس ہو سکتا ہے۔ تم جیسے گستاخانِ رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کیسے رحم ہو سکتا ہے۔ ہم تو آرام سے پیچھے پڑے ہیں۔ یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہے جو تمہیں مل رہی ہے۔ پھر دوسری بڑی بات۔ ابھی جنگ کو چھ دن ہوئے ہیں اور آپ نے باتیں شروع کر دیں۔ ابھی تک جنگ کا فیصلہ ہی نہیں ہوا۔

کیا واقعی شہر بچتے ہیں کہ نہیں۔ محدثین کے امام اور شافعی سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد بن علی ابن الجزریؒ جو مصنف ''حصن حصین'' ہیں۔ احادیث کی دعاؤں کی کتاب لکھ بیٹھے تھے اور لکھ کے حضور ﷺ کو نذر فرمائی اور شہر کا یہ عالم تھا کہ قزل بوغا سوا لاکھ منگول لے کے حملہ کرنے آیا ہوا تھا۔ شہر کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ عورتیں تھیں' بچے تھے۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ شیخ نے حضور ﷺ سے شہر کے بچنے کی دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے یہ ''حصن حصین'' کے آغاز میں نقل کیا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا۔ پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں' اس کی

حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے کتاب کو قبولیت عطا فرمائی اور فرمایا' ذرمت تو سلامت رہے گا۔

اگلے دن صبح قزل بوغا دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ اگر یہ کتاب شیخؒ ہی تھی اور شیخؒ کا بیان ہی تھا کہ میں نے کتاب منسوب محمد ﷺ کی اور دعا مانگی تھی کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کو عذاب سے چھڑایئے اور رات رسول اللہؐ خواب میں تشریف لائے اور مجھے بائیں ہاتھ لیا اور پھر وضاحت فرمائی کہ عرب جس کو بائیں ہاتھ لیتے ہیں ان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ ذرمت تجھے کوئی خطرہ نہیں اور شہر والوں کو کوئی خطرہ نہیں اور اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

Mystic experiences excommunicable.

آپ کو پتہ ہے صوفیوں اور مولویوں میں کیا جنگ ہوتی ہے۔ مولوی پر تو پوری زندگی وہ لمحہ گزرا ہی نہیں۔ اس کے دل پر اس کے باطن پر کوئی ایسی کیفیت گزری نہیں تو وہ کیسے مان لے کہ کسی اور پر گزری ہے۔ اسی لیے وہ کرامت کا قائل نہیں۔ اسی لیے وہ محبت کا قائل نہیں۔ وہ صرف شریعت کا قائل ہے اور شریعت بغیر طریقت بے معنی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں' حالانکہ ابن تیمیہؒ سے سخت کوئی نہیں ہے۔ اپنے زمانے میں ہزاروں لوگ انہوں نے قتل کروائے جو دجل وفریب سے خدا کے نمائندے بن کے بیٹھے ہوئے تھے' مگر جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ بغداد کے وہ عظیم اولیاء اللہ تھے اور ان کی کرامات ہم تک تواتر سے پہنچیں۔ اب اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا اولیاء اللہ کا کہ ابن تیمیہؒ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کرامات تواتر سے ہم تک پہنچی ہیں اور اب بھی کرامات بغداد سے پہنچ رہی ہیں۔ خدا اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس کے دوست ہم اور آپ جیسے غریب بندوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے کہا کہ اے پیغمبر ﷺ اگر یہ تیری بیویاں تیرا ساتھ نہیں دیتیں تو پھر میں' میرے ملائکہ اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ ترتیب دیکھیں تو بڑی عجیب سی ہے کہ میں' میرے ملائکہ' میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ کوئی بھی اہل عقل ایسا ہے کہ جب میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں ساتھ دوں گا تو میں اپنے غلاموں کا کیوں ذکر کروں گا مگر اس طرح اللہ جُملہ بڑھاتا ہے کہ میں ساتھ دوں گا' میرے ملائکہ ساتھ دیں گے اور میرے مومنین تیرا ساتھ دیں گے۔ ایک نظام ہے۔ ایک سربراہی ہے۔ اس کے نیچے گروہ ہیں۔ قیادت بھی ہے۔ جزوی ہیں۔ کُلی ہیں۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ یا تو پھر آپ یہ جُملہ کہو گے کہ اے اللہ! اپنے بانٹنے والے سے کہو کہ مجھے کچھ دے۔ اگر خدا تک آپ کی رسائی ہوگی تو آپ کہو گے اے اللہ مجھے دے۔ اب جو شخص اللہ سے مانگنے جائے گا۔ تقسیم تو کسی بندے کے پاس ہے تو اس سے وہ دعا کیسے مانگے گا کہ اے اللہ کہو اپنے رسول ﷺ سے کہ مجھے کچھ دے۔ کیسا لگے گا یہ آپ کو۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار تو نہیں بنے گا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا اللہ مجھے دے۔ خدا نے تو جو کچھ عطا کرنا تھا' اس کی تقسیم پر محمد رسول اللہ ﷺ کو لگا دیا کہ یہ تمہیں دیں گے۔ اب دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو قرآن بتا رہا ہے جو اللہ کے رسولؐ آپ کو بتا رہے ہیں کہ اے پیغمبر ﷺ جب لوگ میرے پاس

آئیں' اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے دعا کریں تو ہم بخشنے والے ہیں۔ یہ ہے اصل عطا اور بخشش کا مطلب کہ جب لوگ میرے پاس آئیں' اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے کے لیے تو بات تو ختم ہو گئی کہ اللہ معاف کرے ختم کرے۔

As simple as that - through proper channel.

بھئی اگر کسی کے بہت اچھے ذاتی تعلقات ہیں اللہ سے' تو جاؤ مبارک ہو۔ اگر اتنے گہرے نہیں ہیں تو پھر through proper channel ورنہ اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔

فتنۂ آخر زماں ☆

☆ یہ لیکچر 1998ء راولپنڈی میں دیا گیا۔

فتنۂ آخر زماں

خواتین وحضرات! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ موضوع اتنا بڑا خطرہ ہوگا' کیونکہ جب یہ موضوع تھانیدار صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے ہال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے باقی کا حصہ نہیں پڑھا اور فتنے سے گمان کیا کہ یہ تو بڑا گڑبڑ والا معاملہ ہے۔ تو میں نے گمان کیا کہ فتنہ کہیں بھی ہو' کچھ نہ کچھ شر ور مصیبت پیدا کرتا ہے' خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔

خواتین وحضرات! پیشتر اس کے کہ میں اصل موضوع پر گفتگو کروں۔ اس کے پس منظر میں دو چار بڑے اہم ذہنی سوالات ہیں جو ہم نے طے کرنا ہوتے ہیں کہ مستقبل میں جھانکنا انسان کی بے چینی کا باعث ہے۔ اس کے اضطراب کا باعث ہے' اس کے تجسس کا باعث ہے۔ ہر انسان جھانکنا تاکنا پسند کرتا ہے۔ چاہے وہ فلکیات اور علم الاعداد میں ہی کیوں نہ ہو۔

خواتین وحضرات! یہ فتنۂ آخر زماں کا لفظ بذاتِ خود ایک ایسی شے کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ ایسے ماحول اور ایسے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور کیا واقعتاً یہ زمانہ اختتام کے قریب ہے۔ کیا واقعتاً ہم لوگ کسی ایسے تجسس میں ہیں کہ کل کوئی ایسا بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے' جس کی وجہ سے یہ کاروانِ حیات اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ یہ آج کی بات نہیں ہے۔ جب سے انسان پیدا کیا گیا' تب سے اس نے مستقبل کے لیے تجسس کی تیغ لگا رکھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہت سارے مستند علماء علم غیب کو مکمل متاعِ پروردگار سمجھتے ہوئے کسی ایسے امکان کی بالکل نفی کرتے ہیں' جہاں کوئی شخص بھی غیب کی گفتگو کرتا ہو یا کسی بھی مستقبل کی نشاندہی کرتا ہو۔ خواتین و حضرات! اللہ کے لیے تو کوئی غیب نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عالم الغیب والشہادۃ کہتا ہے۔ وہ اس لیے کہتا ہے کیونکہ وہ غیب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ وہ اس کے مشاہدے میں ہے اور جب بھی قرآن کی کوئی آیت پڑھی جائے گی اور جب اس کا مفہوم سمجھا جائے گا تو اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن بندوں کے پڑھنے کے لیے اور سمجھنے کے لیے ہے۔ اس لیے ہم اس جہت کو جدا نہیں کر سکتے' جو محاورۂ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس فہم وتدبر اور فراست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' وہ انسان کی تکمیلِ فراست ہے۔ انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے اور ضرور اس مقامِ فہم تک پہنچے گا' جہاں اسے اللہ کے علوم الغیب سے اور اس کے ظاہری علوم میں سے بھی اس کو فراست حاصل ہوگی۔ زمانے میں ایسے بہت سارے باکمال گزرے ہیں جن سے مستقبل کے اشارے ملتے ہوں اور خواتین وحضرات! ایسے لوگوں پر

کوئی حد نہ تھی کہ وہ کس مذہب سے کس مکتبِ خیال سے یا کس طبع و رجحان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے کہ انسانی ذہن کی وسعتیں بے پناہ تھیں اور کسی نہ کسی قید و بند کے عالم میں مجنوں اور قلبی اداسی میں جب انسان کے ایک طرف کے عملی اعتقادات ختم ہوتے تو باقی اعتقادات کھل جاتے جیسے مشہور فرانسیسی نجومی Nostradames کی بات ہے کہ زندگی کی مصیبت میں وہ کچھ ایسے دور سے گزرا کہ اس کے اندر ESP (Extra Sensory Perception) ۔آزاد اور زندہ ہوگئی اور اس نے آئندہ زمانے تک اپنی مسلسل پیش گوئیوں کا سلسلہ دیا۔

خواتین و حضرات! پیشین گوئی اور سچی خبر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ غیب اور شہادت کا فرق صرف اتنا ہے جتنا انسان کے اندر علم ہے۔ اس حد تک اس کے اندر شہادت ہے۔ جب اس کا علم اختتام کو پہنچتا ہے تو اس سے آگے وہ غیب میں چلا جاتا ہے۔ چاہے وہ پانچویں کلاس ہی میں کیوں نہ ہو چاہے وہ ایم اے کی جماعت ہی میں کیوں نہ ہو وہ تمام علوم جن میں انسان نے تحصیل نہیں کی ہوتی، وہ تمام علوم جن میں اس کی اطاعت فراہم نہیں ہوتی، وہ تمام علوم جن تک اس کی نظر نہیں گئی ہوتی وہ اس کے لیے علم الغیب بن جاتا ہے، مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی مخصوص تعلیمات اس فن میں ہوتی ہیں، اس درجہ خیال میں ہوتی ہیں جب وہ یہاں سے آگے بڑھتا ہوا خصوصی طور پر ان علوم پر اعتراضات کرتا ہے جس پر عمومی لوگ نہیں کرتے تو ان علوم پر اس کی معلومات عمومی لوگوں سے بڑھ جاتی ہے اور عمومی لوگ جس مسئلے پر غیب میں ہوتے ہیں، خصوصی لوگ اس مسئلے میں شہادت پر ہوتے ہیں۔

نبی کی جو تعریف آئی ہے بنیادی طور پر وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ ایسی خبر دینے والا جس کی کسی اور کے پاس کوئی خبر نہ ہو۔ بنی اسرائیل میں ایک وقت میں بے شمار انبیاء گزرے تھے اور بعض اوقات بہت سارے جھوٹے انبیاء بھی گزرے تھے۔ تو عموماً ان کی سچائی کا واحد امتحان وہ خبر ہوتی تھی جو ملاءِ اعلیٰ سے کسی ایسے سچے بندے کو دی جاتی تھی جو بالآخر درست نکلتی تھی۔ اس عالم میں جب حضرت دانیال علیہ السلام کو بخت نصر کے زمانے میں بابل کے بادشاہ Balthasar نے خواب دیکھا اور اس نے اعلان کیا کہ میں اس شخص کو سچا مانوں گا جو مجھے میرا خواب بتائے گا اور اس کی تعبیر بھی بتائے گا تو بہت سارے ایسے جھوٹے انبیاء جو اس وقت اس فہم و فراست کے دعویدار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تعبیر تو کر سکتے ہیں مگر وہ خواب کیسے بتائیں جو بادشاہ نے دیکھا ہے۔ بالآخر اسے بتایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا ہے جو تمہیں خواب بھی بتا سکتا ہے اور اس کی تعبیر بھی۔ اس طرح حضرت دانیال علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور یہ بہت بڑا واقعہ تھا کہ دانیال علیہ السلام کی رہائی کے بعد بنی اسرائیل کو یروشلم آنا نصیب ہوا اور وہ وہاں آباد ہوئے۔

حضراتِ گرامی! اگر آپ غور کریں تو پوری کائنات میں صرف ایک غائب ہے۔ ہر چیز پر کسی نہ کسی مخلوق کی رسائی ہے، مگر ہماری ملاءِ اعلیٰ پر رسائی نہیں ہے۔ کم از کم ملائکہ کی ضرور ہے۔ کوئی نہ کوئی مخلوق ہر جگہ پروردگار کی اس وسیع تر مملکت میں موجود ہے اور کوئی نہ کوئی غیب کسی نہ کسی کے لیے شہادت ہے۔ سوائے اللہ کے پوری تاریخِ انسانیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پروردگار ایک منزل پر واحد اور تنہا ہے اور اس کا دیکھنا کسی انسان کے لیے یا کسی مخلوق کے لیے مناسب نہ تھا اور نہ اسے دیکھا گیا، حتیٰ کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرئیل علیہ السلام کی مدد دی گئی۔ وآتینا عیسی ابن مریم البینٰت و ایدنٰه بروح القدس (۲(البقرہ):۲۵۳) اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو

روشن نشانیاں عطا کیں اور روح القدس کے ذریعے مدد کی۔ اس مدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرآن حکیم کی آیت کے مطابق دعویٰ فرمایا اور سچا دعویٰ فرمایا کہ: وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (۳ (آل عمران):۴۹) اور جو کچھ تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو سب تمہیں بتلا سکتا ہوں۔

حضراتِ گرامی! جب آپ آگے بڑھے تو اللہ کو بھی اپنے لیے کسی بڑی شہادت کی ضرورت تھی کہ انسان یہ اعتبار کرے کہ اللہ کا بھی کوئی گواہ اور شاہد موجود ہے تو بالآخر اپنے دوست (بنی نوع انسان) اپنے پیغمبر اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ سعادت بخشی گئی کہ قاب قوسین کے مقام پر جا کر انہوں نے خدا کو دیکھا۔ جب حضور ﷺ نے رویت الٰہی کا دعویٰ کیا تو عمر بن ہشام حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ سے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ راتوں رات مسجد اقصیٰ گیا اور عالم بالا کو بلند ہوا اور اللہ کو دیکھا تو کیا تم یقین کر لو گے۔ تو انہوں نے کہا نہیں۔ تو تمہارا دوست محمدؐ یہ کہتا ہے۔ تو فرمایا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں اسی لیے وہ صدیق اکبرؓ کہلائے تو جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک صدیق ہوتا ہے اور میرا صدیق عبداللہ بن ابی قحافہ ہیں۔

خواتین و حضرات! ایک دوسرا نقطہ ایک نفسیاتی نقطہ جو انسان کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہا کہ کہیں نہ کہیں انکار کرنے والوں کے پس منظر میں بھی خدا ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ ؎

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ کا یقین اس کا اعتقاد اتنا مضبوط اور پرانا تھا، اتنا سچا تھا کہ ہر زمانے میں جنہوں نے انکار کیا انہوں نے بھی کہیں نہ کہیں اس اقرار کا تھوڑا بہت اعلان کیا، حتیٰ کہ ارنسٹ ہیمنگ وے (امریکی مصنف) جو بڑا مشہور ترین خدا کا انکار کرنے والا تھا، وہ اپنے ہاتھ میں ایک کڑا پہنتا تھا، تو اس پر اسے کسی نے کہا کہ تو تو خدا کو نہیں مانتا تو پھر یہ کیا ہے۔ اس نے کہا، یہ میرے اعتقاد کا ایک حصہ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب میں اسے پہنتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات ہوتے ہیں اور جب میں اتار دیتا ہوں تو میرے ساتھ اچھے واقعات نہیں ہوتے۔

جیسے پہلے معروف نفسیات دان ولیم جیمز نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اس جہاں سے پرے بھی ایک جہاں ہے اور وہ مکمل ہماری طرح ہے اور میں اس کی آوازیں بھی سنتا ہوں اور میں وہاں سایوں کو چلتا پھرتا بھی دیکھتا ہوں۔ تو خواتین و حضرات! جب انسان خدا سے گریزاں ہوتا ہے ایک فرد مثال لیجیے تو اس کے دل میں کوئی نہ کوئی احساس جرم ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اس سے ایسا گناہ ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی غیر مطمئن صورت اس کے باطن میں پیدا ہوتی ہے، جس کو کرنے کے لیے وہ اپنے لیے خود کسی احساس گناہ کا تصور پاتا ہے۔

اس کی مثال آپ کو دورِ حاضر میں دو ملکوں میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ ایک جرمنی میں اور ایک امریکہ میں۔ جب جرمن قوم کو احساس دلایا گیا تو جرمنی والوں میں اتنا احساس جرم پیدا ہوا کہ وہ اپنی ترقی میں جنگ عظیم دوم کے ذمہ دار قرار پائے اور ان کی سائیکی پر اس کا اتنا دباؤ تھا کہ ان کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہٹلر نے جو یہودیوں کا قتل عام کیا اس کے ہم ذمہ دار ہیں اور کہیں نہ کہیں اس کی سزا ہم پا رہے ہیں جس کی وجہ سے اب بھی وہ کسی ملک کی جنگی تیاریاں اور اپنی

تجربوں کے بہت خلاف ہوتے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ بات جاپانی قوم میں بڑی نمایاں ہے۔ جاپان نے جنگ عظیم دوم میں جس تشدد کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد ان کا جب ایٹمی بم سے واسطہ پڑا تو آج بھی جب آپ ان کی خوف پیدا کرنے والی فلمیں دیکھتے ہیں' ان میں وہ کسی نہ کسی عفریت کی علامت کو ضرور دکھاتے ہیں اور خوف ودہشت ان کی زندگی کی علامت بن گیا ہے جسے ایک خاص اصطلاح میں Surrealistic Pattern کہتے ہیں جو آپ صادقین کے آرٹ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

یہی حالت امریکہ میں ہے کہ پروپیگنڈے کے ساتھ اپنے آپ کو اس ایٹم کے ظلم وستم سے بچانے کی کوشش کی اور بڑی اچھی طرح جواز پیدا کیا' لیکن بلاشبہ امریکی قوم میں سب سے بڑا خوف ایٹم کی تخلیق ہی کا ہے۔

But no doubt, the biggest fear in American nation is creation of atom.

اور وہ اس کے بارے میں سوچ کر خوف ودہشت سے کانپتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ کوئی مسلمان ملک ایٹمی طاقت نہ بنے اور اس طاقت کو روکنے کے لیے وہ انتہائی تشدد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ان کے انتہائی اندرونی خوف کی علامت ہے۔

پورے یورپ اور مسیحی دنیا نے مل کر کم ازکم چودہ صلیبی جنگیں مسلمانوں سے لڑیں اور ان جنگوں میں خود جوزک اٹھائی' اس کی ایک جنگ کا حال میں آپ کو سناتا ہوں جو بالکل ناقابل یقین حد تک ان کے لیے خوف ودہشت کا باعث بن گئی' جسے ہم جنگ منصورہ کہتے ہیں۔ جنگ منصورہ میں ان کو اتنی بڑی شکست ہوئی کہ جس میں چودہ یورپی بادشاہ بذات خود پکڑے گئے اور اسی طرح اس سے تھوڑا عرصہ پہلے وادی حطین کی جنگ میں انگلینڈ کا سب سے بڑا مضبوط اور دلیر بادشاہ جسے وہ شیر دل کہتے تھے' وہ اتنی ذلت اور پستی سے ہمکنار ہوا' جس کا خوف یورپی اقوام کے باطن میں بیٹھ گیا۔ یہ دو جنگیں فیصلہ کن جنگیں کہلاتی ہیں۔

خواتین وحضرات! صرف یہی نہیں بلکہ سلطان سلیمان ذیشان کے زمانے میں دہشت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے یورپی متحدہ بیڑے کو اتنی بُری طرح شکست دی اور ان کے نام کی اتنی دہشت تھی کہ آج تک آپ یورپی فلموں میں سمندری بیڑے یا بحری قزاقوں کی جو شکل دیکھتے ہیں' وہ خیر الدین باربروسا کے کمانڈوز کی شکل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ایک جرنیل نے جب اٹلی پر قبضہ کیا تو چھ مہینے تک ساحل پر وہ ان سے خراج لیتا رہا اور وہ کبھی اٹلی میں داخل نہیں ہو سکا' کیونکہ اس کے پاس فوج ہی نہیں تھی اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ انگریز مائیں جب اپنے بچوں کو سلانے کے لیے ڈراتی تھیں تو کہتیں:

Hush!!!! The Turks are comming.

یورپی اقوام کا یہ خوف اب ان کے جارحتی لب ولہجہ کی وجہ سے ایک عظیم ایٹمی جنگ میں بدل گیا ہے اور یہ مجموعی لاشعوریت جو انسان کی تباہ کاریوں اور بہت زیادہ خوفناک ہتھیاروں کی ایجاد کے باوجود اپنے وجود میں لرزاں ہے' ان کا احساس ہے کہ ہم اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب زمانے کی رفتار کو روکا نہیں جا سکتا۔ بقول حدیث رسولؐ کے زمانے اب قریب آ رہے ہیں' دنیا اور آخرت اب قریب آ چکے ہیں کہ اب ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ خواتین وحضرات! جب انسانی سائیکی کسی خطرے کی زد میں آتی ہے یا کسی آسیب کی زد میں آتی ہے تو اس کا خوف اس کے اندر سے ایسی معلومات

تخلیق کرتا ہے جو بالآخر صحیح نکلتی ہیں اور یہ تیسری وجہ ہے کہ لوگوں نے پیشین گوئیاں کیں۔ پیشین گوئی کرنا نہ کبھی جرم رہا اور نہ کبھی جرم ہوا' مگر بہت ساری پیشین گوئیوں کو قرآن بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (سورۃ الانعام آیت ۱۱۶) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

اسی لیے انبیاء اکرام اور حضور ﷺ کے علاوہ کسی بات کو حتمی نہیں مانا جا سکتا' خواہ وہ کسی تباہی و بربادی کی ہو' خواہ کسی خوشخبری کی ہو' خواہ کسی عیش و عشرت کی ہو۔ خواتین و حضرات! ایک بات تو آپ نے دیکھی ہوگی کہ عوام جب کسی ذرا سی بات پر جابر حکمران سے تنگ آتے ہیں تو ان کی سائیکی اس قسم کی پیشین گوئیاں گھڑتی ہے کہ یہ قتل ہو جائے گا' وہ ضرور مارا جائے گا۔ میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ کوئی انسان خارجی طور پر جینے کے لیے تو نہیں آیا۔ اگر کسی آمرِ مطلق کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی جائے کہ یہ بیس سال بعد اپنی موت خود مر جائے گا تو کیسی رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ فطری پیشین گوئی ہے۔ اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی مگر بہت سارے پیشین گوئی کرنے والے ان باتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

They are little more sharp than the others. They keep on guessing.

بُو سونگھتے ہیں' اندازے لگاتے ہیں اور پیشتر اس کے کہ کوئی واقعہ ہو' اس کی قربت میں بڑا سا بیان لگا دیتے ہیں کہ دیکھا میں نے پہلے سے کہا تھا' میری بات سچ نکلی۔ مگر خواتین و حضرات! آج بھی اللہ کے بندے پیشین گوئیاں نہیں کرتے۔ آج بھی زمانے پر حکم چلاتے ہیں۔ وہ حکم دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پیشین گوئی بن جاتا ہے۔ سچی پیشین گوئی۔

وہ ہر بات پوری ہونی ہی چاہیے۔ اس کا پہلے سے کوئی سوچے یا نہ سوچے' وہ ایک بات رحمت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے' وہ بات عذاب کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے' اسی لیے ایک اچھے مجذوب کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی اگاڑی سے بھی ڈرو' اس کی پچھاڑی سے بھی ڈرو۔ کوئی پتہ نہیں' موڈ میں آ کے تمہیں اچھی خبر دے جائے اور موڈ میں آ کے کوئی بری خبر دے جائے' مگر خواتین و حضرات! اس کے علاوہ سائیکی کی سطح پر ایک ایسا پہلو ہے' جس کی نشاندہی کیے بغیر میں آگے پیشین گوئیوں کے باب تک نہیں جانا چاہتا کہ اللہ جب کسی کو ایسے خصوصی علوم سے آشنا کرتا ہے جسے آپ 4th Dimensional Perception کہتے ہیں تو ان سے ظاہری علوم کا احساس چھین لیتا ہے۔ اللہ کو یہ منظور نہیں ہوتا کہ یہ خبریں عمومی سطح پر پہنچیں اور لوگ موجود کو چھوڑ کر' حاضر کو چھوڑ کر مستقبل کی فکر کریں۔

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ جو کچھ قیامت تک ہونا ہے لکھا جا چکا ہے' لوحِ محفوظ پر اتر چکا ہے۔ ایک بات اور بھی یاد رکھیے کہ ایک ہزار سال کے لیے یہ زمین ان ملائکہ کو دی جاتی ہے' جنہوں نے ایک ہزار سال کا بندوبست کرنا ہوتا ہے اور پھر ایک ہزار سے ایک سو سال تک کی اسکیم ان ملائکہ کو دی جاتی ہے' جنہوں نے کسی صدی کا بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ کل وہ مبارک رات ہے اور اس مبارک رات میں ایک سال کی اسکیم اتاری جائے گی۔ ایک سال میں کیا ہونا ہے۔ کس نے مرنا ہے' کس نے پیدا ہونا ہے' کس نے رزق حاصل کرنا ہے' کس کی کمی ہے' کس کی بیشی ہے۔ اب سب کچھ آسمانِ اول کے ملائکہ کے ہاتھ میں ہے۔

Some intellectuals can always peep into these secrets.

بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ یہ اسکیم جب مانفذ ہو رہی ہوتی ہے تو کوئی ESP والا بتا دیتا ہے۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات سائنس دانوں میں بھی حس ہے۔ جس طرح حدیث رسول ﷺ کے مطابق گدھا بدروحوں کو دیکھ لیتا ہے' گدھا شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔ تو خواتین وحضرات! یہ سماعت و بصارت میں کوئی خصوصی اثرات تو ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ مرغ کی آنکھ میں زردی جو ہے ضرور اس میں کوئی Ultra Violet Rays کا اثر ہوگا کہ جس سے شاید Ultra Violet Rays کی وجہ سے فرشتہ نظر آ جاتا ہے اور کسی جانور کی سفیدی میں اس قسم کی شعاعیں ضرور ہوں گی' جو ایک فرشتے کا کھوج لگا لیتی ہیں۔

اب میں ایک بڑا مشہور اور مستند واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تاج الدین ناگپوریؒ اپنے زمانے کے سب سے مانے ہوئے مجذوب تھے تو انہوں نے مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کو دیکھتے ہی کہا کہ تم یہاں کہاں؟ تم تو پھاٹک کے پیچھے ہو' پھاٹک کے پیچھے ہو' تو وہ دونوں حضرات بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ ہم پھاٹک کے پیچھے ہیں۔ ہم تو ان سے ملنے آئے ہیں تو جب پلٹ کر گئے تو رولٹ ایکٹ کے تحت دونوں جیل میں بند ہو گئے۔ تب ان کی سمجھ میں آیا کہ انہوں نے دو چار دن آگے پیش آنے والے واقعات دیکھ لیے تھے اور وہ ان سے بار بار کہہ رہا تھا کہ تم تو پھاٹک کے پیچھے ہو۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ انسانی سائیکی اپنے ترفع کی وجہ سے ماورائے فطرت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایسی کارروائیاں بڑھتی ہیں تو بہیمانہ جرائم پیدا ہوتے ہیں' بدترین جرائم پیدا ہوتے ہیں اور ایسی کارروائیوں کی جانب کو دھیان چلا جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! پیشین گوئیوں کو جاننا میری طرح ضرور آپ کا بھی تجسس ہے' مگر یہ آج سے شروع نہیں ہوئیں۔ یہ تو بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ انسان اس زمین پر رہتا ہے' اس کے انجام کے بارے میں غور وفکر کرتا رہا ہے۔ معلومات خواہ کتنی بھی کم ہوں مگر ایک ذریعہ معاملات ہمیشہ موجود ہے اور وہ اللہ خود ہے اور انسان کو آنے والے وقتوں سے ڈراتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ کشتی پر بیٹھے تو اللہ نے ان سے ایک بات کہی کہ اے نوح علیہ السلام! تجھے تو میں نے بچا لیا اور تیرے ساتھیوں کو بھی اور نیکوکاروں میں سے تھے مگر یاد رکھنا کہ تیری اولاد میں سے لوگ پھر کفر کریں گے اور یاد رکھنا پھر میں ان کو ایسی ہی بڑی سزا ضرور دوں گا۔ خواتین وحضرات! ایک بہت بڑی تباہی کی بنیاد اس قوم پر پڑ گئی اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے حواریوں نے کہا کہ یا نبیؑ! اللہ ہمیں ایسا کوئی ثبوت دے کہ ہم واقعی اللہ کے پیارے ہیں اور تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے۔ تو دُعا کر کہ اللہ ہمارے لیے آسمان سے نعمت اتارے' ہم اسے کھائیں اور شکر کریں۔ تو اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے اتارتا ہوں تم کھاؤ گے بھی اور تم بھوکے بھی کبھی نہیں رہو گے' مگر ایک بات یاد رکھنا کہ کچھ سزائیں میں تمہیں تمہارے ہاتھوں زمین پر ہی دوں گا۔

جنگِ عظیم اوّل اور دوم اس بات کی مکمل شہادت ہے کہ ان کے بعد جو یورپی سائیکی یا بیسویں صدی کے عوام کی سائیکی کبھی بہتری کو مائل نہیں ہوئی بلکہ وہ خدا سے اور دور ہو گئے اور زیادہ تباہی و ہلاکت کو بڑھے۔ ایمان رخصت ہو گیا اور تمام اقوامِ مغرب خدا کو Personal Outsider سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ اگر ہماری بات مانتا ہے تو ٹھیک

ہے اللہ سے ورنہ:

He should be set outside the Universe. He is no more needed on this earth.

اور آج کا پورا ماحول پورا فلسفہ اور پورا خیالِ مغرب اسی ایک بنیادی عقیدے پر قائم ہے کہ:

God is a personal idea which remain within somebody's sick mind but he is no more needed on God's Earth. We are enough to raise our own system, our own communities, our own life.

ابھی ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ پیشین گوئیاں جو آئیں اور وہ فتنۂ آخر زماں کہاں ہے۔ ضمناً آپ کو بتاتا چلوں کہ بہت ساری چیزوں کو حضور ﷺ نے فتنہ بتایا کہ فتنۂ آخر زماں عورت ہے' مال ہے' دین سے بے رغبتی ہے' اور فرمایا فتنۂ آخر زماں بہت کچھ ہے۔ مگر ایک بہت بڑے فتنے کو حتمی طور پر انہوں نے آخری زمانے کا فتنہ بتایا کہ باقی تمام فتنے انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں' مگر یہ فتنۂ آخر زماں انسان کے بنیادی عقیدے اور بنیادی اعتبارِ خداوندی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے اوّل و آخر تمام انبیاء نے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام' حضرت یحییٰ علیہ السلام' حضرت دانیال علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سرکارِ کائنات حضرت محمد ﷺ نے اس کا ذکر کیا۔

پیشین گوئیاں اس وقت سے شروع ہیں' جب سے یہ زمین بنی ہے' جیسے بہت پرانے لوگ قدیم یہودی تھے' ان کا یہ کہنا تھا کہ بہت بڑی جنگ جسے Armageddon کہتے ہیں اور یہ جنگ اور آخری مسیحا اس وقت آئے گا جب شرقِ وسطیٰ میں یہودی سلطنت قائم ہو جائے گی اور حضرات گرامی! اتفاق دیکھیے کہ یہودی سلطنت قائم ہے اور وہ بھی کسی آخری مسیحا کا انتظار کر رہی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے آپ کو بڑی عجیب و غریب پیشین گوئیوں سے واسطہ پڑے گا۔ اصل سے بھی اور نقل سے بھی۔ پھر میں آپ کو ان کا تجزیہ پیش کروں گا۔ اب انجیل نے اس کے خلاف جو پیشین گوئی دی' وہ تھوڑی سی اس سے مختلف ہے۔ فرمایا کہ شمالی شہنشاہ اور جنوبی شہنشاہ دونوں اسرائیل پر حملہ کریں گے اور وادیٔ Sion میں تباہی و ہلاکت کا بہت بڑا منظر ہوگا اور اسرائیل تباہ ہو جائے گا۔ یہ یاد رکھیے گا کہ اسرائیلی سلطنت کے قیام سے ہزاروں سال پہلے کی پیشین گوئیاں ہیں' کل اور پرسوں کی نہیں۔

اب میں آپ کو ایک دوسری قوم کی طرف لیے چلتا ہوں کہ تبت کی پیشین گوئیوں میں دو پیشین گوئیاں آئی ہیں۔ ایک تو آخری زمانے کے بارے میں مہاتما نے فرمایا کہ زمین اس وقت تک تباہ نہیں ہوگی جب تک کہ مترا نہیں آ جاتا۔ اور وہ اسے رحمت اللعالمین کہتے ہیں' یعنی ان کے مطابق جب تک آخری بدھا نہیں آ جاتا' تب تک دنیا تباہ نہیں ہوگی۔ پھر تبتی لاماؤں کی کتابوں میں ایک بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ تیرھویں دلائی لاما کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں ہوگا اور یہ زمین کے انجام کی نشانی ہے۔ تیرھویں دلائی لاما آ کے ختم ہو چکا ہے اور اس کے بعد کوئی دلائی لاما نہیں آیا جو سرکاری طور پر تبت پر بیٹھا ہو۔ پھر اس پیشین گوئی میں یہ بھی آیا ہے کہ بدھ مت کی پوری عمر پچیس سو برس ہے اور پچیس سو برس کے بعد بدھ مت باقی نہیں رہے گا۔ اتفاق دیکھیے کہ مہاتما کو پچیس سو برس ہو گئے اور وہ زمانہ ختم ہو گیا۔ ویسے تو مومن

خان مومن نے کہا کہ:

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں ہے

تو شاعروں کا فتنۂ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر کتاب کا فتنۂ آخر زماں کچھ اور ہوتا ہے۔ خواتین و حضرات! ہندو روایات میں بڑی پرانی پیشین گوئی لکھی ہوئی آئی کہ چار وتر ہیں زمانوں کے اور آخری وتر کالی وتر ہے۔ ان کے یقین میں کالی کالی کا وتر ہے یعنی جنگ و جدل اور زمانے کا آخری وتر ہے اور کالی وتر میں زمانے کا اختتام ہوتا ہے مگر اس کا بھی وقت پورا ہو چکا ہے۔ کالی وتر میں بھی انہوں نے عرب کے پیغمبر کی پیشین گوئی کا سہارا لیا ہے اور کہا کہ عرب میں ایک ایسا پیغمبر ہوگا جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں کتاب ہوگی اور وہ زمانے کو صاف کرے گا۔ اتفاقاً یہ بھی وقت آ کے گزر چکا ہے اور کالی دور بھی اپنے اختتامی دور سے گزر رہا ہے۔

سائنسی نظریات کو یا آپ پرانے زمانے کے علم نجوم کو لیجیے۔ Trabesious قدیم بابل کا سب سے بڑا عالم تھا۔ انہوں نے سائنسی توجیہات کی بنا پر جو فیصلے دیے ہوئے ہیں' اس میں زمانے کا آخر 2160ء ہے۔ ان کے حساب سے 2160ء میں زمانہ ختم ہو جائے گا۔

بادشاہ شوربید نے اسی تباہی کا منظر دیکھنے کی خاطر بابل میں دو بہت بڑے ستون تعمیر کیے' جن میں آنے والے وقت کے حالات و مصائب کو وہ دیکھ سکتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ میں آنے والی تباہی کو سونگھ لوں گا اور اپنے ملک کو بچا لوں گا۔ اس زمانے کے اہرامِ مصر خالی تعمیرات نہیں ہیں بلکہ علم ہیئت کے منطقی اصولوں کے مطابق اور فلکیاتی سائنس کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ چارلس سمتھ سکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا اہرام کا فاضل ہے۔ اس نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم اور ایٹمی دور کو انہی آثار سے نوٹ کیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ 2001ء میں آ کر اہرام کی سارے اعداد و شمار ختم ہو جائیں گے' 2001ء تو زیادہ قریب لگتا ہے۔ چینی' عرب' یہودی اور سب لوگوں نے ابھی مغربی نظام کے اعداد و شمار کو قبول کر لیا ہے۔ بجائے قمری حسابوں کے اور پرانے بکری سالوں کے۔ اب سب لوگوں نے چونکہ شمسی سال کے نظام کو قبول کر لیا ہے تو اب یہ مسئلہ پڑ گیا کہ عیسوی حسابات سے جتنے بھی تباہی کے وقت ہیں' وہ انتہائی قریب آ گئے ہیں۔

اگرچہ یونانی لوگ بہت بڑے فلسفی تھے اس میدان میں بھی ان کی مہارت کلّی تھی۔ یونانی دانشوروں جیسے افلاطون نے بھی یہ یقین رکھا ہوا ہے کہ:

Desturction of the Earth will be with fire.

یعنی زمین کے کچھ ادوار ہیں' جن میں زمین مکمل تباہی کے آثار کو دہراتی ہے اور اب کی بار یہ جو ہمارا دور چل رہا ہے' وہ بھی اسی تباہی سے ختم ہوگا اور اس کی میعاد بھی دو ہزار سال ہے۔ اس سے آگے ان کے اعداد و شمار بھی نہیں جاتے۔ اکیسویں صدی جس کے بارے میں آپ اتنی امیدیں ظاہر کر رہے ہیں اور انسانی فتوحات کے کسی نئے باب کی امید کرتے ہیں' ملائے اعلیٰ پر کمندیں پھینکنے کی سوچ رہے ہیں' افلاک کو زیر و زبر کرنے کی سوچ رہے ہیں' اس کے بارے میں قدیم مفکرین ذرا مشکوک تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ انسان اکیسویں صدی میں تباہی اور ہلاکت سے ہمکنار ہوگا اور

It is a famous sentence which I must quote to you that this is not the end of the world. This is end of a world.

کہ اس دنیا کی مکمل تباہی ہے' یہ دنیا کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ جو دنیا موجود ہے' ایک دنیا کی تباہی کے مکمل سامان اکیسویں صدی کے آغاز سے شروع ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے یہی قبیلے بڑے پرانے قبیلے ہیں اور پانچ ہزار سال پہلے بھی ان کا خیال یہ تھا کہ زمین اپنے مدار کے گرد گھومتی ہے۔ بڑی عجیب سی بات یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب زمین کے مدار میں خرابی آئے گی تو آسمان اور سورج میں بھی خرابی آئے گی اور باقی سیاروں میں بھی خرابی آئے گی۔ اس وقت کو وہ قیامت کا وقت سمجھتے تھے لیکن قرآن حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ ہم زمین کو دونوں کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں And by cm or some bigger distances زمین جو کناروں سے گھٹ رہی ہے تو اس کا عمومی توازن ضرور متاثر ہونا چاہیے۔

القارعۃO ما القارعۃO وما ادرک ما القارعۃO (سورۃ القارعہ' آیت ۱ تا ۳)

زمین میں جب یہ ڈگمگاہٹ (Wobbling) آئے گی تو زمین اونچی نیچی ضرور ہوگی اور یہ ڈگمگاہٹ بھی آ چکی ہے اور یہ سائنسی طور پر ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ آپ ان کے عقیدے اور پیشین گوئی کی صحت بھی اس بات سے دیکھ سکتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ یاد رکھیے گا کہ میں نے آپ کو یہاں ڈرانے کے لیے نہیں جمع کیا۔ میں نے یہ عنوان اس لیے چنا کہ جہاں ہم زندگی کے بہت سارے پہلوؤں کو زندہ رکھتے ہیں' وہاں ایک منزل ہمارے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہماری اپنی غلطیوں اور حماقتوں کی وجہ سے کسی تباہی کا وقت جلد بھی آ سکتا ہے اور ہم لوگوں کو اس حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور حادثے کی تیاری صرف ایک ہے اور وہ ہے خدا کا ساتھ۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب زمانہ آخر میں اس قدر بڑی تباہی آئے گی اور کھانے کے لیے کچھ نہیں رہے گا تو لوگ کیا کھائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا تسبیح ان کی خوراک ہوگی۔

اب خواتین و حضرات! زیادہ مہذب دور کو آتے ہیں۔ سب سے بڑی اور اہم پیشین گوئیاں عیسوی دور کی ہیں کیونکہ ان میں بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت بہت سارے انبیاء کی تشخیص تھی اور وہ غیب کی خبریں ضرور بتایا کرتے تھے اور بہت سارے انبیاء نے اس زمانہ آخر کی پیشین گوئیاں کیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام' حضرت یسعیٰ علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام پیشین گوئی کرنے والے پیغمبروں میں سے ہیں اور فرمایا کہ یاجوج اور ماجوج بیماری اور آگ بن کے آئیں گے اور بڑے خوفناک ہتھیاروں کی نمائش ہوگی۔ یاجوج اور ماجوج کھل جائیں گے اور بیماری' آگ اور خوفناک ہتھیاروں کی بارش ہوگی۔ اسی طرح عراق یا روس کا بادشاہ اسرائیل پر حملہ کرے گا اور شمال کا بادشاہ بھی اس پر طوفان کی طرح پڑے گا اور وہ اسرائیل کا روزِ حساب ہوگا۔ ذرا غور کیجیے ان الفاظ پر جو انہوں نے استعمال کیے کہ دھوئیں کے بادل ستونوں کی طرح آسمان کو بلند ہوں گے۔ میرے خیال میں یہ ایٹم بم کی طرف اشارہ ہے جو بالکل اسی طرح دھوئیں کے بادل کی طرح آسمان کو بلند ہوتے ہیں کہ سورج تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔

ایٹمی بارش کی وجہ سے دو تین مہینے کے لیے زمین پر سورج کی روشنی نہیں ہوگی اور چاند خون میں ڈوب جائے

گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے تباہی گرے گی زمین کی بنیادیں گر جائیں گی زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور شرابی کی طرح ڈولے گی۔ اب اس پیشین گوئی کو دوبارہ دہرا دیجئے کہ زمین اپنے مدار سے نکل جائے گی یا زمین اپنے مدار میں ڈولے گی۔ زمین پر ایٹم کے دھماکوں سے عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس زمین کو ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک بڑی عجیب بات کہی' فرمایا کہ اس قسم کی بیماریاں آئیں گی کہ لوگ کھڑے کھڑے گل سڑ کے گر جائیں گے۔

ایک بڑی اہم پیشین گوئی جسے مکاشفہ دانیال کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چار سینگوں کے درمیان ایک چھوٹا سینگ نکلا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سینگ بہت بڑھ گیا ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے اور جبرئیل امین علیہ السلام سے کہا میرا دل بڑا متغیر ہے مجھے اس خواب کی تعبیر بتائیں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ جب بڑا بادشاہ بلند ہوگا جو خداوند سے بغاوت کرے گا اور اپنے آپ کو خدا کہے گا اور زمین پر سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو اعلیٰ کہے گا اور بار بار کہے گا اور وہ قدسیوں کی مخالفت کرے گا اور زمین پر بہت ساری حکومتوں کو زیر کرے گا اور پھر ایسے اعمال پیدا کرے گا جو خدا کو پسند نہیں ہیں اور پھر وہ وقت قریب آئے گا اور تباہی و ہلاکت ہوگی اور اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی اور انسان اجرام فلکی میں دخل اندازی کرے گا۔ حضرات گرامی! اس سے تو زیادہ واضح کوئی علامت نہیں ہے جسے ہم بالکل دورِ جدید پر منطبق کر سکتے ہیں تو حضرت دانیال علیہ السلام نے خوف کے مارے پوچھا کہ یہ وقت کب آئے گا' فرمایا اے دانیال اس وقت تو نیک لوگوں میں سویا پڑا ہوگا اور یہ ایک دور اور دو دور اور آدھا دور۔ جیسے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ایک دن یا ایک دور ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور یہ ہوا ایک ہزار سال اور ایک ہزار سال اور پانچ سو برس اور یہ ڈھائی ہزار سال کی پکی شہادت موجود ہے اور اتفاق سے حضرت دانیال کو ڈھائی ہزار سال گزر چکے ہیں۔ کہیں سے مجھے راستہ ہی نظر نہیں آتا۔

خواتین و حضرات! آپ نے دیکھا ہوگا کہ مسلمانوں اور یورپ میں دو بہت مشہور پیشین گوئیاں کرنے والے پیدا ہوئے۔ مسلمانوں میں خاص طور پر برصغیر میں شاہ نعمت ولی اللہ ولی کی پیشین گوئیاں بڑی مشہور ہوئیں اور یورپ میں ناسٹرے ڈیمس کی پیشین گوئیاں بڑی مقبول ہوئیں۔ اصل میں یہ اتنی تفصیل میں تھیں کہ ان کو علوم کرنا اب شاید ممکن نہ ہو سکے' مگر میں ان کا کچھ حصہ جو زمانہ آخر سے منسلک ہے وہ ضرور بتاؤں گا۔ ناسٹرے ڈیمس کہتا ہے کہ مشرق دوبارہ زوال میں چلا جائے گا اور پھر دوبارہ عروج میں جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں پر تیغ بے نیام بن کر گرے گا۔ یہ ذرا یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ جب میں حدیث کی طرف بڑھوں گا تو پھر آپ کو یاد رکھنا ہوگا کہ کیا کیا باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔

The great city of Constantinople will be destroyed by the French and forces of the turban will be taken captured.

یہ French کا لفظ بھی یاد رکھیے گا' اصل میں کہتے ہیں کہ ناسٹرے ڈیمس کو French نے پیا تھا' وہ کسی بھی مغربی طاقت کو French کہہ دیتا تھا کیونکہ وہ خود فرانسیسی تھا۔

Help will come by the sheeve from the great leader of Portugal. This

will happen on 25th May 1999 the day of Saint Urban.

اب ایک اور بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ مسلمانوں کے اس لیڈر کو یا شاید کسی روسی یا چینی لیڈر کو ناسٹر ڈیمس Anti-Christ کہتا ہے۔ پیشین گوئیوں میں یہ مغالطہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی Anti-Christ نہیں ہوتا اور نہ ہوگا۔ یہاں ناسٹر ڈیمس کا یقین ہمارے دل سے اٹھ جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان حکمران سفید یا نیلی پگڑی والا ہے تو وہ کم از کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

ناسٹر ے ڈیمس کہتا ہے کہ سات سال تک یہ تیسری جنگِ عظیم جاری رہے گی اور تین دفعہ Anti-Christ بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ زیادہ اہم بات جس وجہ سے مسلمان بھی کبھی پھولے تھے کہ مسلمانوں میں ایک لیڈر پیدا ہوگا مشرقِ وسطیٰ سے نہیں بلکہ عظیم اسلامی سلطنت سے ترکی، انڈونیشیا، پاکستان، افغانستان اور وہ ممالک جو مشرقِ وسطیٰ سے باہر ہیں جو سپین اور اٹلی کو فتح کرے گا وہ مسلمان یورپ پر تین اطراف سے حملہ آور ہوگا اور تمام یورپ فرانس اور لندن بھی تباہ ہوں گے اور مسلم سلطنت یورپ پر قبضہ کرے گی۔ قرطبہ کا ایک بڑا شخص اپنے ملک سے بغاوت کرے گا اور اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوگا۔ اب آگے چلتا ہوا دوسرا حملہ ایران سے ایک مسلمان فاتح یونان پر کرے گا اور جس سے عراق کو تباہ کرتے ہوئے یہ آگے نکل جائیں گے، پھر ایک نیلی پگڑی والا نیا فاتح پیدا ہوگا، جو مسلمانوں میں انتیس سال حکومت کرے گا، جب یہ آپس میں ملیں گے تو پھر یہ دوبارہ 18 فروری 1981ء کو اٹلی پر قبضے کی پیشین گوئی کرتا ہے، مگر اب تو یہ وقت بھی گزر گیا ہے۔

جیسے میں نے آپ کو قرآن کی آیت سنائی تھی۔ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (سورۃ الانعام، آیت ۱۱۶) وہ تو محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔ شاید یہ واقعہ پیش آجائے مگر یہ اپنے بیان کردہ وقت سے کافی آگے نکل گیا ہے۔

یہ بڑی دلچسپ پیشین گوئی ہے۔ اس کا تعلق خاص طور پر ہم لوگوں سے ہے کہ یورپ کا ایک ملٹری لیڈر مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرے گا، جس سے دو گروہوں میں جنگ ہوگی اور دونوں گروہ بالآخر دریائے گنگا پر ایک خوفناک جنگ لڑیں گے۔ اس سے کم از کم ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت ہندو کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان نے اگر دریائے گنگا پر جنگ لڑنا ہے تو اس سے پہلے شاید ہندوستان کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

شاہ نعمت اللہ ولی نے اس کی یہ پیشین گوئی کی اور کہا کہ اٹک کا دریا خون سے بھر جائے گا اور مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندو کو ختم کر دیں گے۔

I hope, so God's will, it will be done. I hope, Shah is right.

شاہ نعمت اللہ ولی کہتے ہیں کہ جیسے کنگا کنگھے میں الجھتا ہے، اسی طرح قومیں قوموں میں الجھی ہوئی ہوں گی اور جنگ کا کوئی پتہ نہیں ہوگا کہ کس کی قوم کس قوم سے لڑ رہی ہے۔ یہ باتیں یاد رکھیے گا کیونکہ جب ہم قرآن و حدیث تک جائیں گے تو ان کے حوالے کام آئیں گے۔

ناسٹر ے ڈیمس دوسری جنگ کی خبر دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ سلیمان کو آخری جنگ میں شکست ہوگی، اصل میں

ان کو شرق کے ہر بڑے بادشاہ کا نام سلیمان ہی لگتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ قومیں قوموں کے خلاف جنگ کریں گی' ملک ملکوں کے خلاف جنگ کریں گے' بڑے بڑے زلزلے آئیں گے' جب فوجوں کے اجتماع ہوں گے تو سمجھ لینا کہ تباہی قریب ہے اور سورج کو بجھتا دیکھے گا' سمندروں کو اچھلتا ہوا پائے گا تو خدا کی حکومت قریب ہوگی۔

ایک بڑا مشہور شخص Saint Meloki گزرا ہے' اس نے اپنی وضاحتوں میں یہ کہا کہ سات پہاڑوں کا شہر یعنی روم تباہ ہوگا اور سخت محتسب حساب لے گا۔ خواتین و حضرات! جو شخص پیشین گوئیوں میں مشہور ہے' وہ ناسٹرے ڈیمس ہی ہے۔ ناسٹرے ڈیمس یہ کہتا ہے کہ ستائیس سال کی جنگ کے بعد اس کی وفات فطری اعتبار سے ہوگی اور وہ اپنے فوجی کیمپ میں وفات پائے گا اور اس کے ساتھ یہ جنگیں اپنے اختتام کو پہنچیں گی اور دونوں اطراف بالکل خاموش ہو جائیں گی۔ اس طرح ستائیس سال کی یہ جنگ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

خواتین و حضرات! ناسٹرے ڈیمس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ ناسٹرے ڈیمس ایسے لگتا ہے کہ ایک حد سے آگے اس کی فراست نہیں ہے۔ جیسا میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ سائیکک مخبر صادق نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے کہ تمام دنیا اس کی پیشین گوئیوں کو بار بار نقل کرتی ہے۔ ابھی تک ان میں صداقت تلاش کرنا ممکن نہیں ہوا۔ 1999ء میں وہ جنگوں کا آغاز کرتا ہے' کچھ مشابہت ضرور ہے کہ ترکی کی جنگ اٹلی اور سائپرس سے ہونا بڑا ممکن نظر آتا ہے۔ وہ شمالی مغربی ایشیائی ممالک کا جنگ میں شامل ہونا مشرق وسطیٰ کے ممالک اور یونانی لیڈر ذکر کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو یہ چیزیں سامنے نظر آ رہی ہیں لیکن وقت معین نہیں اور نہ اس کا کوئی علم ہے

اس کے علاوہ زمانہ آخر کے بارے میں اس کی پیشین گوئیاں اس لیے غلط ہیں کہ بحیثیت مسیحی وہ مہدی کو نہیں مانتا اور مسیح کو بھی وہ اس طرح نہیں مانتا' جس طرح ہم مانتے ہیں۔ اس لیے وہ تعصب کی نظر سے دیکھتا ہے کہ جب اسے جاننا چاہیے تو وہ نہیں جان سکتا کہ فتنہ یاجوج و ماجوج کا بھی خدا ذکر کرتا ہے مگر سب سے بڑی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کی صرف ایک چھوٹی سی آیت ہے کہ حتى اذا فتحت ياجوج و ماجوج وهم من كل حدب ينسلون (۲۱ (الانبیاء):۹۶) حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نیچے کو دوڑتے آئیں گے۔ اگر اس کو انجیل کے ترجمہ کے ساتھ دیکھا جائے کہ اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی جائیں گی تو قرآن بنیادی طور پہ یہ کہتا ہے کہ آئندہ جتنی تباہی بھی ہوگی وہ اوپر سے نیچے کو آئے گی اور میرے خیال میں وہ ایٹم بم اور میزائل سے ہوگی' کیونکہ اللہ نے قرآن میں کہا' ليظهره على الدين كله (۴۸ (الفتح):۲۸) ہم نے اپنے دین کو سب ادیان پر ظاہر کرنا ہے اور بالآخر ہم نے اس کو زمانہ آخر میں ایک آخری غلبہ دینا ہے۔

حضرت دانیالؑ سے پوچھا گیا کہ دجال کون ہے تو فرمایا کہ مملکت روس' بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قومیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو روس' یورپ اور امریکہ کی اقوام پانیوں کے گرد آباد ہیں اور اس سے نشاندہی ہوتی ہے کہ دجال ایک فرد واحد بھی ہے اور دجال ایک پورا گروہ بھی ہے اور مغربی بلاک مل جل کر مسلمانوں سے اس عظیم جنگ کو شروع کریں گے۔ جنگ شروع ہوگی۔ ابھی میں آپ کو سنن ابی داؤد کی حدیث سناتا ہوں کہ وہ جنگ کیسے شروع ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ کب یہ فتنۂ آخر زماں ظاہر ہوگا۔ تو فرمایا کہ جب کسی قبیلے میں ایمان دار آدمی کی نشاندہی کی جائے۔ جب یہ کہا جائے کہ وہ فلاں آدمی پورے زمانے میں ایمان دار ہے۔ آپ ذرا توجہ فرمائیں تو میرا خیال ہے اس زمانے کی بات ہو رہی ہے کہ اب ہمیں بے ایمان نہیں ڈھونڈنے پڑتے، ایمان دار کی نشاندہی کرنی پڑتی ہے اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اور جب اس شخص کو عقلمند، ہوشیار اور خوبصورت سمجھا جائے جو دنیا میں کامیاب ہو اور اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہ ہو تو سمجھ لینا کہ فتنۂ آخر زماں قریب ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم برے تھے، ہمارے آثار برے تھے، پھر آپ ﷺ تشریف لائے، ہم نے اچھائی کو قبول کیا، اسلام کو قبول کیا۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ ہوگا تو پھر کبھی بھلائی نہیں ہوگی۔ فرمایا! ہاں ضرورت کے ساتھ۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ضرورت کے ساتھ؟ فرمایا ہاں اچھی بات تو ہوگی، دوبارہ اچھا زمانہ آئے گا مگر ان میں کچھ عادتیں تمہاری طرح کی ہوں گی اور کچھ عادتیں نہیں ہوں گی۔

حضرات گرامی! میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ہم لوگ ہیں کیونکہ ہماری کچھ عادتیں تو بہت ہی بُری ہیں مگر کچھ عادتیں شاید مسلمانوں جیسی ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں بھلائی کا زمانہ کہا تو میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا اور کوئی حقدار نہیں ہے سوائے ہم لوگوں کے کہ ہم تھوڑے سے اچھے بھی ہیں اور کافی برے بھی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا زمانہ وہ ہے جب فتنے رات کے ٹکڑوں کی طرح برسیں گے۔ فرمایا عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا، سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہوگا، بیٹھا ہوا کھڑے سے بہتر ہوگا، کھڑا چلنے والے سے بہتر ہوگا، چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ خواتین وحضرات! میں اور تو اس حدیث پر عمل نہیں کرسکا، مگر سوئے ہوئے کو اب میں نہیں جگاتا، کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق کہ سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ جونہی آنکھ کھلے، وہ فتنہ فساد شروع ہوتا ہے کہ پھر سو جانا بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنے کا وہ زمانہ ہے کہ زمانے جب قریب ہو جائیں گے۔ یہ خوبصورت فاصلوں میں سے ایک ہے۔ یعنی اچھے زمانے اور بُرے زمانے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ دنیا اور آخرت اتنی قریب ہو جائے گی کہ کسی بھی وقت کوئی بڑی تباہی یا قیامت آنے والی ہے اور یہ زمانہ فتنۂ آخر زماں کہا گیا ہے۔

حضرات گرامی! نشانیاں کیا ہیں؟ ذرا غور کیجیے گا کہ یہ نشانیاں پُوری ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں کہ علم اٹھا لیا جائیگا، فتنوں کا ظہور ہوگا، بخل ڈالا جائے گا۔

ہر شخص مال و زر کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اسے دن رات دولت جمع کرنے کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ کوئی اپنی حد سے آگے، اپنے گھر سے آگے، اپنے تعلق سے آگے سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایک بڑی خوبصورت حدیث ہے۔ مخبر صادق ﷺ نے کتنے واضح انداز سے اس زمانے کی پیشین گوئی کی ہے جو آج گزر رہا ہے کہ قاتل کو نہیں معلوم ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو خبر نہ ہوگی کہ وہ کیوں مارا جا رہا ہے، کس جرم میں، کس خطا میں؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بڑا فتنہ اس وقت ہوگا جب اسلام میں، مسلمانوں میں گروہ بندی ہوگی اور مسلمان ایک دوسرے پر زبان درازی کریں گے۔ بڑی فطری سی بات ہے۔ آج ہم اپنے اندر یہ گروہ بندی دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ فتنہ مختلف اقسام میں آئے گا۔ فرمایا ’فتنہ احلاس‘ کہ لوگ خوف کے مارے ایک دوسرے سے بھاگیں گے‘ ایک دوسرے کو شک وشبہ سے دیکھیں گے۔ ہر آدمی کو فکر ہوگی کہ میرے پیچھے آنے والا میرا قاتل تو نہیں ہے۔ سفر کرنے سے پہلے بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی اور اترتے وقت بھی آیت الکرسی پڑھی جائے گی۔ راتوں کو اندھیروں میں اپنے ہی کسی بچے کا ہاتھ لگ جانے سے مائیں چیخیں گی کہ شاید کوئی ڈاکو آگیا ہے۔ اتنا خوف ہوگا اور اس کو فتنہ احلاس کہتے ہیں۔

دوسرا اسراف کا فتنہ ہے۔ خوشحالی‘ عیش وعشرت۔ یہ فتنہ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستانیوں میں تو نہیں ہے مگر یہ فتنہ باقی مسلمان ممالک میں بڑی کثرت سے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا بانی میری ایک اولاد میں سے ہوگا۔ امارت اتنی ہو جائے گی کہ عرب کے بدو بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور یہ فتنہ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک عرب کے بنجر صحرا سرسبز وشاداب نہ ہو جائیں گے۔ اتفاق کی بات ہے کہ عرب اس وقت گندم کا سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ صحراؤں میں انہوں نے اتنی فصلیں اگائی ہیں‘ کیا حیرت کی بات نہیں ہے؟ اور فرمایا یہ فتنہ میری امت میں سے ہر بندے کو چھوئے گا‘ طول کھینچے گا‘ اتنا آگے تک جائے گا کہ اسی فتنے میں دجال کا ظہور ہوگا اور اس وقت دو خیمے ہوں گے‘ ایک نفاق کا خیمہ اور ایک ایمان کا خیمہ۔ جو نفاق کے خیمے میں ہوں گے ان میں ایمان کی رتی بھی نہیں ہوگی اور جو ایمان کے خیمے میں ہوں گے ان میں نفاق نہیں ہوگا۔ اس وقت تمیں جھوٹے پیغمبر پیغمبری کا دعویٰ کریں گے اور یہ زمانہ مہدی تک ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اصل میں مغربی انہوں نے لفظ رومی استعمال کیا ہے۔ اب ہمیں انہیں متبادل صورت دینا پڑتی ہے۔ اب وہ رومی تو نہیں ہیں۔

لفظ رومی ہر غیر عرب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور فرمایا کہ رومی مقام عماک تک آئیں گے۔ مسلمانوں سے ان کی جنگ ہوگی‘ ایک تہائی مسلمان شہید ہوں گے اور یہ اس وقت دنیا کے بہترین شہداء ہوں گے جو آخری تہائی جنگ جیتیں گے مگر جب وہ جنگ جیت کے ہلکے پھلکے ہو رہے ہوں گے‘ تو ان کو پتہ لگے گا کہ دجال بھی ان کے گھروں تک آن پہنچا ہے۔ وہ شام تک پہنچیں گے تو دجال مارا جائے گا۔ خواتین وحضرات! یہ وہی جنگ ہے جس کی پیچھے پیشین گوئیاں کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ جنگ ہوگی‘ ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے‘ ایک تہائی جنگ میں شہید ہو جائیں گے۔ ہم حدیث کو تینوں زمانوں تک بھی لے جا سکتے ہیں۔ جب حدیث تین دن کہہ رہی ہے تو یہ تین زمانے اور تین جنگیں بھی ہو سکتی ہیں کہ پہلی جنگ میں مسلمان بھاگ جائیں گے‘ دوسری جنگ میں بہت سارے مسلمان شہید ہوں گے اور تیسری جنگ میں مسلمان بنی اسرائیل پر غلبہ پائیں گے اور جب وہ ان پر غلبہ پائیں گے تو دجال کا خروج ہوگا تو اس وقت امریکہ اور دوسری اقوام ان کی حمایت کے لیے نکلیں گے‘ جو دجال ہیں اور اس طرح بہت بڑی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

میں نے احادیث بخاری‘ مسلم اور سنن ابی داؤد سے لی ہیں‘ ان میں کوئی ابہام نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ چار راتیں یہ جنگ ہوگی‘ ایک جماعت جائے گی لڑے گی‘ رات پڑ جائے گی مگر صبح پتہ لگے گا کہ وہ تمام کے تمام شہید ہو گئے ہیں۔ پھر دوسری جماعت جائے گی‘ دوسری رات جنگ ہوگی‘ واپس نہیں پلٹیں گے کیونکہ رات پڑ جائے گی۔ وہ جماعت بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر تیسری جماعت جائے گی اور یہ بھی شہید ہو جائے گی۔ پھر چوتھی رات کو جنگ انتہائی شدید

ہوگی۔ حدیث میں ایک بڑی خوبصورت مثال دی گئی ہے کہ اتنے بڑے لشکر آپس میں جنگ کر رہے ہوں گے کہ ایک پرندہ اڑے گا اور وہ لشکروں سے گزر نہیں سکے گا کہ راستے میں ہوا سے دھند سے اور گیسوں سے ہی مر جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک باپ کے اگر سو بیٹے ہوں گے تو ان میں سے صرف ایک بچے گا۔

خواتین و حضرات! حضرت حذیفہؓ جن کو صاحب اسرار کہتے ہیں' اتفاق کی بات ہے کہ ان کی احادیث زیادہ محفوظ نہیں ہوئیں۔ انہوں نے بہت ساری احادیث کو اپنی حد تک رکھا اور اس لیے وہ ہم تک نہیں پہنچیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر دس سوار دجال کی خبر لینے جائیں گے۔ یہ دس سوار زمین پر اس وقت سب سے بہترین لوگ ہوں گے۔ میں ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کے نام بھی جانتا ہوں۔ اگر چاہو تو میں ان کا ذکر کروں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی ایک بڑی عجیب و غریب حدیث ہے کہ بیت المقدس کی آبادی جب کمال کو پہنچے گی تو مدینہ کی تباہی و بربادی کا باعث بنے گی اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ کا محاصرہ کیا جائے گا۔ اسرائیل کی فتوحات کعبہ تک پہنچیں گی اور دائی قربانی موقوف ہوگی مگر وہ مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکیں گی اور یہودی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ اس کے لیے مدینے کے سات دروازے بنائے جائیں گے اور دو دو ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے اور خسف واقع ہوگا اور پورا لشکر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ سبحان اللہ!

یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! دجال مشرق سے مدینہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے گا' یہاں تک کہ احد کے پیچھے اترے گا۔ پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں حضور گرامی ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اہل حبشہ کو ناراض نہ کرنا کہ زمانہ آخر میں ایک حبشی کعبہ کا خزانہ نکالے گا۔ حضرات گرامی نماز عصر کا وقت ہے اور میں اپنے بیان کو جلد ختم کرنے کی کوشش کروں گا۔

جنگ کی صورت میں 1999ء سے جو فسادات شروع ہوں گے۔ پہلے روایتی ہتھیاروں کے ساتھ جنگ ہوگی۔ وہ گزرتی ہوئی ایٹمی ہتھیاروں تک جائے گی۔ پہلے مسلمان فتح حاصل کریں گے پھر دجال اور یورپی اقوام کو مکمل فتح حاصل ہو جائے گی۔ پھر دجال کی وجہ سے مہدیؑ مسلمانوں کو لے کر ایک محفوظ جگہ پہنچیں گے اور کوئی قوم دجال سے لڑ نہیں سکے گی۔ وہاں مہدیؑ دعا فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول مبارک دو زرد چادروں میں پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہوا ہوگا اور حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی اس وقت عیسائی اور مُسلم وہ سب جہاں بھی موجود ہوں گے' حضرت عیسیٰؑ کی شہادت دیں گے۔ جب یہ شہادت دیں گے تو دوبارہ ایک قوت بن جائے گی اور اس قوت کے سامنے حضرت عیسیٰؑ دجال کو قتل کر دیں گے۔

جب یہ جنگ ختم ہوگی تو یاجوج اور ماجوج کا اخراج ہوگا اور اللہ کہے گا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جن کے خلاف کوئی بھی نہیں لڑ سکتا۔ حضرات گرامی! یہ یاجوج اور ماجوج زرد اقوام ہیں۔ ان کی ساری نشانیاں چینی اور ویت نامی لوگوں میں موجود ہیں۔ بلاشبہ یہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ یہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ کوئی بھی ان سے لڑ نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی بے بسی کا اظہار کریں گے اور اللہ کے حضور دعا مانگیں گے کہ اے پروردگار! ہمیں اس فتنے سے نجات دے اور پھر اس بڑے فتنے سے خداوند کریم ایک متعدی مرض کے ذریعے نجات دیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی

گردنوں میں ایک کیڑا پیدا ہوگا۔ یا ایک وائرس کا حملہ ہوگا' جس سے راتوں رات پورے کا پورا لشکر ختم ہو جائے گا تو ان کی سڑاند کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی پرندہ اڑ نہیں سکے گا اور کوئی فرزند زندہ نہیں رہ سکے گا۔ تو پھر حضرت عیسیٰؑ اور مہدیؑ دعا کریں گے کہ اے پروردگار! ہماری زمین کو قابل رہائش بنا تو پھر اللہ بڑی بڑی گردنوں والے پرندے بھیجے گا۔ جیسے آپ کے Scavenger Birds ہوتے ہیں۔ وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا' پھینکیں گے۔ زمین دوبارہ آباد کی جائے گی۔ چالیس چالیس دن کی تین بارشیں ہوں گی۔ سیاہ بارش' سبز بارش اور اس کے بعد نارمل بارش ہوگی۔ زمین اپنی برکت کو اگا لے گی۔

حضرت عیسیٰؑ کا بابرکت دور شروع ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ دور سات برس اور دوسری حدیث میں چالیس برس ہے اور تمام مذاہب اسلام پر قائم ہوں گے کیونکہ جب حضرت عیسیٰؑ اتریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ امامت کروایئے تو حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے کہ امامت تم لوگوں کا حق ہے۔ مذہب اور شرع تمہاری ہے اور مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور حضرات گرامی! سب سے بڑی بات جو ہے اس کا وقت اتنا قریب ہے اتنا قریب ہے کہ میرے اپنے حساب کے مطابق میں نہیں جانتا کہ ہم 2005ء تک پہنچیں گے یا نہیں۔

میرے اپنے ذاتی خیال میں 2005ء تک یہ واقعات بڑی تیزی سے رونما پذیر ہونے شروع ہو جائیں گے اور اس حادثے کی تیاری صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ۔

اِسلام اور مغربی افکار☆

☆ یہ لیکچر 1999ء میرپور میں ہوا۔

اِسلام اور مغربی افکار

حضراتِ گرامی! کسی بھی ملک کا دورہ کرا یا وہاں سے آیا کبھی بھی کوئی ایسا عجیب عمل نہیں رہا جس کی بنا پر کوئی جلسہ مرتب ہو۔ ہم لوگ مسلسل ایک غیر مناسب رویہ مغربی تجزیے کے خلاف رکھتے ہیں اور ہم اس اصل حقیقت کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ خرابی ہم میں ہے یا ان میں ہے۔ خرابی شاید دونوں طرف ہے۔ ہم ان سے مختلف بھی ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہم احساس کمتری کی وجہ سے کسی دینی' اخلاقی' اصولی وجہ سے مغرب کے خلاف ہیں۔ میں مغرب کو صرف امریکہ ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ سارے یورپی ممالک کو بھی اس میں شامل کرتا ہوں۔

جب میں نے تجزیہ کیا تو ہم دونوں میں فرق یہ نکلا کہ وہ اللہ کی پرواہ نہیں کرتے' مگر ملک اور قوم کے بنائے ہوئے قانون کی بڑی پاسداری کرتے ہیں جبکہ ہم اہلِ اسلام دونوں قوانین کی پاسداری نہیں کرتے۔ معلوم نہیں انصاف ان کو جائے گا کہ ہم کو جائے گا۔ دوسری جو ایک بات مجھے حضور ﷺ کی احادیث مبارک سے یاد آئی۔ امریکہ میں بار بار یاد آتی رہی کہ شیطان دو آنکھوں سے کھاتا ہے اور مومن ایک آنکھ سے کھاتا ہے۔ تو میں جدھر سے بھی گزرا' میں نے شیطان کو تو نہیں مگر امریکیوں کو مسلسل کھاتے دیکھا۔ ایک بڑی وزنی خاتون نے مجھ سے کہا کہ:

"Do you have any Tasbeeh for reducing weight."

And she was eating تو میں نے اس خاتون سے کہا:

"I don't have any Tasbeeh for reduction of weight and you are continuously eating."

تو اس نے کہا کہ I don't know when do I eat مجھے تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کب کھاتی ہوں۔ تو وہ لوگ مسلسل کھاتے رہتے ہیں اور حضراتِ گرامی! ان کا کھانا دیکھ کر مجھ پر ایسا حجاب طاری ہوا کہ میں بارہ بارہ گھنٹے کھا ہی نہیں سکتا تھا۔ اور میں نے ٹیلیویژن پر ایک پروگرام دیکھا جس میں انہوں نے بڑے افسوس کا اظہار کیا کہ 63 فیصد امریکی موٹاپے کا شکار ہیں اور اگلے پانچ برسوں میں جو باقی رہتے ہیں' وہ بھی موٹے ہو جائیں گے۔

حضراتِ گرامی! میں نے مسلمان کا کوئی اچھا حال نہیں دیکھا جو خطرات ہمیں مغرب سے درپیش ہیں' اس کا ہم مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایک دفعہ پل سے گزرتے ہوئے مجھے ان کا مشہور ترین مجسمہ آزادی نظر آیا تو دور سے میں نے اسے دیکھا تو تھوڑا میں دل میں ہنسا اور کہا کہ پروردگار! تجھے بھی بتوں کے بغیر چین نہیں آتا اور دورِ حاضر میں

بھی جبل ولات کے بت کھڑے کر کے اور ان سے جنگ وجدل کر کے تو مسرت حاصل کرتا ہے۔ ایک طرف پورا مغربی کلچر مکمل شخصی آزادی کا اعلان کر رہا ہے اور دوسری طرف جن مسلمانوں کو میں نے امریکہ میں پایا' وہاں ان کے پاس آزادی کے خطرات کا سامنا کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ اخبار میں پڑھتے بھی ہوں گے۔ میں بھی پڑھتا تھا' اگر میں وہاں عملی طور پر نہ جاتا تو مجھے کبھی اندازہ نہ ہو سکتا کہ وہاں اسلام بدتر حالت میں ہے۔ یہی صورت حال انگلینڈ اور دیگر مغربی ممالک میں بھی ہے۔

یہ یاد رکھیے کہ تمام معاشرے خواہ وہ امریکہ ہو' خواہ وہ انگلینڈ ہو' جہاں آپ جائیں گے اور پہلے سے احتیاطی تدابیر نہیں کریں گے' وہ معاشرے آپ سے اپنا اجر ہر قیمت میں وصول کریں گے۔ ابتدائے حال میں جو لوگ امریکہ یا یورپ گئے' انہوں نے صرف پیسے کی خاطر نوکری کی' رزق کی خاطر' ان جگہوں میں سکونت اختیار کی' ان کو آسانی اور آسودگی حاصل ہوئی اور انہوں نے کچھ کمایا مگر وہ اس حال سے بے خبر رہے کہ یہ معاشرہ بھی ہم سے کچھ وصول کرے گا۔ وہ نوجوان لوگ جو اس تصور سے کہ ہم دوزخ سے بہشت کو جا رہے ہیں' آزادی کو جا رہے ہیں' آسودگی کو جا رہے ہیں' مال واسباب کو جا رہے ہیں' وہ یہ بھول گئے کہ اگر ہم وہاں مستقل قیام پذیر ہو گئے تو یہ معاشرہ ہماری اولاد کی صورت میں اپنی قیمت وصول کرے گا۔

حضرات گرامی! پورے یورپ میں مذہب ایک مدافعتی رویہ ہے۔ ایک دفاعی قدم ہے۔ جب پہلی نسل گزرنے کے بعد دوسری نسل جوان ہوئی اور پھر تیسری نسل آئی اور انہوں نے اس معاشرے' اس کلچر اور انہی درسگاہوں سے تعلیم پائی' جوان کے اپنے ضوابط' اپنی اخلاق اور مذہبی رسوم جن میں کوئی ذہنی کمٹ منٹ شامل نہیں تھی' جب انہوں نے اسے دیکھا تو ان کو یقیناً مغرب کی آزادی کا روپ پسند آیا۔

حضرات گرامی! میں نے امریکہ یا یورپ میں یا کسی بھی مغربی ممالک سے آئے ہوئے کسی بھی نوجوان آدمی کو کٹر مسلمان پایا ہے مگر آزادی سے' خیال سے' محبت سے اور اپنے کسی تصور مذہب کو چاہتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ مدافعت اس لیے سامنے آئی کہ جب ہمارے بچے جوان ہوئے' مغرب نے انہیں حقوق اور آزادیاں بخشیں۔ اس کے مقابلے میں ہم نے انہیں ایک اکیڈمک مذہب دیا۔ میں آپ کو اس کی ایک مثال بتاتا ہوں کہ ایک خاتون کی صرف چار بچیاں تھیں' اس کا بیٹا نہیں تھا۔ تمام لڑکیوں کی تعلیم انگلینڈ میں ہوئی۔ اب جب وہ بڑی ہوئیں تو بڑی کا معاشقہ ایک ہندو کے ساتھ' دوسری اور تیسری کا انگریز کے ساتھ چل رہا تھا اور وہ خاتون سخت پریشان تھی۔ اتنی پریشان کہ کسی سے تعویذ گنڈا لیا۔ بالآخر اسے کسی نے میرا بتایا۔ جب وہ خاتون اپنی جدید ترین نسل کی خواتین کو میرے پاس لے کر آئی تو جب وہ گھر میں داخل ہو رہی تھیں تو ان میں سے ایک لڑکی نے دوسری لڑکی سے کہا کہ:

Our mother has brought us to another cheat.

یہ اس نے دوسری لڑکی سے کہا کہ ہماری ماں ہمیں پھر کسی اور فراڈ کے پاس لے آئی ہے تو میں نے وہ سن لیا۔ ان کے خیال میں یہ تھا کہ انگلینڈ سے واپس لانے کے لیے یہ ہمیں پابند کر دے گی اور ہماری زندگیوں کو آزادی سے محروم کر دے گی۔

So they came to the cheat. But cheat was a real cheat.

یہاں کو اندازہ نہیں تھا۔ تو جونہی وہ داخل ہوئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ What is your identity? اور وہ ایک دم سے They were shocked اور انہوں نے کہا کہ What do you mean? تو میں نے ان سے کہا:

Should I consider you a Pakistani or a British. What do I consider you?

تو وہ اس سوال سے پریشان ہو گئیں۔ مگر کچھ دیر کے بعد ہم میں جب حجاب ٹوٹ گیا اور ہماری بات چل نکلی اور ہر دو چار منٹ گزرنے کے بعد جب میں کوئی رائے دیتا تو وہ کہتیں Where did you learn this۔ تو میں نے کہا کہ:

It's not found in Oxford or it's not found in Cambridge.

یقین کریں کہ اس مخلوق کو میں نے اتنا اچھا پایا کہ دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے بڑی محبت سے تسبیحات لیں اور اپنی چادر کے پلو میں وہ تسبیحات باندھ لیں تو میری ہنسی نکل گئی اور میں بڑے زور سے ہنسا۔ انہوں نے کہا کہ What are you laughing about? میں نے کہا کہ:

I am laughing about the real origin you are showing.

ہمارے ہاں برسوں سے روایت چلی آ رہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیز ہم پلو میں باندھ لیتے ہیں تو جو تم نے کیا اصل میں یہی تمہاری اصل ہے۔ وہ نہیں ہے جس کو تم پیش کر رہی ہو۔ اگر تم اپنی اصل کی حفاظت کرو گے تو تمہارے لیے دنیا میں کوئی جگہ غیر محفوظ نہیں ہے مگر حضرات گرامی! میری اصلاح کا کیا فائدہ ہوا، یہ تھوڑی دور چل کر آپ کو پتہ چلے گا۔ میں یہ ایک کیس سنا رہا ہوں۔ ان ہزاروں میں سے جو مغرب میں درپیش ہیں۔ انہوں نے ماں سے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اسلام آباد ہی میں اپنی باقی تعلیم حاصل کریں گی اور واپس انگلینڈ نہیں جائیں گی تو ان کی ماں بہت خوش ہوئی۔ سارے کام ٹھیک ہو گئے تو ایک لڑکی کا ایک ماہ بعد فون آیا اور اس نے کہا کہ پروفیسر صاحب:

"We followed your instructions but what my mother is doing to me."

میں نے کہا، کیا ہوا۔ اس نے کہا ہم یورپ چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں۔ اب مجھے ایک انجینئر لڑکا اچھا لگا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میری ماں یہ کہتی ہے کہ یہ ہماری ذات کا نہیں ہے۔ آپ اندازہ کریں اس نقصان کا، جو وہاں اس کو مل رہا تھا کہ اس کی بیٹی ہندو کے ساتھ جا رہی تھی، عیسائی کے ساتھ جا رہی تھی، تو جب وہ واپس امن میں آ گئے، وہ تھوڑی سی محفوظ ہوئیں تو سب سے پہلے اس نے یہ نہیں دیکھا کہ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اچھا ہے اور میری بیٹی اسے پسند کرتی ہے اور اس نے خدا کا شکر ادا نہیں کیا تو اس لڑکی نے مجھ سے کہا کہ پروفیسر صاحب ہمیں یہاں بلا کر Didn't you do a mistake۔ تو میں اس کا کیا جواب دیتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو مذہب ہم یورپ یا امریکہ میں پیش کر رہے ہیں، کیا وہ مطلوبہ نتائج لا سکتا ہے کہ نہیں۔

اسلام مغرب میں کسی خیال یا نظریے کی حیثیت سے موجود نہیں۔ اسلام مغرب میں جداگانہ عمل کی حیثیت

سے موجود ہے جیسے یہودیوں کے اپنے اعمال ہیں جیسے عیسائیوں کے اپنے اعمال ہیں۔ اس طرح اسلام بھی چند اعمال پر مشتمل ہے اور بغیر کسی مضبوط نظریہ یا ورخیال کے آپ مغرب کے تصورِ آزادی سے جنگ نہیں کر سکتے۔

یہ بڑا مضحکہ خیز واقعہ ہے۔ مجھے جب ہیوسٹن کی مسجد میں تقریر کے لیے بلایا گیا تو وہاں مصری امام مسجد تھا' جس کا تعلق اخوان المسلمون سے تھا۔ زیادہ تر مسلمان پاکستانی اور تمام شرقی لوگ تھے۔ اچھے عبادت گزار تھے۔ مجھے امام مسجد نے کہا کہ برادر:

"Don't say anything which is not liked by them."

تو میں نے اس سے کہا کہ What do you mean? اگر تم نے مجھے بلایا ہے تو میں وہی کہوں گا جو مجھے پسند ہے اور یہ بات ان لوگوں پر چھوڑ دو کہ یہ میری بات قبول کرتے ہیں کہ نہیں۔ بات شروع کرنے سے پہلے ہی مجھ پر پابندی لگا رہے ہو کہ پروفیسر صاحب یہ نہ کہنا وہ کہنا۔ جب میں نے تقریر شروع کی تو میں نے ان سے یہ کہا کہ تم لوگ ایک ایسے نظام کے خلاف کھڑے ہو جو مکمل آزادی دیتا ہے' بات کرنے کی' زندہ رہنے کی' طریقہ ذات اپنانے کی' اپنے موڈ کی حفاظت کرنے کی' تمہاری جبلتوں اور خصلتوں کی حفاظت کرنے کی' اپنی شخصی آزادی کو قائم کرنے کی۔ صرف ایک پابندی لگاتا ہے کہ قانون جو بنائے ہوئے ہیں' ان کو نہ توڑنا' باقی جو تمہارے دل میں آئے وہی کرنا۔ اس کے مقابلے میں وہ رسول اللہ ﷺ اور وہ اللہ جو ایک مکمل اعتدال اور آزادی کا مذہب دیتے ہیں۔ آپ اس رسول اللہ ﷺ کے ایک بندے کو بات کرنے سے پہلے روک رہے ہو کہ یہ کہنا اور یہ نہ کہنا۔ آپ نے اتنی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں کہ جو غربی مذہب اور یہ جو آزادی کا جبل ہے' یہ جو مجسمہ آزادی ہے' یہ آپ کو کھا جائے گا۔ یہ آپ کی اولاد کو بھی کھا جائے گا۔ اس سے آگے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو اتنی پابندیوں ہی میں اپنی اولاد کو پالنا ہے اور بغیر کسی خیال سے پال رہے ہیں تو اس کا کیا فائدہ!

آپ کے پاس کوئی نظریہ نہیں ہے۔ آپ صرف روزمرہ زندگی کے تقاضوں پر عمل کر رہے ہیں۔ نماز پڑھو قرآن شریف پڑھو اور روزے رکھو مگر محض عبادت سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔ ایک یہودی اسکالر نے کہا کہ کس چیز پر نازاں ہو۔ تمہارا واسطہ ہی کتنا ہے خدا سے۔ تم تو صرف پندرہ سو سال سے خدا کے شناسا ہو۔ ہم تو بارہ ہزار سال سے خدا کے شناسا ہیں۔ تم کس چیز کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم خدا کے بڑے اچھے اور سچے بندے ہو' میں نے اس سے کہا کہ:

I agree with you that you know God for twelve thousand years but tell me one thing that does He also know you?

تمام تحقیقِ علم اور تمام تجسسِ فکر کا صرف ایک ہی فطری انجام ہے اور وہ اللہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے علم و جستجو اور فکری کاوشوں کے بعد خدا تک نہیں پہنچ پایا' اسے شناختِ خداوندی کا حصول نہیں ہوا تو اسے واپس پلٹ کر دیکھنا چاہیے کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہوئی ہے' کیونکہ جب آپ علم کو اس کا مقصد اولین اللہ دیتے ہیں تو وہ بغیر کسی وسوسے اور فریب کے اپنی منزل کو حل کرتا ہے۔ وہ ہر حال میں شناخت کرتا ہے اور ہر حال میں اللہ کو پا لیتا ہے۔

شخصی تاثرات

بڑی سرکار	ممتاز مفتی
اکیسویں صدی کا ولی	جاوید چوہدری
پسِ حجاب	افتخار عارف
اسلام آباد ایک جوگی سے ملاقات	عطاءالحق قاسمی
پروفیسر صاحب	ہارون رشید

بڑی سرکار[1]

میرے ایک دوست ہیں' امتیاز بخاری۔ ان کا چہرہ بارہ دری ہے' اتنا چوڑا اور اس میں محرابیں ہی محرابیں۔ شخصیتوں میں دروازے عام ہوتے ہیں لیکن پٹ دار ہوتے ہیں' کوئی بند' کوئی ادھ کھلا' کوئی کھلا۔

کچھ شخصیتیں ازلی طور پر چہروں پر دھری ہوتی ہیں۔ ایسی شخصیت کو پنجابی میں ''کھلی ڈُلی'' کہتے ہیں۔ امتیاز بخاری ''کھلا ڈلا'' ہے۔

ہاتھ کی تسبیح

ایک بار وہ مجھ سے ملا تو اس کے ہاتھ میں ایک مُنی سی تسبیح تھی۔ ''ارے یہ کیا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

کہنے لگا: ''کیوں اسے کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''یہ ایسے ہے جیسے راگ میں بے بر جت سُر لگی ہو۔''

کہنے لگا: ''بے بر جت سُر کیا ہوتی ہے؟''

میں نے کہا: ''کچھ سُریں ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے تاثر کو ابھارتی ہیں' جو بار بار لگائی جاتی ہیں۔ کچھ ایسی ہوتی ہیں جو راگ کے منافی ہوتی ہیں' اس لیے ممنوع ہوتی ہیں۔ یہ تیری شخصیت سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اسے جھٹلاتی ہے۔''

اس سے پہلے بھی عمادالدین ایک بزرگ کو میرے گھر لائے تھے۔ ان کے ہاتھ میں بھی تسبیح تھی۔ وہ ہم سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ساتھ تسبیح کے دانے گراتے جاتے تھے' لیکن ان کے ہاتھ میں تسبیح سجتی تھی۔ رجی بزرگ تھے معزز تھے' داڑھی تھی' گیسو تھے' جسم پر چغہ تھا' کندھے پر صافہ لٹک رہا تھا۔

اگلے روز عماد بھی ایک منی تسبیح اٹھائے آ گیا۔

میں قہقہہ مار کر ہنسا۔

عکسی کہنے لگا: ''بابا! آپ تو خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔ اب کی بار میں فرانس گیا تو میں نے دیکھا کہ یورپ میں تسبیح اٹھائے رکھنا فیشن ہو گیا ہے۔ ہماری محترمہ (بی بی) بھی اٹھائے پھرتی ہیں۔''

امتیاز بخاری سے میں نے پوچھا: ''یہ بتا کہ یہ منی تسبیح فیشن ہے یا روحانیت؟''

---

(1) ممتاز مفتی کی کتاب ''تلاش'' سے۔

بخاری بولا: ''یہ حکم ہے۔''

میں نے کہا: ''یار تُو تو بشرے سے آزاد دکھتا ہے پابند کیسے ہو گیا؟''

بولا: ''میرے ایک بزرگ دوست ہیں۔ ان کے حکم سے یہ تسبیح ہاتھ میں رکھتا ہوں۔''

میں نے کہا: ''کیا ان بزرگ دوست میں سینس آف ہارمنی کا فقدان ہے؟''

کہنے لگا: ''اس کے برعکس ان کا تو عقیدہ ہی ہارمنی ہے توازن ہے ہم آہنگی ہے۔''

میں نے کہا: ''لیکن یہ تسبیح تو تجھ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ نمائش ہے دکھاوا ہے Pretention ہے۔ دعویٰ ہے۔''

''وہ ان باتوں کو روا نہیں رکھتے۔'' بخاری نے جواب دیا۔ اس پر میں ٹھٹکا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ''یہ کیسا بزرگ ہے جو نمائشی تسبیح بھی چلاتا ہے۔ ساتھ ہی ہارمنی، ہم آہنگی، توازن کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہمیں بھی زیارت کرا دے ان کی۔''

پروفیسر سرکار قبلہ

یوں ہم رفیق احمد سے جا ملے۔

گوجر خان پہنچے تو پتہ چلا کہ شہر کے سبھی لوگ انہیں جانتے ہیں اور انہوں نے انہیں پروفیسر کا لقب دے رکھا ہے۔

اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ کیسا بزرگ ہے جو سرکار قبلہ کی جگہ خود کو پروفیسر کہلواتا ہے۔

مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک ادھیڑ مگر Youngish آدمی پلنگ پر بیٹھا ہے۔ سر ننگا، کلین شیو، کرتا شلوار جیسے کوئی عام سا آدمی ہو۔ چہرے پر تحکم کی جگہ ذہانت ہے جس کی دھار زیادہ ہی تیز ہے۔ گلے کے نچلے پردوں سے بات نہیں کرتا۔ بات میں روانی ہے۔ معززیت کی ''رک رک'' نہیں۔

میں نے کہا: ''آپ پروفیسر ہیں؟''

بولے: ''پروفیسر تھا۔ پھر استعفیٰ دے دیا۔ اب اللہ کا نوکر ہوں۔''

میں نے کہا: ''پہلے سرکار کے نوکر تھے اب بڑی سرکار کے ہو گئے۔''

ہنسے، بولے: ''ہاں۔''

میں نے کہا: ''یہ سودا اچھا نہیں کیا آپ نے!''

بولے: ''وہ کیسے؟''

میں نے کہا: ''بڑی سرکار تنخواہ دینے میں بڑی خسیس ہے۔''

ہنسے یوں جیسے عام آدمی ہنستے ہیں۔

میں نے سوچا: ''یہ تو واقعی پروفیسر ہیں۔ بزرگی وزرگی کوئی نہیں۔''

عقل کی پکی سڑک

پھر میں نے انہیں چھیڑا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کو یہ مقام کیسے ملا جس پر آپ فائز ہیں؟''

بولے: ''عقل سے ملا۔''

''ارے'' میں چونکا۔ بڑا غیر متوقع جواب تھا لیکن جواب میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

میں نے کہا: ''حضور! ہم تو عقل کو راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔''

''آپ غلط سمجھتے ہیں۔'' وہ بولے۔

پھر انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ حلق کے نچلے پردوں سے قرآن نہیں پڑھ رہے تھے جیسے کہ قاری پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ تو یوں قرآن پڑھ رہے تھے جیسے قرآن نہیں بلکہ کسی عرب شاعر کا کلام پڑھ رہے ہوں بلکہ یوں جیسے اللہ تعالیٰ خود باتیں کر رہے ہوں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے پروفیسر ہمیں قرآن سے اقتباسات سناتے رہے۔ لب لباب کچھ ایسا تھا کہ:

''لوگو دیکھو بار بار دیکھو۔ سوچو بار بار سوچو غور کرو فکر کرو آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لاؤ۔ اللہ نے تمہیں عقل دی ہے اپنی عقل سے کام لو۔''

''پہلے بات کو تولو آزماؤ اگر تمہارے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ جو جو شکوک ذہن میں آتے ہیں ان پر غور کرو۔ جو جو Alternatives ذہن میں آتے ہیں انہیں باری باری آزماؤ...... پھر تم جان لو گے کہ جو ہم کہتے ہیں وہی سچ ہے۔''

یہ باتیں سن کر حیرت ہوئی۔ یہ کیسا اللہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے حکم کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا۔ دوسری طرف حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو تم بھی اسے مجبور نہ کرو۔

بہرحال پروفیسر نے ہمیں عقل کی پکی سڑک پر ڈال دیا۔

چار ایک دن تو میں پروفیسر کی باتوں پر غٹ رہا پھر شکوک نے سر اٹھایا۔

کیا دل کی کوئی اہمیت نہیں۔ وجدان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیا اللہ کے اتنے بڑے عاشق جو گزرے ہیں محمد ﷺ کے پروانے صوفی فقیر قلندر۔ کیا ان کا کوئی مقام نہیں۔ میں پھر ڈب جھلکے کھانے لگا۔ میں نے مسعود قریشی سے بات کی۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ تمسخر بھرا قہقہہ۔

مسعود ایک عجیب و غریب قسم کی شخصیت ہے۔ بارہ مصالحے قسم کی چیز ہے۔ اس میں مختلف اور متضاد قسم کی خصوصیات ہیں مثلاً اس میں عقل بھی ہے جذبہ بھی ہے ایمان بھی ہے کفر بھی ہے بے فکری بھی ہے۔ وہ مثبت بھی ہے منفی بھی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تضادات کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک ہم آہنگی ہے۔ ہارمنی ہے۔

مسعود قہقہہ مار کر ہنسا بولا: ''مفتی تو بڑا کنفیوزڈ آدمی ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ اللہ براہ راست لائن ہے۔ نہیں بھائی اللہ تو بہت بڑا جنکشن ہے کئی ایک راستے وہاں پہنچتے ہیں۔ کئی ایک لائنیں آتی ہیں۔ عقل کی لائن بھی پہنچتی ہے وجدان کی بھی اور پتہ نہیں کون کون سی لائنیں پہنچتی ہے۔''

پروفیسر احمد رفیق اختر

اس بات پر مجھے پروفیسر احمد رفیق اختر یاد آ گئے جن کا مقصدِ حیات ہی ہارمنی پیدا کرنا ہے نوکیلے کونے گول کرنا ہے۔ گذشتہ چند ایک برس میں مجھے چند ایک بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ وہ عام انسان کی طرح جیتے ہیں۔ نہ لباس میں خصوصیت' نہ شکل وشباہت میں' نہ انداز میں' نہ برتاؤ میں۔

نہ جبہ' نہ دستار' نہ گیسو' نہ داڑھی۔ کلین شیو ہیں۔ چہرے پر مصنوعی وقار نہیں۔ صرف ذہانت اور انسانیت ہے۔ بات میں ''ہم'' نہیں۔ گلے میں ''اہم'' نہیں۔ انداز میں اُجلا پن نہیں۔ دوسرے کو میلا ہونے کا احساس نہیں۔ کشف نہیں چلاتے۔ فراست ہے' لیکن جتاتے نہیں۔ اختلافِ رائے کو کاٹتے نہیں' برداشت کرتے ہیں۔ طبیعت میں بڑا ''سینس آف ہیومر'' ہے۔ خودنمائی نہیں کرتے۔ دعویٰ نہیں کرتے۔ پیری مُریدی نہیں کرتے۔ بیعت کی دعوت نہیں دیتے۔ مسئلہ مسائل نہیں چھانٹتے۔ جنید یہ سلسلے کے مشاہیر کو استاد مانتے ہیں لیکن جو تصوف پروموٹ کرتے ہیں' وہ انہوں نے خود قرآن سے اخذ کیا ہے۔ لوگوں کو پڑھنے کے لیے اسماء دیتے ہیں۔

مجھے بھی دیے۔ میں نے کہا: ''پروفیسر صاحب! یہ ظُلم نہ کرو۔ میں تو اللہ کا ایک ادنیٰ منشی ہوں۔ عبادت میرا کام نہیں۔ سیانے کہتے ہیں جس کا کام اسی کو ساجے۔''

کہنے لگے: ''یہ ضروری ہے' تین ماہ کے لیے پڑھو۔''

میں نے کہا: ''تین ماہ کے بعد کیا ہوگا؟''

وہ مسکرا دیے۔

میں نے تین ماہ تسبیح چلائی۔ میرا خیال تھا' تین ماہ بعد میرے دائیں ہاتھ سے آواز آئے گی۔ ''بول میرے آقا! میرے لیے کیا حکم ہے' میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں۔'' لیکن کوئی آواز نہ آئی۔

پروفیسر کا کہنا ہے اسلام توازن کا نام ہے۔ اپنے اندر ہارمنی پیدا کرنے کا نام ہے۔ نہ لاگ ہو نہ لگاؤ۔

حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''لوگو! حد میں رہو۔ حدیں نہ توڑو۔''

میں نے پوچھا: ''پروفیسر آپ کا شغل کیا ہے؟''

بولے: ''تحلیلِ نفسی کرتا رہتا ہوں۔ وہ کونے جو دوسروں کو چبھتے ہیں انہیں گول کرتا رہتا ہوں۔''

اکیسویں صدی کا ولی[1]

جب میں پروفیسر احمد رفیق سے پہلی بار ملا تو دل اسے بزرگ ماننے پر تیار نہ ہوا۔ اس کی کئی ایک وجوہات تھیں، مثلاً اس کا کلین شیو ہونا، مسلسل سگریٹ پیے جانا، ان موضوعات پر بلا تکان گفتگو کرنا، جن کے ذکر پر ہی کمزور دل حضرات کے کان سرخ ہو جاتے ہیں اور اپنی بے عزتی پر قہقہہ لگا کر مخاطب کو داد دینا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب میں مایوس ہو کر اٹھنے لگا تو اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ مجھ سے کہنے لگا: ''اپنا نام تو بتاتے جاؤ''۔ میں نے فوراً بتا دیا (یہی میری غلطی تھی) تو ہنس کر بولا: ''تمہارے اندر ''اینگزائٹی'' بھری ہے، غصہ اور نفرت ابل رہی ہے، اگر یہ باہر نہ نکلی تو تم پھٹ جاؤ گے۔ بالکل اس طرح جیسے غبارہ دھماکے سے پھٹتا ہے۔'' میں نے کہا: ''تمہیں کیا غرض۔'' تو بولا: ''مجھے تم سے بڑی غرض ہے، ذرا بیٹھو میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' اور میری حماقت دیکھیے میں شغل ہی شغل میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے بعد پتہ نہیں اس نے مجھ پر کیا پھونکا کہ آج آٹھ برس ہو چکے ہیں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوں۔ کہیں بھی بھاگ جاؤں، کہیں بھی چھپ جاؤں، کہیں بھی غائب ہو جاؤں، خود کو اسی کے قریب پاتا ہوں، اسی صوفے، اسی کمرے اور اسی نیم تاریک ماحول میں رہتا ہوں اور اب تو یقین ہو چکا ہے کہ شاید پچاس برس بعد بھی جب کوئی مجھ سے پوچھے گا تمہاری زندگی کا حیرت انگیز واقعہ کیا ہے؟

تو میں بلا سوچے سمجھے کہہ دوں گا۔ ''پروفیسر احمد رفیق۔''

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

''تمہاری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کیا ہے؟''

تو میں بلا کم و کاست کہہ دوں گا۔ ''پروفیسر احمد رفیق۔''

اور اگر کوئی پوچھے گا۔

''تمہاری زندگی کی سب سے بڑی محرومی کیا ہے؟''

تو بھی میں بلا خوف و تردید کہہ دوں گا ''وہ وقت جو میں نے پروفیسر احمد رفیق سے دور رہ کر گزارا۔''

اور اگر پوچھنے والا پوچھے گا۔

''کیوں؟''

تو میں فوراً کہوں گا ''اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی جھوٹے خداؤں کی پرستش میں گزار

---

(1) جاوید چوہدری کی کتاب ''زیرو پوائنٹ'' سے۔

دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی اندھیرے میں بھٹکتے بھٹکتے گزار دیتا' اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو میں شاید باقی زندگی بھی کسی صاحبِ کشف' صاحبِ دعا اور صاحبِ نظر بزرگ سے ملاقات کی خواہش لیے ہی گزار دیتا۔ اگر مجھے پروفیسر احمد رفیق نہ ملتا تو شاید میں باقی زندگی بھی باعمل عالم کی تلاش میں گزار دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ اگر موج' موج ہے تو کناروں سے ضرور ٹکراتی ہے۔ اگر ہوا' ہوا ہے تو قطرہ خون میں ضرور اترتی ہے اور اگر روشنی' روشنی ہے تو وہ اندھیروں کا سینہ ضرور چیرتی ہے۔"

میں نے پروفیسر احمد رفیق سے پوچھا: "پروفیسر صاحب آپ ایک نظر میں لوگوں کو کیسے جان لیتے ہیں؟"

پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: "جب اللہ سے دوستی کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کو بہت سی کنجیاں دے دیتا ہے۔ ان کنجیوں میں ایک کنجی دلوں کے قفل کھولنے کی بھی ہوتی ہے۔"

"یہ کیا کنجی ہے؟" میں نے پوچھا۔

یہ علم اسماء ہے۔ قرآنی اسماء جو قدرت کی ہارڈ ڈسکس ہیں' یہ ہارڈ ڈسکس چودہ (حروف مقطعات) ہیں' ہر ڈسک میں مختلف لوگوں کے ذہنی اور روحانی حالات درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان حروف کے علم سے نوازا ہے' لہٰذا جونہی کوئی نام میرے کانوں سے ٹکراتا ہے' اس کی پوری شخصیت میرے دماغ میں اتر آتی ہے۔"

میں نے پروفیسر سے پوچھا: "پروفیسر صاحب آپ کو خدا کیسے ملا؟"

اس نے اسی اطمینان سے جواب دیا: "صرف خلوص سے' جب میں نے خدا کو پہچان لیا تو میں نے دیکھا کسی بزرگ نے اسے پانے کے لیے چالیس برس جنگلوں میں ننگے پاؤں گزار دیے' کوئی کنویں میں الٹا لٹک کر وظیفہ کرتا رہا' کوئی دریا میں ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر اسے یاد کرتا رہا...... تو میں نے اپنے رب سے دعا کی یا اللہ! اگر صرف جسمانی طور پر مضبوط لوگ ہی تمہیں یاد کر سکتے ہیں تو شاید میں پوری عمر تمہیں نہ پا سکوں لیکن اگر کمزوروں کا بھی تم پر اتنا ہی حق ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میں زندگی میں کبھی تم سے رخ نہیں بدلوں گا' تم سے اپنی "کمٹمنٹ" نباہوں گا تو مجھے خدا مل گیا۔"

میں نے پروفیسر سے پوچھا: "پروفیسر صاحب آج کل خدا کی کیا پوزیشن ہے؟"

پروفیسر نے قہقہہ لگایا اور بولا: "آج کل خدا کی پوزیشن کو بڑا خطرہ ہے' ادھر دنیا میں اطلاعات اور علوم کا ایٹم بم پھٹ چکا ہے' ذہنوں میں نئے سوال پیدا ہو چکے ہیں لیکن ادھر ہمارے مولوی ابھی تک اونٹ پر سواری کے دور سے گزر رہے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوال دنیا کے بہترین اداروں کے پڑھے لکھے اعلیٰ ترین دماغ کرتے ہیں لیکن جواب وہ ان پڑھ اور گنوار مولوی دیتا ہے' جسے ابھی تک چاند کی تسخیر کا دعویٰ ہضم نہیں ہوا۔ لہٰذا انہیں ہماری سمجھ آتی ہے اور نہ ہم ان کی سمجھ سکتے ہیں۔ اس "کمیونی کیشن گیپ" میں اللہ تعالیٰ کا تصور تیزی سے "ڈی شیپ" ہو رہا ہے' نعوذباللہ۔ اہل یورپ کی نظر میں اس کی ایک متعصب' تنگ نظر اور وحشی قوم کے "لیڈر" جیسی شکل بن رہی ہے۔ چنانچہ جب تک پڑھے لکھے اور جدید علوم و فنون سے آراستہ لوگ اللہ تعالیٰ کے "ایڈوائزرز" بن کر سامنے نہیں آئیں گے' خدا کا تصور وسیع نہیں ہوگا۔"

پروفیسر کی کہانی بڑی عجیب ہے۔ ایم اے انگریزی کیا' لاہور کے ایک کالج میں پروفیسری' شاعری کی' ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کیا' لیکن اس دوران جب اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ڈائلنگ شروع ہوئی تو گوجر خان آ بیٹھا'

جہاں اب دن رات ذہنوں کی پیاس بجھاتا ہے' گمراہوں کو راہ دکھاتا ہے' پریشان حال لوگوں کے دکھ سنتا ہے اور آخر میں ہر آنے والے کو کاغذ کی ایک چٹ پر چند اسماء الٰہی لکھ دیتا ہے' اب پتا نہیں ان اسماء الٰہی میں کیا ''جادو'' ہے جو انہیں پڑھتا ہے وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اور بندہ باہم مل کر ایک ہو جائیں تو کیا دنیا کا کوئی مسئلہ' مسئلہ رہ جاتا ہے؟

اگر پروفیسر کی ذات سے ''روحانی بلوغت'' نکال بھی دی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ نے اسے دلوں پر اثر کرنے والی شخصیت' جاذب طرزِ تکلم اور بے پایاں علم سے نوازا ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کے لیے کسی دوسرے معجزے کی ضرورت نہیں رہتی۔

میں نے پروفیسر سے پوچھا: ''پروفیسر صاحب آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا؟''

وہ گہرے اطمینان سے بولا: ''خدا سے کہ سارے علوم کے دھارے اسی کی ذات سے نکلتے ہیں۔ جو اس کا ہو گیا وہ گویا علم کے سمندر میں ڈوب گیا۔''

اور میں نے اپنے آپ سے پوچھا کیا آج کا کوئی انسان پروفیسر کے بغیر خدا کے جدید تصور کو چھو سکتا ہے تو جواب ملا نہیں کہ اکیسویں صدی کے لوگوں کو صرف پروفیسر احمد رفیق سے ہی روشنی مل سکتی ہے کیونکہ صرف یہی شخص ہے' جو نہ صرف اکیسویں صدی کے دماغ کو سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ خدا کی بات کو کس لہجے اور کس فریکوئنسی میں کہا جائے تو وہ دلوں کے قفل توڑ کر ذات میں رچ جاتی ہے' بس جاتی ہے۔

پسِ حجاب[1]

مطالعہ وسیع ہو، علم مستحضر ہو، استدلال کی بنیاد تعقل و تفکر پر ہو، پیرایۂ اظہار دل کو اپنی گرفت میں لینے کا ہنر جانتا ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ کریم نے سخن کو تاثیر کی نعمت سے مالا مال کر رکھا ہو تو ایسے شخص کو مرجع خلائق بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ یہی صورت گرامی قدر پروفیسر احمد رفیق اختر کے حوالے سے بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ تصوف اپنی ابتدا ہی سے متنازعہ بنا رہا ہے اور اتنا متنازعہ کہ ایک عظیم المرتبت صوفی غوثِ اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کو کہنا پڑا کہ: ''وہ طریقت، جس سے شریعت کے کسی حکم کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہو، صدیق کے بجائے زندیق بنا دیتی ہے۔''

عصرِ حاضر میں تصوف کی تعبیر و تفسیر کے سلسلے میں پروفیسر احمد رفیق اختر کا نام بہت مستند و معتبر گردانا جاتا ہے۔ مجھے پروفیسر صاحب کی محفلوں میں شریک ہونے کی سعادت میسر آتی رہتی ہے۔ خلوت و جلوت دونوں میں تمام سوالوں کے جوابات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور ختمی مرتبت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے منابعِ نور سے رجوع کرتے ہیں۔ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ جہانِ دانش کے جدید ترین مآخذ تک ان کی رسائی، فکر کی منزلوں کو طے کرتی ہوئی نظر کے علاقے میں داخل ہو جاتی ہے۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر تجسس، جستجو، توجہ اور نظر کے سفر میں زندگی، انتساب کلی اور سپردگی تمام کی منزلوں سے نہ گزرے تو گوہرِ مراد حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں مختلف مسلکوں، فرقوں، طبقوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسی منہاج کے پیشِ نظر رکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس سے ان کا تعلق ہو، مگر آخری بات کے لیے ان کی دلیل، کتابِ مبین اور حدیث مبارک ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا ان کے تمام خیالات سے متفق ہونا ممکن نہیں ہے۔ افکار و حیات و دلائل کا اختلاف، جہانِ علم و دانش کی اولیات و روایات میں سمجھا جاتا ہے، مگر پروفیسر رفیق کے خیالات و افکار ایک بار آپ سے رک کر از سرِ نو اپنی رائے پر غور کرنے کا مطالبہ ضرور کرتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔ تصوف کی روایت کو توہمات و کرامات کے منطقوں سے نکال کر دلیل و دانش سے جوڑ دینا پروفیسر احمد رفیق اختر کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو ان کے لیے ہی نہیں، ان کے ہم نشینوں کے لیے بھی سببِ طمانیت و امتیاز ٹھہرتا ہے۔

---

(1) افتخار عارف کا خلاصہ بصورت ایل پی ''پسِ حجاب'' سے۔

اسلام آباد میں ایک جوگی سے ملاقات ![1]

آج میں آپ کا تعارف اپنے ایم۔اے۔او کالج کے ایک پرانے دوست اور آج کے ایک بہت بڑے صوفی دانشور سے کرانا چاہتا ہوں۔ تب کی بات ہے جب ایم۔اے۔او کالج لاہور کا ہاسٹل ''طالب علم رہنماؤں'' کی ''آماجگاہ'' بنا ہوا تھا چنانچہ ''خیر سگالی'' کے اظہار کے طور پر حریف رہنماؤں میں باہمی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے بعد کالج میں دنگا فساد بھی عام تھا' آئے روز ''پولیس مقابلے'' ہوتے تھے۔ میں ان دنوں ایم۔اے۔او کالج میں اردو کا استاد تھا۔ ایک روز کالج میں داخلے کا متمنی ایک نوجوان اعجاز حسین بٹالوی کا ایک خط میرے نام لے کر آیا' جس میں لکھا تھا ''برادرم قاسمی صاحب! حامل رقعہ ہذا کا خیال ہے کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے' خواہ اس کے لیے ایم اے او کالج ہی کیوں نہ جانا پڑے۔'' یہ بھی انہی دنوں کی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی سے پوچھا: ''کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ کالج' اسلامیہ کالج اور ایف۔سی کالج وغیرہ میں سے ہر سال ایک آدھ طالب علم ایسا نکلتا ہے جو کالج کا نام روشن کرتا ہے' ایم۔اے۔او کالج سے کیوں نہیں نکلتا؟'' اس ستم ظریف نے جواب دیا: ''طالب علم یہاں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیتا ہے اور فورتھ ایئر تک پہنچتے پہنچتے پولیس مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ کوئی بچے گا تو کالج کا نام روشن کرے گا۔'' خیر یہ تو لطیفہ گوئی تھی۔ اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ لاہور کا واحد کالج تھا جو انتہائی کم نمبروں والے طلبہ کو داخلہ دیتا تھا اور اس کے باوجود اس کا رزلٹ بہت قابل فخر نہ سہی باعث شرمندگی بھی نہیں تھا۔ میری ملاقات ایک چیف انجینئر سے ہوئی۔ اس نے کہا: ''مجھے لاہور کے تمام کالجوں نے دھتکار دیا کیونکہ میٹرک میں میرے نمبر کم تھے' لیکن ایم۔اے۔او کالج نے مجھے اپنی آغوش شفقت میں پناہ دی۔ میں آج چیف انجینئر ہوں۔ میں اس کالج کا احسان نہیں اتار سکتا۔'' اس زمانے میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے کالج کو طعنے دینے والے ایک سال کے لیے گورنمنٹ کالج میں اعلیٰ ترین نمبر حاصل کرنے والے طالب علموں کا داخلہ ایم۔اے۔او کالج منتقل کر دیں اور جو لڑکے ہم نے داخل کیے ہیں' وہ ہم گورنمنٹ کالج منتقل کر دیتے ہیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کس کالج کا رزلٹ اور ڈسپلن مثالی ہے؟

انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام قیام پاکستان سے پہلے سے قائم اس تاریخی کالج کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اس کا ذکر میں کبھی بعد میں کروں گا۔ فی الحال میں اپنے ایک کولیگ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا تعلق شعبہ انگریزی سے تھا۔ اس زمانے میں پروفیسر خورشید صدر شعبہ انگریزی تھے' وہ اپنے شعبے کے خواجہ صاحب' اطہر زیدی' محبت علی الفت' اعجاز اور

(1) عطاء الحق قاسمی کے کالم ''روزنِ دیوار'' سے (روزنامہ جنگ' 13 جون 2002ء)

دوسرے تمام اساتذہ کو بہت تحفظ دیتے تھے اور انہیں مرغی کی طرح اپنے پروں کے نیچے رکھتے تھے۔ انہی میں میرا یہ دوست بھی تھا۔ جوان رعنا' سانولا رنگ' ماتھے پر دلیپ کمار کی طرح بالوں کی لٹ' نہایت خوش لباس اور خوش گفتار اور چین سموکر۔ اسے انگریزی اور اردو پر یکساں دسترس تھی۔ مطالعے کا بے حد شوقین تھا' اس دوست کے مزاج کا انداز دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ جب کالج میں ہمارا آمنا سامنا ہوتا۔ یہ مجھے روک کر کھڑا ہو جاتا اور چوسر (Chaucer) کے زمانے کی انگریزی یا ملا وجہی کے زمانے کی اردو میں پوری سنجیدگی کے ساتھ لیکچر کے انداز میں گفتگو شروع کر دیتا اور میں ہنستے ہنستے بے حال ہو جاتا۔ میں جس دوست کا ذکر کر رہا ہوں' یہ عام لوگوں جیسا ہوتے ہوئے بھی عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔ بہت بے خوف' نڈر اور دل کی بات کھل کر کہنے والا۔ اس کا آبائی گھر لاہور سے باہر تھا' چنانچہ اس نے کالج کے قریب ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا اور یہ لاہور شہر کا واحد گھر تھا جس کے دروازوں پر تالا نہیں تھا۔ اس گھر میں تھا بھی کیا۔ ایک چارپائی' دو تین چائے کے مگ' چنانچہ جس دوست نے ستانا ہوتا تو وہاں جا کر چارپائی پر سو جاتا۔

اس زمانے میں ہمارے کالج میں ایک پرنسپل صاحب تشریف لائے جن کے خیالات یقیناً بہت اچھے ہوں گے' لیکن قابل عمل نہیں تھے' چنانچہ ہم نے ان کا نام تغلق رکھ دیا۔ ایک دن میرے اس دوست کا اختلاف تغلق صاحب سے ہو گیا' جس پر اس نے کالج کی پروفیسری سے استعفیٰ دیا اور اپنے آبائی قصبے میں واپس جا کر وہاں برتنوں کی دکان کھول لی۔ اس پر ہم میں سے کسی کو بھی حیرت نہ ہوئی۔ یہ درویشی کے انداز اس میں پرانے تھے۔ اس کا کردار بے داغ تھا۔ اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی۔ وہ عالم تھا مگر اسے اپنے علم کا غرور نہیں تھا' میرا کئی دفعہ جی چاہا کہ میں اس کے قصبے کا دورہ کروں اور دیکھوں کہ انگریزی کا پروفیسر اور ایک عام شخص ایک معمولی دکان پر بیٹھا برتن بیچتا کیسا لگتا ہے مگر ہر بار کوئی مجبوری آڑے آئی اور اس ہمدم دیرینہ سے ملاقات کی خواہش دل ہی میں رہی۔ اس دوران اس دوست کے بارے میں عجیب و غریب خبریں سننے میں آئیں۔ ایک اڑتی خبر یہ سننے میں آئی کہ وہ ایک روحانی شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے مگر مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی کیونکہ روحانیت کے اثرات تو شروع ہی سے اس کی شخصیت میں بہت واضح تھے۔ اختلاف رائے پر نوکری سے استعفیٰ دینا اور ایک دانشور کا رزق حلال کے لیے برتنوں کی دکان کھولنا اپنے طور پر ایک روحانی فعل تھا' مگر جب میں نے سنا کہ وہ باقاعدہ پیر بن گیا ہے اور اس کے عقیدت مندوں میں جرنیل' بیوروکریٹس' دانشور' ادیب اور صحافی کثیر تعداد میں شامل ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اب میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا دوست ''پیر'' بن کر کیسا لگتا ہے اور گذشتہ ہفتے اسلام آباد میں سجاول خاں رانجھا کی کتاب کی تقریب رونمائی میں میری ملاقات اپنے اس دوست سے ہو گئی۔ وہ اس تقریب کی صدارت کر رہا تھا اور ہال اس کے چاہنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔

کل کے انگریزی کے پروفیسر اور آج کی اس روحانی شخصیت کا نام پروفیسر احمد رفیق اختر ہے جسے ہم کالج میں رفیق اختر جوگی کے نام سے پکارتے تھے۔ میں نے اسے دیکھا تو میرا سینہ خوشی سے بھر گیا۔ اس کی وضع قطع میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اسی طرح کلین شیوڈ' ماتھے پر بالوں کی لٹ' خوش پوش اور چین سموکر۔ اس کے گرد عقیدت مندوں کا ہجوم تھا اور وہ انہیں ذکر کی تلقین کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں تسبیح کی عبارت لکھ کر دیتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح ملا جیسے ایک پرانے بے تکلف دوست کو ملتے ہیں۔ عقیدت مندوں کی کثرت بھی اس کے انسانی رویوں پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ شاید یہ بھی

اس کی روحانیت کا ایک کرشمہ تھا! پروفیسر احمد رفیق اختر لوگوں کی فرمائش پر ان کے لیے دعا مانگتا ہے۔ میں نے بھی اس سے اپنے لیے دعا کی فرمائش کی' لیکن میرا اپنا تعلق بھی چونکہ پیروں کے خانوادے سے ہے' لہٰذا میری بھی دُعا ہے کہ پروفیسر رفیق اختر جوگی سے روحانی فیض حاصل کرنے والے طبقے کے رویوں میں وہ تبدیلی واقع ہو جو حقیقی فیضانِ نظر سے حاصل ہوتی ہے اور یوں اگر کوئی جرنیل ہے تو وہ اپنے حلف کی پاسداری کرے' صحافی ہے تو وہ سچ لکھے' بیوروکریٹ ہے تو وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے' جج ہے تو وہ ہر قسم کے خوف' دباؤ اور لالچ سے بالا ہو کر اپنے فیصلے تحریر کرے اور اگر وہ سیاستدان ہے تو ذاتی مفاد سے بالا ہو کر صرف پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھے۔ اگر اتنے بڑے روحانی منبع سے فیض حاصل کرنے والوں میں یہ تبدیلی نہیں آتی تو میرے دوست کی رہنمائی میں پھیری جانے والی تسبیحیاں اس دنیا کے کاموں کے لیے تو شاید مفید ثابت ہوں' لیکن آخرت میں یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ گناہ آلود ضمیر بھی عبادات سے نہیں' معاملات کی وابستگی ہی سے مطمئن ہوگا۔

پروفیسر صاحب[1]

محترم خواتین وحضرات! اگر محض ایک جملہ ادا کرنا ہوتو میں صرف وہ بات دہرانے کی جسارت کروں گا جو خود پروفیسر صاحب بارہا کہہ چکے.....عقیدت اور جہالت کا آغاز ایک ساتھ ہوا کرتا ہے.....

اٹھارہ برس ہوتے ہیں.....مسافر کو مظفر آباد سے لوٹتے ہوئے کوہ مری میں ایک درویش سے ملنا تھا جو اس پر راہ روشن کر دیتا۔ وہ جو ہزار راستوں کے سنگم پر کھڑا تھا اور اس کی اپنی ایک بھی راہ نہ تھی۔ مظفر آباد سے جھاگ اڑاتے پانیوں کے ساتھ سفر کرتی بس بالآخر دریا سے جدا ہوئی اور بلندیوں کو بڑھنے لگی مگر مسافر اپنی نشست پر جما رہا۔ ایک محدود سی شہادت پر اتنی زحمت کیوں اٹھائی جائے۔ کون جانے خانقاہ نشیں وہی اجداد کی ہڈیوں کا تاجر ہو۔ ادھر دردایسا تھا کہ درماں کو بے تاب تھا۔ تب اس نے چیڑ اور دیار کے بلند وبالا اشجار اور پہاڑوں کے درمیان شام کی سرمست ہوا میں اپنے پروردگار سے دعا کی۔ اے میرے رب! ایک عالی قدر اور مہربان ومشفق استاد عطا کر۔ گئے زمانوں کا سا کوئی استاد جس کا غور وفکر زندگی کی گہرائیوں اور رفعتوں کو ماپ چکا ہو اور جو متلاشیوں میں اپنا سوز دروں بانٹتا ہو۔

بجھے ہوئے دل کی یہ دعا تیرہ برس کے بعد قبول ہوئی اور پروفیسر احمد رفیق اختر سے ملاقات ہو گئی۔ 48 برس کی عمر میں میں اپنی پختہ عادات کے ساتھ ان سے ملا اور پھر صحافت کا پیشہ جو خودستائی کو اتنا سازگار ہے کہ فقط سبزہ لہلہاتا ہے اور خاکساری گرد ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بتدریج دوستی ہو گئی۔ میں ان کا دوست نہیں' محض ایک شاگرد ہوں اور وہ بھی خاصا نالائق۔ ثابت صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک صوفی استاد محض اپنے کونے ہی سیدھے نہیں کرتا' گردوپیش بھی تراشنے میں لگا رہتا ہے' حتیٰ کہ پتھر میں بھی کہ شاید کوئی صورت ابھر آئے۔

''صوفی اپنے ساتھ ہمدردی کا ہرگز متحمل نہیں۔'' پچھلے دنوں انہوں نے مجھ سے یہ کہا اور اس انداز میں نہیں' جیسے میں نے دہرا دیا۔ جب وہ ایسی بات کہتے ہیں تو ایک گہری دل سوزی' لپک' چہک اور وارفتگی ان کی آواز میں شامل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے کسی بلند مقام پر تیز رفتار گاڑی سے دھان کے ہرے کچور کھیتوں پر ساون کے ابر کو سخاوت کرتے دیکھا ہے' جب ہوائیں اپنا سب سے سہانا اور سب سے زیادہ دلگداز گیت گاتی ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ طویل عرصے کے بعد وہ تاریخ میں ایک نئے علم کے بانی ہیں۔ اسماء کی روشنی میں کرداری خصوصیات کا تعین اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اسماء ربانی اور ختم المرسلین ﷺ کی دعاؤں کے ساتھ ان کرداری خصوصیات کی

(1) ہارون رشید کے کالم ''ناتمام'' سے (روزنامہ جنگ' 23 جون 2003ء)

خامیوں کا خاتمہ اور تاریکیوں میں اجالے کا اہتمام۔ اپنے اس علم کے بل پر وہ اگلے زمانوں میں یاد رکھے جائیں گے اور لوحِ زماں سے کوئی ان کا نام کھرچ نہ سکے گا۔ صدر بش کے امیدوار بنتے ہی انہوں نے بھارت میں متعین امریکی قونصل جنرل کو بتا دیا تھا کہ اگر اس شخص کو اقتدار ملا تو بیگناہوں کے خون سے زمین آلودہ ہوگی۔ ان کے سوا کون ہے، پانچ برس پہلے ہی جس نے ایک تاریخی فساد کی خبر دی۔ کون ہے جو ایک حکمران کے پہلے دن اس کے دور کی خصوصیات بیان کرے اور کون ہے جو برسوں پہلے واحد عالمی قوت کے دلدل میں اترنے کے مدارج بیان کر ڈالے۔ میں وہاں موجود تھا' جب انہوں نے یہ کہا عمران خان کے مشیر ناقص ہیں، سے فقط ایک نشست ملے گی مگر ریاضت کے مہ و سال کے بعد...... اور عمران خان بھی سامنے بیٹھے تھے۔

ہم میں سینکڑوں اور ہزاروں ہیں' جنہیں حیران کن تجربات سے واسطہ پڑا اور بار بار پڑا' تاہم اگر یہی کچھ ہوتا تو بے شک مخفی علوم میں ایک اور علم کے اضافے سے' وہ کتابوں اور یونیورسٹیوں میں اعتبار پاتے مگر اس رفعت کو ہرگز نہ پہنچتے جو اللہ نے ارزاں کی ہے' اگر انہوں نے قرآن اور سیرت کو یوں من میں بسا نہ لیا ہوتا۔ اگر وہ انسانوں کے لیے ایسے خلیق' مہربان اور مددگار نہ ہوتے۔ علم برتر ہے مگر وہی حجاب بھی ہے اور کبر بھی ہے اور کبر بھی طبع زاد۔ خیال کی رفعت و وسعت برحق مگر ان گنت ابلیس اسی سے پیدا ہوئے۔ تاریخ پران کا علم معتبر اور فصاحت مسلم مگر اکثر یہ قومی امنگوں کی تجارت کا ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ دلیل کے ہنگام وہ شائستہ اور استوار ہوتے ہیں۔ پہاڑ کی طرح مضبوط اور شاخِ گل کی طرح خنداں۔ اختلاف تو کیا اعتراض' طعنے اور دشنام پر بھی برہم نہیں ہوتے مگر یہ سب تو ان کا اپنا اثاثہ ہے۔ کشتیاں پار لگتیں یا ڈوب جاتیں' دریا اپنی طغیانیوں میں مگن رہتا۔ اگر وہ عطا کے خوگر نہ ہوتے تو ہم ان سے کیا پاتے۔ وہ اپنا سوز اور علم عام کرتے ہیں۔ خوف اور اندیشوں سے بلند' فصاحت' شائستگی اور بے ساختگی کے ساتھ' کتنی ہی زندگیاں ہیں جو سرسبز اور بامعنی ہوگئیں۔

خواتین و حضرات! پروفیسر صاحب کے بارے میں بات کرنا مشکل نہیں۔ پانچ برس اور بلا مبالغہ سینکڑوں طویل ملاقاتیں مگر اس حیرت پر قابو پانا مشکل ہے کہ عام علماء کے برعکس دونوں ہاتھوں سے سرکار ﷺ کا دامن تھامے قرآن میں غوطہ زن یہ مردِ مسلمان' ماضی کے بجائے ہمیشہ حال میں زندہ رہتا ہے اور قدامت پسندی سے اسے دور کا سروکار بھی نہیں۔ علماء ہی نہیں' جدید علوم سے وہ اکثر سیکولر مفکرین اور فلسفیوں سے زیادہ بہرہ ور ہے۔ پھر تہذیبوں کی تاریخ اور ادب عالیہ کا ایسا گہرا اور ہمہ گیر مطالعہ۔

لیکن آخر میں وہی گزارش ہے کہ وہ ایک آدمی ہیں۔ گاہے ان کے اندازے غلط بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کی علمی روایت اور عصری تحریکوں کے بارے میں ان کے ہر تجزیے سے اتفاق ممکن نہیں کہ یہ اعجاز تو صرف قرآن کا ہے اور صرف سرکار ﷺ کا ہے۔ خود ان کا اپنا قول بھی تو یہی ہے کہ عقیدت اور جہالت کی حدود ہمیشہ ایک ساتھ شروع ہوتی ہیں۔

(22 جون 2003ء کو اسلام آباد میں پروفیسر صاحب کے لیکچر سے پہلے پڑھا گیا)

اَللّٰهُمَّ
اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا
فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا
وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ
الدُّنْيَا وَعَذَابِ
الْاٰخِرَةِ ○

(اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام بہتر فرما اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے)